

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188859

UNIVERSAL
LIBRARY

Osmania University Library

Call No.

۹۱۵

Accession No.

۲۰۲۳۱

Author

ن س

۴.۲۰۲۳۱

Title

نقد نامہ حکیم نامہ خسرو منیر جمہ محمد الزراقی محمد منیر جمہ
نقد نامہ حکیم نامہ خسرو منیر جمہ محمد الزراقی محمد منیر جمہ

This book should be returned on or before the date last marked below.

915
S-N

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۳۷

سفرنامہ

(حکیم) ناصر خسرو

مترجمہ

مولوی محمد عبدالرزاق کانیپوری

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

۱۹۴۱ء دہلی پرنٹنگ پریس دہلی قیمت ۱۰ روپے

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۳۷

سفرنامہ

(حکیم) ناصر خسرو
شاہ علی ہند درود، جیلد ۱۰

مترجمہ

مولوی محمد عبدالرزاق، کانپوری

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

۱۹۴۱ء

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
مقدمہ			
۲۹	سیاحت پر مختصر تبصرہ	۱	تمہید
۲۹	سیاحت ماژندران و بلغاریہ		سیرت حکیم ناصر خسرو
۳۰	سیاحت ہندوستان	۵	نام و نسب
۳۲	ہمعصروں سے ملاقات	۷	کنیت
۳۵	سفرنامہ مغرب کی مختصر تاریخ	۸	القاب
۳۸	خصوصیات سفرنامہ	۸	وطن
۴۰	سفرنامے پر اعتراض	۱۰	قبادیان کی تحقیقات
۴۱	کیا ناصر خسرو دو تھے	۱۲	ولادت
۴۱	ناصر کی شاعری کی ابتدا و انتہا	۱۳	عہد طفولیت و تعلیم و تربیت
۴۱	ناصر کی شاعری کا موضوع	۱۸	عاشقانہ زندگی
۴۲	تخلص	۱۹	کیمیا کا شوق
۴۵	کلام پر راے	۱۹	شاہی ملازمت
	ناصر خسرو و محبت خراسان		ناصر خسرو و سیاح
۴۸	تاریخ اسلام میں سیاسی انقلاب	۲۳	سیاحان عرب و عجم
۴۹	بنو امیہ کا عروج و زوال		طریق المدارج

ب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۷	قیام میکان کے تاریخی اسناد	۵۰	حکومت عباسیہ کا انحطاط اور فاطمین
۷۸	میکان میں ناصر کے مصائب و آلام		کا خروج
۸۱	یاد وطن	۵۲	ابو تیمم معرقتب متنصر باللہ
۸۵	مدح مستنصر باللہ فاطمی	۵۲	ناصر قاہرہ میں
۸۶	خلفائے عباسیہ کی تحریک بربادی	۵۲	ایوان الکبیر میں عید کی دعوت
۸۷	گوشہ غزلت اور علم و عمل		قاہرہ میں ناصر خسرو کی تعلیم، اس کے
۹۰	تصنیفات ناصر خسرو		عقاید اور مذہب
۹۱	سنہ تصنیف	۵۴	سفر مصر اور مذہبی تعلیم
۹۲	سبب تصنیف	۶۲	سیاست مصر سے قبل ناصر کا مذہب
۹۲	در عقل کل و نفس کل	۶۳	تنزیل و تاویل
۹۵	مثنوی سعادت نامہ	۶۴	حشر و نشر
۹۶	زاد المسافرین	۶۵	انکار
۹۹	سقراط	۶۵	ارکان حج پر تعریف
۹۹	افلاطون	۶۷	عبرت و نصیحت
۹۹	ارسطو		صوبہ خراسان میں ناصر خسرو کی تبلیغی خدمت
۱۰۰	بحث نفس کل		اور ناکامی کے اسباب
۱۰۱	وجہ دین	۷۰	دعوت خراسان
۱۰۳	ناصر خسرو کی انشا کا نمونہ	۷۳	خانقاہ میکان میں قیام
۱۰۵	دیوان عربی	۷۵	ناصر میکان میں

ج

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۸	رسالۃ النامہ فی زاد القیامہ	۱۰۵	دیوان فارسی
۱۰۹	کنز الحقائق	۱۰۶	المستوفی
۱۰۹	آفاق نامہ	۱۰۶	اکسیر اعظم
۱۰۹	رسالۃ سرگزشت ناصر خسرو	۱۰۶	قانون اعظم
۱۰۹	ناصر خسرو کی وفات	۱۰۶	دستور اعظم
۱۰۹	سنہ ولادت اور سنہ وفات	۱۰۶	تفسیر القرآن
۱۰۹	ایک خاص اصول	۱۰۸	بستان المعقول
۱۱۰	تجہیز و تکفین کا افسانہ	۱۰۸	نحوان اخوان
۱۱۵	خاتمہ	۱۰۸	دلیل المتحیرین
		۱۰۸	رسالہ در علوم یونان

متن

۵	محدثیات و ماوند	۱	دولت سلجوقیہ کا آغاز اور ناصر خسرو
۵	قرزین	۱	کی ملازمت
۶	ایک بقال کی احمقانہ گفتگو	۲	ناصر خسرو کا ایک خواب
۶	طارم	۳	ناصر خسرو کی سیاحت کا آغاز
۶	دریا کے آبکوں کی مشہور ندیاں	۳	نیشاپور
۶	اور جزیرے	۴	توس
۷	شمیران	۴	علی نسائی اور ناصر کی گفتگو

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶	سرین	۷	امیر ابراہیم
۱۶	معرة النعمان	۸	بتیز
۱۷	ناموراویب و شاعر ابو العلامعری	۸	ملک الملوک ابو منصور
۱۸	حماہ	۹	قطران شاعر سے ملاقات
۱۸	عرفہ	۹	وان
۱۹	طرابلس	۹	اخلاط
۲۰	طرابلس	۱۰	بطلس
۲۱	جُبیل	۱۰	عمر
۲۱	بیروت	۱۰	ارزن
۲۲	صیدا	۱۱	میافارقین
۲۲	صور	۱۲	امیر ابو نصر احمد کردی
۲۳	عکہ	۱۲	آبد
۲۳	بنرگاہ	۱۳	آمد کی مسجد
۲۴	چشمہ عین البقر	۱۴	آمد کا کلیسا
۲۵	دامن کوہ عکہ کے مشہور و مقدس مقامات	۱۵	حران
۲۶	طبریہ	۱۵	قرودی
۲۶	طبریہ کی مسجد	۱۵	ناصر ملک شام میں
۲۸	مزار ابو ہریرہؓ	۱۶	سروج و بیج
			حلب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸	قبۃ جبولؑ	۲۸	حیفا
۲۸	قبۃ الرسول	۲۹	الکلیسہ
۲۹	چپوترے کی سیڑھیاں	۲۹	قیاریہ
۲۹	مقام النبی	۳۰	کفرسابا اور کفر سلام
۵۰	مقام غوری	۳۰	رملہ یا فلسطین
۵۰	مقام شرقی	۳۱	بیت المقدس
۵۱	مقام شامی	۳۱	سیاحت کا دوسرا سال
۵۱	بیت المقدس سے مدینۃ الخلیل	۳۳	ساہرہ
	کوروانگی	۳۳	وادی جہنم
۵۲	صفت مشہد خلیل	۳۴	عین سلوان
۵۳	مشہد حضرت ابراہیمؑ	۳۴	بیت المقدس کا شفا خانہ
۵۴	خوان خلیل	۳۵	صخرہ مبارک اور مسجد اقصیٰ
۵۵	ناصر خسرو کا پہلا حج	۳۸	مہد عیسیٰؑ
۵۶	سیاحت کا تیسرا سال	۳۹	مسجد اقصیٰ
۵۶	بیعۃ القمامہ	۴۰	مسجد اقصیٰ کا مقصورہ
۵۷	ناصر خسرو بیت المقدس سے مصر براہِ خشکی	۴۴	چپوترہ صخرہ نابیان
۵۰	طلینہ	۴۵	قبۃ صخرہ
۵۸	جزیرہ تنیس	۴۵	عمارت صخرہ
۶۱	صالحیہ	۴۸	قبۃ سلسلہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۰	باب الجوامع	۶۱	ناصر خسرو کا قاہرہ میں داخلہ
۸۱	سوق القنادیل	۶۱	مصر کا جغرافیہ
۸۲	مصر کے بازار میں میوے، سبزی اور	۶۲	نیل کا منبع
	پھولوں کے افراط	۶۲	نیل کی طغیانی
۸۳	خروف لگی	۶۴	اسکندریہ کا مینار
۸۳	مصری سوت	۶۵	سلجماسہ
۸۳	وسائل آب رسانی	۶۵	اندلس
۸۳	جزیرہ مصر	۶۶	جزیرہ صقلیہ
۸۴	جزیرہ	۶۶	شہر قلزم و بحر قلزم
۸۴	مصری تاجروں کی ایمان داری	۶۷	چار
۸۴	مصر کی پیداوار	۶۷	فسطاط یا قاہرہ
۸۵	کرایے کے خچر	۷۱	قاہرہ کی ابتدائی آبادی
۸۵	مصر کا تمول	۷۳	قاہرہ کے تفصیلی حالات
۸۶	مصر کی کارواں سرائیں	۷۸	اقتراح خلیج کے تفصیلی حالات
۸۷	دعوت الیوان الکبیر	۷۸	شجر بلساں
۸۷	قصر خلافت اور دعوت عید	۷۹	قاہرہ کے محلے
۸۸	دیوان خاص	۷۹	قدیم شہر مصر کا بیان
۸۸	خوان نعمت	۸۰	جامع طولوں
۸۸	آب دارخانہ	۸۰	مصر کے مکانات
			مصر کی گلیاں اور کوچے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۹	سیاحت کا چھٹا سال	۹۹	سیرت مستنصر باللہ
۹۹	ضقیقہ	۹۰	محکمہ اوقاف
۱۰۰	حوض	۹۰	اعلان حج اور قافلہ کی روانگی
۱۰۰	عذباب	۹۱	ناصر کی قاہرہ سے مکہ معظمہ کو روانگی
۱۰۱	قوم بجاہاں	۹۳	ناصر مدینے میں
۱۰۱	علاقہ مصر و نوبیا کا مشترکہ جنگل	۹۳	ناصر کا دوسرا حج
۱۰۱	بحر قلزم	۹۴	ناصر کا تیسرا حج
۱۰۲	ماہی قرش کا بیان	۹۴	اعراب کی وحشیانہ خدمت
۱۰۳	ناصر کا ایک فیاض دوست	۹۰	ناصر کی سیاحت کا پانچواں سال
۱۰۴	بندر گاہ جدہ	۹۵	والی حلب کی بغاوت
۱۰۵	صفت شہر مکہ	۹۶	مصر میں باغ لگانے کا قاعدہ
۱۰۵	ناصر کا چوتھا حج	۹۷	ناصر خسرو کی قاہرہ سے روانگی
۱۰۶	کوہ صفا		براہ سعید الاعلیٰ
۱۰۶	کوہ مروہ	۹۸	اسیوط
۱۰۶	احرام عمر و حج	۹۸	قوص
۱۰۹	ملک عرب و ارض یمن	۹۸	انجمیم
۱۰۹	حجاز و یمن کا جغرافیہ	۹۸	اسوان
۱۱۱	قصر غندان	۹۹	اسوان سے ولایت نوبیا کا راستہ
۱۱۱	عقیق صنعار	۹۹	جزیرہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۵	طائف	۱۱۱	مسجد الحرام
۱۲۶	ناجیہ ثریا اور قلعة سطار	۱۱۲	تفصیل ابواب مسجد الحرام
۱۲۶	حصن بنی نسیر اور قلعة جزع	۱۱۴	عمارت خانہ کعبہ
۱۲۷	ناصر کی سیاحت کا ساتواں سال	۱۱۵	حجر اسود
۱۲۸	ہرم کے آثار قدیمہ	۱۱۵	خانہ کعبہ کے دروازے کا بیان
۱۲۸	فلج	۱۱۶	خانہ کعبہ کے اندرونی حصے کا بیان
۱۳۱	یامہ	۱۱۶	حجر
۱۳۱	لحما	۱۱۹	مقام ابراہیم
۱۳۲	فرماں رواں لحما کے حالات	۱۱۹	چاقہ زمزم اور اس کی عمارت
۱۳۵	جزیرہ بحرین	۱۲۰	سقایۃ الحاج
۱۳۵	خلیج عمان	۱۲۰	خرانتہ الزیت
۱۳۶	ناصر خسرو یامہ سے بصرہ	۱۲۱	امیر مکہ کا محل
۱۳۷	بصرہ	۱۲۱	متولیان خانہ کعبہ
۱۳۷	نہر معقل و نہر اُبہ	۱۲۲	افتتاح دروازہ کا بیان
۱۳۸	بصرہ کا بازار	۱۲۳	یمینی اور ہندی کی نسلی مشابہت
۱۳۸	ناصر حمام بصرہ میں	۱۲۴	حجرانہ
۱۳۹	ناصر کی ملاقات ابو الفتح علی بن احمد	۱۲۴	میدان عرفات
۱۴۰	مشاہد حضرت علی	۱۲۴	ناصر خسرو کا چوتھا حج
۱۴۱	ناصر دوبارہ حمام میں	۱۲۵	منیٰ اور مسجد خیف
۱۴۱	دریائے بصرہ کے مد و جزر	۱۲۵	مکہ معظمہ سے ناصر خسرو کی روانگی اور سفر یمن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۸	اصفہان	۱۴۲	شہر اُتبہ
۱۴۹	نائین	۱۴۳	بصرہ کے مشہور ناچے
۱۴۹	فرمانروائے طبس کے حالات	۱۴۳	ناصر بصرہ سے براہ فارس وطن جانا ہی
۱۵۰	طبس	۱۴۴	صہادان
۱۵۲	تون	۱۴۴	خشاب یا فانوس البحر
۱۵۲	کاریز کنا بد	۱۴۵	خشاب
۱۵۲	قائن	۱۴۵	ہرد بان
۱۵۲	سرخس	۱۴۶	ارافان
۱۵۲	مردود	۱۴۷	سیاحت کا آٹھواں سال
۱۵۲	بلخ	۱۴۷	لور وغان
حواشی			
۱۶۴	شہورغان	۱۵۷	قبادیان
۱۶۴	باریاب	۱۵۷	مرو
۱۶۵	سنگلان	۱۵۹	تنج دیہم
۱۶۵	طالقان	۱۶۰	مردارود
۱۶۵	نیشاپور	۱۶۰	ابوسلیمان چغری بک
۱۶۶	سرخس	۱۶۲	قران
۱۶۶	اجہات المدارس	۱۶۳	جوز جاناں یا جوز جان
۱۶۷	خواجہ مرفی	۱۶۳	قدیم سند فارسی

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۱۴۴	من کی مقدار	۱۴۷	کوان
۱۴۴	بیل	۱۴۷	قوس
۱۴۵	قیان	۱۴۷	بسظام
۱۴۵	طارم و طارمین ویرزالجیر	۱۴۸	دامغان
۱۴۵	شاد رود و سپیدرود	۱۴۸	آب خوری و چاشت خواران
۱۴۵	آبسکون	۱۴۸	سمنان
۱۴۶	مرزبان الدیلم	۱۴۹	ابوعلی نسای
۱۴۷	جیلان یا گیلان	۱۴۹	بوعلی سینا
۱۴۷	در بند	۱۵۰	بلخ
۱۴۸	سراب	۱۵۰	رتر
۱۴۸	سعید آباد	۱۵۰	ساده
۱۴۸	تبریز	۱۵۰	همدان
۱۴۸	قطران	۱۵۰	آمل
۱۴۹	منجیک	۱۵۱	فرنگ
۱۴۹	دقیقی	۱۵۲	دناوند
۱۴۹	مزد	۱۵۲	قرزین
۱۴۹	خوی	۱۵۳	سلطانیه
۱۴۹	برکری	۱۵۴	زنجان
۱۴۹	آذر بایجان	۱۵۴	قوهر

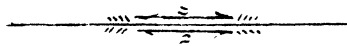
صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۴	بنج	۱۸۰	دان ووسطان
۱۸۴	ناصر ملک شام میں	۱۸۰	آرمینیا
۱۸۵	حلب	۱۸۰	اخلاط
۱۸۵	رطل ظاہری	۱۸۰	پول
۱۸۵	حمص	۱۸۱	رطل
۱۸۵	دمشق	۱۸۱	بطلس
۱۸۶	انطاکیہ	۱۸۱	قَفْ اَنْظُرْ
۱۸۶	جند قنسور	۱۸۱	اوسین قرنی
۱۸۶	سرین	۱۸۲	قطران
۱۸۶	معرة النعمان	۱۸۲	میا خارقین
۱۸۶	ابوالعلماء معری	۱۸۳	الزلن
۱۸۶	کومات، کویمات یا کفرطاب	۱۸۳	رزارمانوش
۱۸۶	حماء یا حماة	۱۸۳	امیر نصر الدولہ
۱۸۸	آب عامی	۱۸۳	نصرہ
۱۸۸	فوارۃ الدیر	۱۸۳	آمد
۱۸۸	عرقہ	۱۸۴	حران
۱۸۹	نیشکر	۱۸۴	قرودی
۱۸۹	شجر النارنج	۱۸۴	سروج
۱۹۰	طرابلس الغرب	۱۸۴	نہر فرات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۵	دامون	۱۹۰	روم
۱۹۶	ذوالکفل	۱۹۰	کاغذ سمرقندی
۱۹۶	اعلیٰ	۱۹۱	اندلس
۱۹۶	ہود	۱۹۱	سسی یا صقلیہ
۱۹۶	عزیز	۱۹۲	قلمون
۱۹۷	شعیب	۱۹۲	طراہ زون
۱۹۷	اربل	۱۹۲	جبیل
۱۹۷	یوکبد	۱۹۳	بیروت
۱۹۸	بکیرہ طبریہ	۱۹۳	صیدا
۱۹۸	یوشع بن زون	۱۹۳	صور
۱۹۸	دریاے لوط	۱۹۳	دادنی بطاف
۱۹۹	دینار مغربی	۱۹۴	عکہ
۲۰۰	ابو ہریرہؓ	۱۹۴	صالح
۲۰۰	کفرکن	۱۹۴	مینا
۲۰۰	حضرت یونسؑ	۱۹۵	عین البقر
۲۰۰	حیفا	۱۹۵	بروت
۲۰۱	جودی	۱۹۵	لورلی
۲۰۱	الکنیسہ	۱۹۵	تل بروہ
۲۰۱	قیساریہ	۱۹۵	شمعون

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۲۰۶	صالحیه	۲۰۲	بجرا الروم
۲۰۶	نهر جیحون	۲۰۲	کفر سبابا
۲۰۶	نهر سیحون	۲۰۲	کفر سلام
۲۰۶	ترند	۲۰۳	رمله
۲۰۶	نوبیه یا نوبیا	۲۰۳	لقرون
۲۰۶	صعیدا لاعلی	۲۰۳	بیت المقدس
۲۰۶	اسوان یا سوان	۲۰۳	ساهره
۲۰۶	جبل القمر	۲۰۳	عین سلوان
۲۰۸	اسکندریه	۲۰۳	مسجد اقصی
۲۰۸	مینا را اسکندریه	۲۰۴	قبه صغره
۲۰۸	الحاکم بامر الله	۲۰۴	گزنلک
۲۰۹	قیروان و سلجماسه	۲۰۴	درخت حور
۲۰۹	المهدیه	۲۰۴	بیت اللحم
۲۱۰	صقلاب	۲۰۵	مشهد خلیل
۲۱۰	اندلس	۲۰۵	بیعة القمامه
۲۱۰	قدیم جزیره صقلیه	۲۰۶	عسکلان غره
۲۱۰	بحر قلزم	۲۰۶	طینه
۲۱۰	شهر قلزم	۲۰۶	جزیره تنیس
۲۱۰	شهر جاد	۲۰۶	قسططنیه

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۲۱۴	کوه صفا	۲۱۱	قاهره
۲۱۵	کوه مروه	۲۱۱	تأسیس خلافت
۲۱۵	عرب ولین	۲۱۱	قصر الکبیر
۲۱۵	صعده	۲۱۱	جامع ازهر
۲۱۵	زبید	۲۱۱	جشن وفار النیل
۲۱۵	صنعا قصر غدران	۲۱۲	جامع عمرو بن العاص
۲۱۵	نجد	۲۱۲	جزیره مسریا ارضه
۲۱۶	نجران	۲۱۳	جنیره
۲۱۶	مسجد الحرام	۲۱۳	المستنصر بالله
۲۱۶	خلیفه العزیز بالله	۲۱۳	مدینه طیبہ
۲۱۶	جعرانه	۲۱۳	اسیوط
۲۱۶	عرفات	۲۱۳	قوس
۲۱۶	مزدلفه	۲۱۳	اخمیم
۲۱۶	منی	۲۱۳	عیذاب
۲۱۸	مسجد خیف	۲۱۴	بحر یا بحایه
۲۱۸	طائف	۲۱۴	ماهی قرش
۲۱۸	فلج	۲۱۴	جده
۲۱۸	یامره	۲۱۴	کمره معظمه
۲۱۸	الحسا	۲۱۴	کوه البقیس

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۲۲۲	راغان	۲۱۹	ابوسعید جنابی
۲۲۲	لوردوغان لنجان	۲۱۹	عمان
۲۲۲	اصغیان	۲۲۰	فارس، بحر فارس
۲۲۲	طائین	۲۲۰	بصره
۲۲۲	طیس	۲۲۰	شط العرب
۲۲۲	خننص	۲۲۰	نهر معقل
۲۲۲	تون	۲۲۰	نهر ابله
۲۲۳	کاریز کنابد	۲۲۰	اهواز
۲۲۳	قاین	۲۲۱	شهر ابله
۲۲۳	زوزن	۲۲۱	جزیره عبادان
۲۲۳	دست گرد	۲۲۱	خساب
		۲۲۱	مهربان توه
		۲۲۱	گازرون



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بنام آنکہ داراے جہانست خداوند ترن و عقل و روانست
بنام کردگارِ فسرِّ داور کہ هست از دہم و فکر و عقل برتر
(ناصر خسرو)

مقدمہ ترجمہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو علوی بلخی موسومہ ”المسالك“

۱۔ تمہید | ۱۳۱۶ھ میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔ زمانہ طالب علمی سے شمس العلماء خان بہادر ذکا اللہ دہلوی سے شرف نیاز حاصل تھا۔ لہذا سلام و مزاج پُرسی کے لیے مولانا کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔

اثنائے گفتگو میں عربوں کی سیرو سیاحت کا تذکرہ شروع ہو گیا اس کے بعد سیاحانِ عجم کی باری آئی تو شمس العلماء نے سفرنامہ فارسی حکیم ناصر خسرو کا ذکر کیا اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”خواجہ الطاف حسین حالی نے چند سال ہوئے کہ یہ سفرنامہ مع مقدمہ شایع کیا ہے تم اس کو ضرور پڑھو“

مولانا سے رخصت ہو کر درسیہ ردہی کا مشہور بازار کی سیر کی اور مشہور کتاب خانوں کو دیکھا تو حسن اتفاق سے سفرنامہ مذکور جو ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوا تھا مل گیا، یہ نادر الوجود سفرنامہ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو کے قلمی نسخے کی نقل تھا۔ میں نے یہ سیاحت نامہ دوران سفر از دہلی اسٹیشن تا کانپور میں پڑھا اور پڑھ کر بے انتہا مسترت ہوئی کیونکہ نہ صرف ادبی حیثیت بلکہ وقایع سیاحت اور عجایب عالم کے لحاظ سے بھی نہایت جامع اور دل چسپ تھا۔ اس بنا پر تنقید کا نظر سے دو مرتبہ اور مطالعہ کیا۔ جب مضامین اور طرز انشاء پر عبور ہو گیا تو ندرت کے لحاظ سے ترجمے کا خیال پیدا ہوا اور اس ضرورت سے خواجہ بزرگ حالی کو جنوری ۱۳۱۶ھ میں ایک عربیہ لکھا۔ خواجہ صاحب نے کمال شفقت حسب ذیل جواب عنایت فرمایا جو بحسنہ (مع عکس) نقل کیا جاتا ہے۔

عنایت نامہ پہنچا نا صرخرہ و کا سفرنامہ یا اس کا ترجمہ چھاپنے کی اجازت یا ممانعت کرنے کا مجھے کچھ حق نہیں، آپ ضرور اس کا ترجمہ چھاپیے، مگر اس میں نوٹوں کی ضرورت ہوگی۔ امید ہے کہ آپ اس فرض کو بخوبی انجام دیں گے۔

میں نے جو اس کے اول میں نا صرخرہ و کا حال فارسی میں لکھا ہے اس میں سخت محنت اور تلاش مجھ کو کرنی پڑی ہے۔ میں بہت خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اگر وہ تحقیقات صحیح ہو تو اس کا ترجمہ بھی سفرنامے کے اول میں چھاپ دیجیے۔ ۱۳ فروری ۱۹۰۷ء

خاکستہ حالی از پانی پت

محترم خواجہ کی تحریر سے واضح ہوا کہ بغیر حواشی (نوٹ) کے اس سفر نامے کی اشاعت بے کار ہو اور یہ خیال صحیح تھا کیونکہ ناصر خسرو آغاز پانچویں صدی ہجری میں سیاحت کو نکلا تھا۔ لہذا دور حاضر تک جغرافی اور تاریخی حیثیت سے امصار و دیار اور حکومتوں میں عظیم الشان فرق آگیا تھا۔ علاوہ بریں ناصر ایک مشہور حکیم اور عدیم النظیر فلسفی شاعر بھی تھا۔ لہذا اس کے سوانح حیات کے سفر نامے میں شامل ہونے کی بڑی ضرورت تھی بلاشبہ یہ دونوں کام سخت مشکل تھے لیکن خواجہ کی حوصلہ افزائی سے ان مشکلات کو میں نے سہل سمجھا اور توکل علی اللہ ترجمہ شروع کر دیا۔

اس زمانے میں اشاعت البرامکہ کے بعد خواجہ حسن نظام الملک طوسی کی سیرت زیر تالیف تھی لہذا ترجمے کے لئے ہفتے میں ایک دن مقرر کیا گیا اور دو سال میں ترجمہ ختم ہو گیا۔

اس مرحلے کے طو ہونے پر عاشرہ نگاری کے لئے امصار و بلاد آتنا قدیمہ سمندر داریا اور مشاہیر رجال کی فہرست مرتب کی گئی ڈھائی سو نوٹوں کی ضرورت محسوس ہوئی، یہ تعداد ہمت شکن نہ تھی لیکن اس کی تکمیل دشوار تھی۔ کیونکہ جن کتابوں سے اخذ و نقل کا کام لینا تھا وہ ہندوستان میں نایاب تھیں اور ناصر کی تصنیفات کی اشاعت کا برکن (جرمن) میں اہتمام ہو رہا تھا لہذا کچھ عرصے تک علیگرھ کالج کی لٹن لائبریری سے استفادہ کیا گیا لیکن پھر بھی نوٹوں کی تکمیل نہ ہو سکی تب ایک یورپین

لجہ میری حالت سے اندازہ فرمائے کہ جب ترجمہ شروع کیا تھا اس وقت دولت عثمانیہ میں سلطان عبدالحمید خان ایران میں شاہ ناصر الدین قاجار افغانستان میں ضیا و الملّت امیر عبدالرحمن خان حکمران تھے اور آج بد سب حکومتیں بدل چکی ہیں۔

پروفیسر کالج کے مشورے سے لیڈن (ہولانڈ) کی مشہور مشرقی پریس برل سے عربوں کے نایاب سفر نامے، جغرافیے اور بعض نادر تاریخیں بہ قیمت چار سو روپیہ خرید کی گئیں اور ۱۳۲۲ھ میں یہ ذخیرہ یورپ سے آگیا۔ اور نوٹ نگاری کا کام شروع ہوا۔ عربی تصانیف کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کا اور اسلام اور دائرۃ المعارف پطرس بستانی سے بھی انتخاب کیا گیا اور مطبوعات (متعلقہ سیرت ناصر) مصر، بیروت اور جرمن کی خریداری مسلسل ۱۳۴۲ھ تک جاری رہی جس کی مجموعی قیمت تین سو اٹھتر روپیہ چودہ آنہ چھو پائی تھی۔

۶ دسمبر ۱۳۲۳ھ سے خاکسار ریاست بھوپال میں تحصیلدار مقرر ہو چکا تھا۔ لہذا کام کی رفتار بہت سست ہو گئی تھی اور بجائے علمی مشاغل کے کاغذات دیہی سامنے رہتے تھے تاہم تعطیلات اور فرصت کے گھنٹوں میں سفر نامے کی تکمیل ہوتی رہی اور خدا خدا کر کے وہ دن آیا کہ (ترجمہ سفر نامہ مع حواشی) طباعت کے لئے مولوی ذاکر عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کے سپرد کر دیا گیا۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۳۹ء تک تکمیل سفر نامہ میں مصروف رہا ہوں لیکن یہ کہنے کا استحقاق ضرور ہے کہ

”برخے از عمر گر انما یہ براو کردم صرف“

کیتب ماند کی فہرست نہایت طویل ہے۔ لہذا وہ انڈکس (مکمل فہرست) کے ساتھ شامل رہے گی۔ اب حکیم ناصر خسرو کی ابتدائی سوانح عمری ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ سیرت حکیم ناصر خسرو علوی بلخی

۱۔ نام و نسب | تذکرۃ مجمع الفصحاء امیر اشعرار رضا علی خاں تخلص بہ
ہدایت میں ناصر خسرو کا نسب نامہ حسب ذیل ہے

ناصر بن خسرو بن حارث بن عیسیٰ بن حسن بن محمد بن موسیٰ بن علی بن
امام موسیٰ الرضا علیہ السلام۔

ایک رسالہ جو ناصر کے نام سے مشہور ہے، اس میں ناصر سے محمد تک
صرف پانچ پشتیں درج ہیں بقیہ نام نہیں ہیں لیکن جملہ تذکرہ نگار متفق
ہیں کہ وہ امام موسیٰ الرضا کی اولاد میں ہے اور ناصر کا بھی یہی دعویٰ ہے لیکن

اسے یہ رسالہ دیوان ناصر خسرو مطبوعہ ممبئی میں شامل ہے۔

اسے یہ رسالہ ناصر کا مصنفہ ہی یا نہیں؟ اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ جو گروہ
ناصر کو ملحد و کافر مانتا ہے وہ اس رسالے کو فرضی سمجھتا ہے۔ اور جو طبقہ ناصر
کو حکیم اور جامع علوم و فنون سمجھتا ہے۔ وہ اس رسالے کو اس کا مصنفہ جانتا ہے
دوسرا رسالہ جو تنخیر کو اکب میں ہے اس کی بھی یہی حالت ہے، میری تحقیقات
کے مطابق پہلا رسالہ جو دیوان مطبوعہ تبریز و ممبئی کے آخر میں ہے، وہ ناصر خسرو
کا ہے۔ لیکن اس کی عبارت از اول تا آخر تبدیل کر دی گئی ہے جس میں ایک سطر
بھی ناصر کی قلمی نہیں ہے، کیونکہ نشر میں جو کتابیں ناصر کی طبع ہو چکی ہیں ان کا
طرز انشاء اس رسالے سے جدا گانہ ہے۔ البتہ حالات ناصر کے ہیں جس کی
تصدیق دیگر ذرائع سے ہوتی ہے۔ لیکن حالات میں بھی ترمیم کی گئی ہے
خصوصاً واقعات موت اور یکان کے طلبی حالات اور یہ اضافہ اس لیے
کیا گیا کہ اس عہد میں درویشوں کے حالات میں کرامات وغیرہ کا تذکرہ
ضروری تھا۔

جو رسالہ تنخیر کو اکب اور نیرنگات میں ہے وہ محض اس لیے فرضی قرار

بعض اصحاب کا خیال ہو کہ یہ انتساب علویت محض فخریہ ہو۔ وہ خاندان امام کا ایک معمولی خادم اور معتقد ہو۔

لیکن ناصر کی دیانت سے یہ بعید معلوم ہوتا ہو کہ وہ اپنا نسب نامہ فرضی لکھے اور کوئی بھی مسلمان یہ جرات نہیں کر سکتا ہو کہ خاندان رشتہ سے اپنا شجرہ ملائے۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں جس سے یہ بحث خود ہی طو ہو جائے گی۔

۱۔ من شرف و فخر آل خویش تبارم گرد گرے راشرف، بال و تبار راست
۲۔ گر تو بہ تبار فخر داری من مغر گو ہر تبارم
۳۔ گر ترا پشت بہ سلطان خراسان است بیج غم نیست ز سلطان حسرت سام

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵) دیا گیا ہو تخریر کو اکب اور طلسمات کا علم اب فنا ہو چکا ہو، لیکن یہ رائے محض غلط ہو کیونکہ علوم کے فنا ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا ہو کہ اس علم و فن کی کتابیں بھی غلط ہیں ناصر کے زمانے تک مختلف ممالک میں طلسمات موجود تھے جن کا تذکرہ سفر نامے میں ہوا اور ناصر نے تخریر و ترمیمات کا علم بابل میں حاصل کیا تھا۔ جس کے اطراف و جوانب میں اس علم کے جاننے والے اس وقت تک موجود تھے محققین کا خیال ہو کہ اس رسالے کی زبان میں بھی تبدیلی کی گئی ہو اور مضامین میں بھی ترمیم و تصرف کیا گیا ہو۔ شمس العلماء آزاد تذکرہ نگارستان فارس میں لکھتے ہیں کہ ”ناصر کا پہلا رسالہ (فلسفی) مجھکو بدخشاں میں ملا تھا چنانچہ انھوں نے ناصر کے کل حالات اسی رسالے سے نقل کیے ہیں لیکن جس کو وہ صحیح سمجھتے ہیں یہ حالات اکثر تصرف آمیز ہیں۔“

۱۔ دیباچہ سفر نامہ مطبوعہ برلن ۱۳۳۵ھ مرتبہ غنی زاوہ شاگرد رشید مسٹر براؤن انجمنی۔

۲۔ از دیوان ناصر مطبوعہ طهران صفحہ ۳۶-۲۰۸-۲۰۴-۲۱۱-۲۱۱

۳۔ ایران میں ہنوز امام موسیٰ الرضا علیہ السلام کو شاہ خراسان کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔

اشعار مندرجہ بالا میں صرف امام علیہ السلام کا کنایہ تذکرہ ہے۔

ب یہ شعر ملاحظہ ہو۔

۴۔ شلخ پُربارم از تخم بنی زہرا پیش چشم تو بید و چنار آید
علاوہ بریں ناصر نے ایک دوسرے شعر میں عجبی لُسنل ہونے سے
انکار کیا ہے۔

۵۔ من از پاک فرزند آزاد گانم نگفتم کہ شاپور بن اردشیرم
آغاز سفر نامہ میں ناصر نے اپنی کنیت ابو معین الدین تحریر
کی ہے اور اشعار میں ابو معین اور ابو معین بھی آیا ہے۔

۲۔ کنیت

پند خوب و شعر حکمت را بدار یادگار از ابو معین ام مستعین
ناصر کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام معین الدین تھا اور ملک شاہ سلجوقی
(۱۰۶۵ء) کے عہد میں یہ دفتر انشا نیشاپور میں ملازم تھا اور اس کا
چچا خواجہ ابوالفتح عبدالجلیل (جس کا سفر نامے میں ذکر ہے) دفتر وزارت
شاہ جان میں کسی معزز عہدے پر ممتاز تھا۔ آخر عمر میں ناصر تہجد کا قایل
تھا۔ اور عورتوں کے سچو میں اکثر اشعار لکھے ہیں چنانچہ لکھتا ہے
زن جاد و است جہاں من نخرم زرقش زن بود آنکہ مرا و را بہ فرمید زن
زرق آں زن را بیزن نشود (۲۱۸) کہ چہ آورد باخر سر بیزن
(شاہ نامہ ملاحظہ ہو)

پھر چند شعر کے بعد لکھتا ہے۔

مر مرا پُرس ازین زن کہ مرا با او شصت یا بیش گزشتہ است دو وہمن

(شہر ایران)

کہ اگر عورتوں کا حال پوچھتے ہو تو مجھ سے سنو کیونکہ ۶۰ سال یا

اس سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی ہو کہ میرا اور عورت (بنی بنی) کا ساتھ ہو۔ اس وقت ناصر میکان میں گوشہ گیر تھا۔ اور یہ بنی بنی اس کے ساتھ حق رفاقت ادا کر رہی تھی۔ مگر جناب ناصر غالب دہلوی کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں کہ ”نہ بھند اہی ٹوٹتا ہی نہ دم نکلتا ہو“ بجائے قدر دانی کے جس پیرے میں اپنی رفیق حیات کا ذکر کیا ہو وہ الفاظ سے ظاہر ہے۔

۳۔ **القاب** | تذکروں میں ناصر کے مختلف القاب ہیں۔ دولت شاہ ناصر خسرو لکھتا ہے اور درویشانہ زندگی کے خیال سے بعض نے شاہ اور سلطان بھی لکھا ہے۔ یہ پچھلا خطاب صرف آثار البلاد قزوینی میں ہے۔ اور بصراحت لکھا ہے کہ ناصر بلخ کا سلطان تھا اور تذکرہ مجمع الفصحاء میں ناصر کا لقب حجت ہے جس پر جداگانہ بحث کی گئی ہے۔

۴۔ **وطن** | ناصر کے بزرگوں کا وطن کہاں تھا؟ اس میں بہت اختلاف ہے۔ حاجی لطف علی بیگ، صاحب آتش کدہ آذر نے ناصر کو شعرائے اصفہان میں شمار کیا ہے، کیونکہ اس تذکرے کی ترتیب شعراء کے محل ولادت اور مستقر پر کی گئی ہے دولت شاہ کا بھی یہی قول ہے کہ ”صل او از اصفہان است“، خواجہ ثحالی مقدمہ سفرنامہ میں لکھتے ہیں۔

تذکرہ نویسوں، صل حکم را، از اصفہان معلوم داشته اند، اتاہیج دلیل کہ مفید خبرم باشد ذکر نہ کردہ بل بلا حفا

چندی تو ان گفت کہ اور اباعن جده باصفہان و دیگر بلاد از
عراق عجم و پارس ہیج تعلقے نہ بودہ و اسلاف و بزرگان ادا
عہد مامون الرشید ابن رشید یا بہ عبارت دیگر از زمان
امام علی ابن موسی الرضا کہ جد ہشتم ناصر خسرو بودہ ہیں
در صفات خراسان سکنی داشتہ“

خواجہ صاحب کی تحقیقات صحیح ہو۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہو کہ
جب ناصر جج کے بعد داخل بلخ ہوا ہو تو وہ بصرہ اور اصفہان کے راستے
سے آیا تھا اور صرف ۲۰ یم اصفہان میں قیام کیا تھا۔ اور اشار ثناء
کنایتاً بھی ذکر نہیں کیا ہو کہ اصفہان میرے بزرگوں کا وطن تھا۔ لہذا
یہ روایت قابل تسلیم نہیں ہو۔

اصفہان کے بعد بیان کیا جاتا ہو کہ ناصر کا وطن بلخ تھا یہ قرین
صحت ہو کیونکہ بلخ کیا نبیوں کے زمانہ حکومت میں خراسان کا زمانہ دراز
تک دار الحکومت رہا ہو۔ اور ناصر کے زمانے تک صوبہ خراسان میں بلخ
ایک آباد شہر تھا اور ناصر کے بلخی ہونے پر اس کا یہ شعر سند کافی ہو۔

اے باد عصر گر گزری بردیا بلخ بگزر بنائے من و آسنا بجوئی حال
شعر میں اگرچہ دیار بلخ ہو مگر دیوان کے متعدد اشعار میں وہ خراسان
کے ساتھ بلخ کو بھی عالم غربت میں بار بار یاد کرتا ہو۔ لہذا بلخ سے بلدہ
بلخ ہی مقصود ہو اور دوسرے مصرع میں ”خانہ من“ ایسا لفظ واقع ہو ہو
جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ہو۔ لہذا ناصر بلخ میں پیدا ہوا۔ اور یہی
شہر اس کے بزرگوں کا وطن تھا۔ اصفہان و بلخ کے بعد ایک تیسرا مقام
قبادیان ہو جس کو علمائے یورپ ناصر کا وطن قرار دیتے ہیں اور

اُن کا استدلال سفرنامے کی اس عبارت پر ہے
 ”چنین گوید ابو معین الدین ناصر خسرو القبادیانی المروزی تابا^{علیہ} اللہ
 لیکن قبادیان یا مرو کے بعد متوطن یا مسقط الرأس کے الفاظ موجود
 نہیں ہیں جس کی بناء پر یہ دعویٰ ہو سکے کہ قبادیان ناصر کا مستقل وطن تھا
 واقعہ یہ ہے کہ سلجوقیوں کی حکومت کا آغاز ہوا تو خراسان کے باشندے
 بلخ وغیرہ سے سمٹ کر دار السلطنۃ مرو (کلمان) کے اطراف میں آباد ہونا
 شروع ہوئے اور ناصر کا خاندان بھی اسی زلنے سے قبادیان میں آباد
 ہوا ہو گا کیونکہ ناصر کی ابتدائی ملازمت بھی طغرل بک سلجوقی کے عہد
 سے شروع ہوتی ہے، جس کا مرکز حکومت مرو (شاہ جان) تھا اب صرف
 یہ امر تحقیق طلب ہے کہ قبادیان کہاں تھا اور مرو سے اس کو کیا نسبت تھی؟
 ناصر نے اپنے دیوان میں کسی جگہ قبادیان | قبادیان کی تحقیقات
 کا نام نہیں لیا ہے بلکہ متعدد شعرا میں
 خراسان، بلخ اور میکان (مضافات بدخشان) کو یاد کیا ہے جس سے
 ظاہر ہے کہ قبادیان اس کا وطن نہ تھا اور یہاں اس کے بزرگوں کا قیام
 محض خارجی اسباب سے تھا۔

اب وہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں جس پر میرا استدلال ہے اس کے

۱۔ سفرنامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۲

۲۔ دقاق ایک تاتاری سردار تھا جس کا بیٹا سلجوق تھا اور اسی نام کی نسبت سے حکومت
 سلجوقیہ کہلائی سلجوق مذکور کا بیٹا میکائیل تھا جس کے دو نامور بیٹے طغرل بک اور چغری بک
 تھے جو بانی حکومت سلجوقیہ ہوئے اور محمود غزنوی کی رحلت (۴۲۱ھ) پر صوبہ خراسان پر
 قابض ہو گئے۔ ناصر کے عالم شباب میں چغری بک خراسان کا گورنر تھا جس کا دار الحکومت
 مرو شاہ جان تھا۔

بعد قبادیان پر بحث کی جائے گی۔ اول اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔
 گشتن این گنبد نیلوفری گر نہ ہی خواہد گشت اسپری
 گر چہ مراصل خراسانی است اندپس پیری وہی دسری
 دوستی عمرت خانہ رسول کرد مرا یکی و ماژندری
 اشعار مندرجہ بالا سے واضح ہوا کہ ناصر خراسانی الاصل ہوا اور خراسان
 عراق عجم کا ایک بڑا صوبہ ہے جس کا مشہور شہر بلخ ہے۔ اور وہی ناصر کا وطن
 ہے۔ سفرنامہ اور دیوان ناصر کی ورق گردانی سے یہ ثابت ہوا کہ واپسی
 حج کے بعد وہ پھر بلخ میں سکونت پذیر ہوا تھا۔

لیکن جب اس کے عقاید کی شہرت ہوئی تو سپاہ ابوحنیفہ (علمائے
 احناف) کے خوف سے بلخ چھوڑ کر بدخشاں چلا گیا۔ اور ایک پہاڑی
 موضع میں جس کا نام میکان تھا گوشہ نشین ہو گیا۔ سند اشعار ذیل ملاحظہ
 ہوں۔

سلام کن زمین لے باد مرخراسان! مراہل فضل و خرد رانہ عام و نادان!
 خاکِ خراسان کہ بود جائے ادب معدن دیوان کس اکنوں شد
 حکمت راخانہ بود بلخ و کنوں! خانہ ویراں زنجبت و اثر وں شد
 صوبہ خراسان کا مشہور شہر مرو بھی ہے اور چونکہ مرو کے نام سے
 اُس وقت دو آبادیاں تھیں۔ لہذا فرق امتیاز کے لیے جو دار السلطنہ
 تھا اس کا نام مرو شاہ جان ہے جس کو ناصر خسرو ہر جگہ صرف مرو لکھتا ہے
 یہ مرو کلاں کہلاتا تھا اور چھوٹا مرو جغرافیوں میں مروالروہ کے نام

لے دیوان ناصر صفحہ ۲۹۱۔ ۳۵ ازہم سپاہ ابوحنیفہ بجا پرہ و ماندہ در حصارم
 دیوان صفحہ ۱۹۶ ۳۵ دیوان صفحہ ۷۲۰۔ ۳۵ تفصیل نوٹ میں ملاحظہ کیجئے۔

سے مشہور ہو۔ ناظرین کو یہ فرق یاد رکھنا چاہیے۔ اب قبادیان کی تشریح کی جاتی ہو۔ نامور پروفیسر ایڈورڈ براؤن کی یہ تحقیقات ہو کہ قبادیان دریائے ترند اور نہر جیون کے متصل ایک شہر تھا اور یہاں چھاؤنی بھی تھی۔ اور ناصر کی ولادت بھی قبادیان کی ہو۔“

عہد سلاویقہ میں قبادیان کا فوجی چھاؤنی ہونا قرین قیاس ہو اور یہ بھی صحیح ہو کہ قبادیان ترند اور نہر جیون کے متصل آباد تھا۔ ملاحظہ ہو نقشہ صوبہ خراسان، اور مرو شاہ جان سے قبادیان کا زیادہ فاصلہ تھا۔ عرصہ ہو کہ قبادیان فنا ہو چکا ہو اور چونکہ یہ قصبہ یا موضع دار السلطنت مرو کے مضافات میں تھا، بدین وجہ ناصر نے ”قبادیانی المروزی“ لکھا ہو ورنہ حقیقت میں قبادیان اس کا وطن نہیں ہو بلکہ ایک ہنگامی مستقر تھا اور ان نیکلو پیڈیا میں قبادیان کو متصل بلخ لکھا ہو۔

ناصر کے سنہ ولادت میں بھی بے انتہا اختلاف ہو

۵۔ ولادت | اور ہر تذکرہ نگار و مورخ نے مختلف سنیں لکھے ہیں لیکن دیوان ناصر میں حسب ذیل قصیدے کے تحت میں سنہ ولادت کی تشریح موجود ہو۔

لے خواندہ بے علم وہاں گشتہ سراسر تو بر زمی واز برت این چرخ مدور
بگزشت ز ہجرت پس سہ صد زود و چار۹ بنہا دمرا مادر بر مرکز اغبر

۳۹۴ھ
۶۱۰ھ

۱۔ تاریخ ادبیات ایران جلد ۲ حالات ناصر خسرو۔ ۲۹ دیوان صفحہ ۱۳۳
۲۔ دیوان صفحہ ۱۳۔ ۳۔ ناصر خسرو کی ولادت ماہ ذی قعدہ ۳۹۴ھ میں ہوئی تھی، ”سالنامہ پارس مطبوعہ ۱۳۱۳ھ (اصفہانی)“

چنانچہ مستشرقین یورپ نے اس سند پر ناصر خسرو کا سنہ ولادت ۳۹۳ھ صبح قرار دیا ہے۔ لہذا تذکروں کی روایت پر تنقید فضول ہے اور مزید اطمینان کے لیے اب ہم دوسرے طریقے سے سنہ ولادت کی تحقیق کرتے ہیں۔

ناصر ۴ جمادی الثانی ۳۹۳ھ میں جب بعزم سفر مکہ معظمہ روانہ ہوا ہے۔ تو چند روز قبل اس نے ایک خواب دیکھا تھا جو جج کا باعث ہوا چنانچہ جب صبح کو اٹھا ہے تو رات کا سماں پیش نظر تھا۔ اس واقعے کے بعد یہ جملہ لکھا ہے۔

”با خود گفتم کہ از خواب دو شین بیدار شدم باید کہ از خواب چہل سالہ نیز بیدار گردم“

اور قصیدہ مذکور میں سنہ ولادت کے بعد یہ شعر بھی موجود ہے۔
 پیمودہ شد از گنبد بر من چہل و دو جو یائے خرد گشت مرانفس سخور
 ان اسناد کے مطابق ناصر خسرو کا سنہ ولادت بحساب ماہ و سنہ قمری صبح ہے اور روانگی سفر کے وقت اس کی عمر ۴۲ سال کی تھی لہذا اب مزید تحقیقات کی ضرورت باقی نہیں ہے۔

۴۔ عہد طفولیت و تعلیم و تربیت | اس وقت میرے سامنے ناصر کے عام حالات میں تین تذکرے یعنی آتش کدہ آذر، دولت شاہ سمرقندی اور مجمع لفصحا موجود ہیں اور وہ رسالہ بھی پیش نظر ہے، جو ناصر کے نام سے موسوم ہے۔

ان چاروں کتابوں میں بادی تیز الفاظ حالات میں کچھ فرق نہیں ہے۔ لہذا یہ ابتدائی حالات انھیں تذکروں سے ماخوذ ہیں البتہ

بقدر امکان یہ کوشش کی جائے گی کہ ناصر ہی کی تصنیفات سے واقعات مندرجہ کی تنقید کی جائے کیونکہ اس کے علاوہ مزید صحت کا کوئی اور ذریعہ بھی نہیں ہے۔

انسان کی ولادت کے بعد فطرت جس ترتیب سے انسان کو پرورش کرتی ہے۔ ناصر کے الفاظ میں اس کی تشریح یہ ہے۔ ۱۔

- ۱۔ بگزشت ز بجزت پس سہ صد نو ذوقا ۱ نہب د مرا مادر بر مرکز اغبر
- ۲۔ ہالندہ ہے دانش ، مانند نباتے ۲ کو خاک سیہ زاید و ز آب مقطر
- ۳۔ از حال نباتی برسیدم بستوری ۳ یک چند ہی بودم چون مرغک بے پر
- ۴۔ در حال چہارم اثر مرد می آمد ۴ چوں ناطقہ رہ یافت در جسم مکر

مدارج ارببہ کے بعد جب نفس ناطقہ میں ادراک کا مادہ پیدا ہو گیا تو چھٹے سال میں ناصر کی مکتب نشینی ہوئی اور نو سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گیا اور پانچ سال کی محنت میں علم لغت صرف و نحو، عروض و قافیہ اور حساب و سیاق حاصل کیا۔

تفصیل مبادیات کے بعد تین سال میں نجوم، ہیت، رمل ، اقلیدس ، اور محسوطی کی تکمیل ہوئی۔ جب عمر کی سترہ منزلیں طر ہو گئیں تو علم ادب ، فقہ ، تفسیر اور حدیث کا درس شروع ہوا۔ اور اسی سلسلے میں امام محمد شیبانی کی کتاب جامع کبیر اور سیر کبیر بھی ختم ہوئی اور قرآن کی تکمیل کے لیے تقریباً تین سو تفسیریں پڑھیں ان میں کچھ تو داخل نصاب محضن اور بقیہ کا بطور خود مطالعہ کیا۔ تفسیر اور علوم القرآن کے بعد

فلسفہ یونان کو پڑھا چنانچہ پندرہ سال میں اس نصاب کی تکمیل ہوئی اور عالم شباب تک بلخ میں رہا۔ عربی کے علاوہ وہ ترکی، یونانی، عبرانی اور ہندوستانی (سندھی) زبان بھی جانتا تھا اور فارسی مادری زبان تھی اور عبرانی کی تصدیق سفرنامے سے ہوتی ہے۔

حالات طبریہ میں لکھتا ہے کہ ”در آنجا جانب غربی کو ہیست برآں کوہ پارہ سنگ خارا است و بخط عبری بر آنجا نوشتہ اند کہ بوقت آن کتابت ثریا بسر حمل بود“

جب ناصر کی عمر ۳۲ سال ہو گئی اس وقت تورات، زبور اور انجیل کو یہودی علماء سے پڑھا، اس کے بعد بطور خود ہر سہ کتب گو کا ل چھ سال تک محققانہ اور مناظرانہ حیثیت سے دیکھا۔ اس کے بعد منطق الہی، طبی (مصنف حکیم جاماسپ) طب اور ریاضیات کو ختم کیا اور سب سے آخر میں تصوف روحانیات، علم تنخیر اور طلسمات کو حاصل کیا جس کے ماہر بابل میں موجود تھے اور تقریباً چوالیس سال کی عمر میں ناصر خسرو ایک عدیم النظیر حکیم، فلسفی عالم مناظر اور شاعر بن گیا اور یہ جملہ علوم بلخ و بخارا، عراق اور ارضلاع خراسان میں حاصل کیے جس کی تردید نہیں ہو سکتی ہے۔ جہاں ہر علم و فن کے باکمال علماء و حکماء موجود تھے اور علمائے یہود و نصاریٰ نے ناصر سے اپنی مذہبی کتابیں پڑھی تھیں۔ ناصر نے خود جن علوم و فنون کے ماہر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ سنداً اشعار ذیل ملاحظہ فرمائیے جو دیوان مطبوعہ طہران سے انتخاب کیے گئے ہیں۔

لے از مقدمہ سفرنامہ خواجہ حالی۔

لے دیوان مطبوعہ طہران صفحات ۲۲۲-۲۶-۱۳-۱۳۸-۶۶-۲۳۷-۵۔

۱۔ حفظ قرآن + چرخ خوانم چرخ فرقاں کردم از بر۔ بجائے ختم فرقاں مدح دہقناں

۲۔ ادبیات و حساب۔

ورثہ از من برائیں دعویٰ گوا باید گواست
مرام شصہ وہم علم حساب وہم ادب

۳۔ علوم القرآن و خطبات۔

مونس جان و دل من چیست تسبیح و قرآن
خاک پائے خاطر من چیست ہ اشعار و خطب

۴۔ علم ہند۔

جہاں را دیدہ و آزمودہ !
شنیدی گفتہ تازی و دہقان

بہ علم ہند سہ سر بر کشیدی
بسند و ہند و اطراف خراسان

۵۔ فارسی عربی شاعری۔

بخواں ہر دو دیوان من تابینی
یکے گشتہ با عنصری، تجری را

نظام سخن از خداوند گہاں
دل عنصری داد و طبع جریم

اشعار بہ پارسی و تازی !
بر خوان و بداریا دگارم

شعر من بہ علم من برہان بس است
جان فرمائے صاف چوں زبال

۶۔ فنون حکمت۔

کسے کو با من اندر علم و حکمت ہمہری جوید
ہمہ خواہد کہ گل بر آفتاب و شبنم انداید

۷۔ معقولات۔ معقولات و فلسفہ میں ناصر خسرو بلاشبہ دوسرا ابوعلی سینا ہی۔

ترتبیفات من ز ادا المسافر
کہ معقولات را صلہ است قانون

اگر بر خاک فلاطون بخوانند
نمنا خواند مرا خاک فلاطون

۸۔ فلاسفہ یونان میں ناصر، سقراط فلاطون اور ارسطو کے فلسفے کا بہت شائق

تھا اور ان حکما کی تصانیف زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں۔ کیونکہ وہ یونانی زبان سے واقف تھا۔

۹۔ تصنیفات کے ذیل میں فلسفے پر ریویو کیا جائیگا۔

۸۔ اقلیدس

وگر دیدی مرا عاجز بگشتے در اقلیدس پیچم شکل ماموں!
 فضل و کمال پر فخر یہ اشعار لکھنا شعرائے عجم کا خاصہ ہے لیکن ناصر
 نے جو کچھ لکھا ہے بلا مبالغہ وہ ایک واقعہ ہے اور جامعیت علوم و فنون میں
 ناصر کا یہ مرتبہ ہے کہ اس کی مسند فلکِ اول پر بچپائی جائے جیسا کہ وہ خود
 بلند آہنگی سے دعویٰ کرتا ہے۔

گر بر قیاس فضل بگشتے مدار دہر جز بر مقرر ماہ بنودے مقرر مرا

(دیوان صفحہ ۵)

دنیات خصوصاً تفسیر القرآن میں ناصر نے جو موشگافیاں کی ہیں نس پر
 ایک جگہ کا نہ مقالہ لکھا گیا ہے۔ ۳۲ سال تک تکمیل علوم میں مصروف رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے
 کہ اس کا باپ خسرو ولتمند ہو گا۔ جس کے زیر سایہ ناصر اطمینان سے درس میں
 مشغول رہا لیکن کسی مورخ نے مفصل نہیں لکھا ہے۔ لیکن وہ خود لکھتا ہے کہ
 ”میں جس گھوڑے پر سوار ہوتا تھا، اس کی چال سے ہر ن شرمندہ تھا۔ اور
 زمین کا منہ ایسا رنگین تھا، جن کے سامنے طاؤس کے نقش و نگار بھی کچھ
 حقیقت نہ رکھتے تھے۔“

آہو بخل ز مرکبؔ رہوارم طاؤس شست پیش ند زینم

یعنی یہ دولت مندی کا اثر تھا اور شراب نوشی بھی لوازمِ امارت تھی اور واقعہ
 یہ ہے کہ دور طفلی کی طرح جوانی کا وہ حصہ جو ملا زمت میں گزرا، سراپا عیش
 و طرب تھا اور عالم شباب ہی میں سلاطینِ غرِ نوبہ کے درباروں کو بھی دیکھا

لے اقلیدس کے مقالہ اول میں جو پانچویں شکل ہے اس کا نام مامونی ہے۔ کیونکہ غلیغہ مامون الرشید عباسی
 کو ٹیپکل اس قدر پسند تھی کہ پیالوں پر نقش کرائی تھی (از شرح تحریر،

لے ملاحظہ ہو ریویو کتاب وجہ دین۔ سہ دیوان صفحہ ۱۹)

ہوگا سفر نالغے میں لکھتا ہو کہ۔

”من بارگاہ ملوک و سلاطین عجم دیدہ بودم چوں سلطان محمود
دلپیش مسعود ایشاں بادشاہان بزرگ بودند بانتمت و تجمل
بسیار، اکنون می خواہم کہ مجلس امیر المومنین (مستنصر باللہ فاطمی)

راہم بینم“

غزنویہ کے بعد بلجوتی دربار دیکھے چنانچہ چغری بیگ سلجوقی ناصر کی بڑی عزت
کرتا تھا۔ سلاطین کے علاوہ امراء و وزراء بھی ناصر کا احترام کرتے تھے، اور
یہ عزت فضل و کمال کی بنا پر تھی، اب سند اشعار ذیل ملاحظہ فرمائیے

عزت و ناز و ایمنی دنیا بے دیدم کنوں

رنج و بیم و سختی اندر دیں بہ منیم یک بدب

یک چند پیش گاہ ہی دیدی در مجلس ملوک سلاطینم

ہماں ناصر من کہ خالی نہ بود زمن مجلس میر و صدر و وزیر

بے دیدم عزت و آوا جلا آہا ز خواجہ جلیل و وزیر اجل

لیکن ناصر نے اپنی زندگی میں جو سب سے بڑا شاہانہ دربار دیکھا وہ

قاہرہ میں امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی کا دربار تھا اور بعد میں ناصر

کو خلیفہ کی بیعت کا بھی شرف حاصل ہوا جس کی تفصیل انشا اللہ آئندہ ہوگی

۵۔ عاشقانہ زندگی | طالب علمانہ زندگی کے بعد ناصر بمقتضائے عالم شباب

حسن و عشق کے جال میں بھی گرفتار ہو گیا تھا چنانچہ

اپنی زندگی کے اس واقعے کا خود ہی اظہار کرتا ہو۔

گا ہے زور د عشق پس خوب چہرگاں گا ہے ز حرص مال پس کیا شدم
نے باک د اشم کہ ہی عمر شد بباد نے شرم د اشم کہ ہی زری خطا شدم
وقت خزاں بباد رزاں شد لم فراخ وقت بہار شا د لبسز و گیا شدم

(دیوان صفحہ ۱۹۲)

۴۔ **کیما کا شوق** | ناصر خمد ایک بڑا طبیب اور حکیم تھا لیکن پھر بھی
دولت کے لالچ سے کیما کی تلاش کرنا فطرت انسانی
کے خلاف نہیں ہو اور یہ اس کی ایمانداری ہو کہ اس نے اپنی زندگی کے
کسی راز کو مخفی نہیں رکھا۔

۵۔ **ناصر خسرو کی شاہی ملازمت** | کسی تذکرے میں ناصر کی ملازمت
کے حالات درج نہیں ہیں لیکن
آغاز سفر نامہ میں چند سطریں بطور تمہید ہیں اُن سے معلوم ہوا کہ طالب علمی
کے ختم ہونے کے بعد ہی وہ مرو کے دارالانشاء میں بعدہ مستوفی الملک
مقرر ہو گیا تھا اس عہد میں مرو چغری بک داؤد سلجوقی گورنر خراسان کا
دارالحکومت تھا۔ سفر نامے کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

”من مردے دیر پیشہ بودم و از جملہ متصرفان در اموال و
اعمال سلطانی و بکار ہائے دیوانی (مال) مشغول بودم و
مدتے دران شغل مباشرت نموده در میان افسران شہرتے
یافتہ بودم“

گورنمنٹ ہند اور ریاستوں میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ اکاؤنٹنٹ جنرل رتھم

۱۷ انسائیکلو پیڈیا میں فائشیل یارو نیو سیکریٹری لکھا ہے۔ ۱۷ سفر نامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۲

مجاہدی کے اختیارات کس قدر وسیع ہوتے ہیں اور ملک محروسہ کے محاصل و مخارج و تقسیم مشاہرت کا وہی نگران ہوتا ہے۔ بدین وجہ ہر شعبے کے عمال اس کا احترام کرتے ہیں اور ناصر جو اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور مشہور تھا اس کا بھی یہی باعث تھا۔

اس عبارت کے بعد ناصر لکھتا ہے کہ وہ مرو سے جوزجانا گیا اور سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدمت مجاہدی سے وہ تعلقہ دار (ناظم) ہو کر جوزجانا گیا تھا اور ایک ماہ تک وہاں مقیم رہا چنانچہ اسی نائے میں اس نے ایک خواب دیکھا جس کا یہ مضمون تھا۔

شراب پیوستہ خوردے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم می فرمایند
 قُولُوا الْحَقَّ وَلَا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ "شعبے در خواب دیدم کہ یکے میگفت
 چند خواہی خورد ازین شراب کہ خورد از مردم زایل کن اگر بہوش
 باشی بہتر من جواب گفتم حکما جز این چیزے نتوانستند ساخت
 اندوہ دنیا کم کند جواب داد کہ در بخودی و بہوشی راحتے نباشد حکیم
 نتوان گفت کہے را کہ مردم را بہ بے ہوشی رہنموی باشد بلکہ
 چیزے باید طلبید کہ خورد و ہوش را بہرہ افزاید گفتم کہ من این را
 از کجا آرم گفت "جویندہ یا بندہ باشد" دیں سوئے قبلہ اشارت
 کرد و دیگر سخن نگفت"

یہی وہ مبارک خواب تھا جس نے ناصر کی چہل سالہ زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ دنیا سے بھی بیزار ہو گیا اور فرشتہ غیب کی ہدایت پر شراب نوشی بھی ترک کر دی اور حج کا مقصد ارادہ کر لیا

اور اسی وقت سے اس کے خیالات یکساں ہو گئے اور چونکہ وہ جوزجان کا حاکم مال تھا لہذا دفتر گودرنی میں حاضر ہو کر خدمت متعلقہ سے استعفا دیدیا اور تحت ضابطہ جمع خرچ بھی سمجھا دیا۔ چنانچہ خود لکھتا ہے۔

پس بہرور فتم و از آن شغل کہ بہمدہ من بود معاف خواستم و گفتم کہ مرا عزم سفر قبلہ است پس حسابے کہ بود جواب گفتم

ناصر کے بچپن اور جوانی کی یہ مختصر داستان ہو جو پیش کر دی گئی لیکن اس کے قلمی اور مطبوعہ تصنیفات پڑھنے سے واضح ہوا کہ ناصر کی زندگی رنج کے زمانے سے تین حصوں پر تقسیم ہو سکتی ہے۔

(الف) ناصر ایک کامیاب اور دوسرا عجیب سیاح تھا جس نے ابوسنح ابراہیم بن محمد الفارسی الاصفہانی کے بعد عرب اور ہندستان وغیرہ کی سیاحت کی اور نئے اسلوب سے سیاحت نامہ لکھا۔

(ب) ناصر خسرو اپنے زمانے کا ایک بہترین فلسفی شاعر تھا۔

(ج) ناصر خسرو خلفائے فاطمین مصر کا ایک داعی الدعاة (نائب امام

یا حجت تھا) جس کو صوبہ خراسان میں مذہب فاطمیہ کی تبلیغ سپرد

کی گئی تھی چنانچہ اس تقسیم کے مطابق اب میں ناصر کے تفصیلی حالات

لکھتا ہوں اور ان مقامات میں کہ انہی حجتی الوسع اس کی تصنیفات ہی ہوں گی

۱۔ فلاسفۃ اسلام میں سب سے اول حکیم ابوعلی سینا نے شاہان آل بویہ کی وزارت اختیار کی اور دنیاوی

حیثیت سے بڑا اقتدار حاصل کیا چنانچہ ناصر نے بھی ابوعلی کی تقلید میں ملازمت اختیار کی اور یہی مہر ہو

وہ خدمت دفتر انشاء (دبیری) کی مدح میں لکھتا ہے۔

ایں دبیری رساندت بہ نسیم

زین دبیری مباش غافل بیج

پند پیسرانہ از پدر بہ پزیر

(از دفتر الصفا تذکرہ ناصر و دیوان صفحہ ۱۲۳)

۲۔ سفر نامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۴۔

جو لحاظ صحت ایک بہترین طریقہ استدلال ہے۔ اور اگر تذکرہ دں پر اکتفا کیا جاتا تو ناصر کی سولخ عمری غیر مکمل رہ جاتی چنانچہ خواجہ حالی کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ:-

”مورخان و تذکرہ نگاران در شرح احوالش راہ تحقیق
 ناسپردہ و سرہ از ناسیرہ باز نہ انداختہ پردہ ہائے تو بر تو
 بر چہرہ مقصود فرو ہشتہ اند۔ و اگر این سفر نامہ و پارہ از
 دیوان اشعارش بدست نیفتادے چارہ نبود از انکہ مایز
 بدنبال ایشان رویم و راہ از بیراہ باز نہ شناسیم“

۳۔ ناصر خسرو سیاح

۱۔ سیاحان عجم و عرب | قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تَسِيرُوا
 فی الارض اور محمد ثنین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم کی ہجرت راز مکہ تا یثرب (کو بھی اسی حکم کے تحت میں سیاحت سے تعبیر
 کیا ہے۔ لہذا اقصائے عالم کی سیر، قوموں کی حالات کو غور و فکر سے دیکھنا اور
 مناظر قدرت سے نظر کو سیراب کرنا، یہ ایک اسلامی فرض ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
 ہر درختے دفتریت معرفت کردگار

چینی مسلمانوں میں دوسری صدی ہجری سے سیاحت کا آغاز ہو چکا
 تھا اور ممالک عجم میں سب سے پہلے ابو اسحق صطری ۳۲۵ھ میں سفر کو نکلا
 تھا۔ اور عربوں میں صطری سے نو سال قبل ابو القاسم ابن حوقل ۳۳۴ھ میں
 اور اس کے بعد ابو البنادہ بشاری مقدسی ۳۵۵ھ میں عرب و عجم کی سیاحت کو
 روانہ ہو چکے تھے اور یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا چنانچہ زمانہ مابعد کے سیاحوں
 میں ابن جبیر متوفی ۶۱۴ھ اور ابن بطوطہ متوفی ۷۱۳ھ کے سفر نامے
 آج تک ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں اور یہی قدیم سیاحت نامے ہیں

لے صوفیائے کرام میں ابراہیم بن ادہم جنید بغدادی، سری سقطی، ابشر حافی، محی الدین عربی
 ذوالنون مری اور تابعین میں حضرت ادیس قرنی ائمہ میں امام بخاری اور امام غزالی
 نے سیاحت کی تھی۔

جو سیاحان یورپ کے لیے شیع ہدایت بنے اور جغرافیہ عالم کی تکمیل کا باعث ہوئے۔ اور یونانیوں کی جغرافی غلطیوں کی اصلاح کا آغاز ہوا۔ چوتھی صدی ہجری کے ۳۶ سال بعد حکیم ناصر خسرو یوم نخب بنہ ۶ رجمادی الآخر ۳۳۵ھ (۱۹ دسمبر ۹۴۵ء میں) مرو (شاہ جان) سے سیاحت کے لیے روانہ ہوا اور ۷ سال کے بعد ۴۲۰ فرسنگ۔ ۶۶۰ میل کی مسافت طو کر کے بتایخ ۶ رجمادی الآخر ۳۴۱ھ جمعہ (۲۳ اکتوبر ۹۵۱ء) کو اپنے عزیز وطن بلخ میں داخل ہو کر سجدہ شکر ادا کیا کہ ہلکات سے محفوظ رہ کر زندہ سلامت اپنے گھر پہنچ گیا۔

فارسی زبان کے سفر ناموں میں صرف ناصر خسرو کا سفر نامہ راجحاظ قدامت و خصوصیات یادگار ہے۔

دیوان ناصر کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ عالم شباب ہی سے اس کے خیالات میں تبدیلی ہو چلی تھی چنانچہ ۳۰ سال کی عمر میں جب وہ طالب علم تھا اپنے نفس کو بیداری کی ہدایت کرتا ہوا ہے۔

سال سی خفتی کنوں بیدار شو!

گر نہ خفتی خواب اصحاب الرقیم۔

(اصحاب کہف)

اور چالیس سال کی عمر تک وہ انھیں خیالات میں ڈوباتا رہا۔

لفظہ سیاحت بلخ سے مصر، اور مصر سے مکہ معظمہ اور بصرہ سے فارس ہوتے ہوئے واپسی بلخ کی ہے جو شازع عام سے حساب کی گئی ہے اور پگنڈی راستوں سے جو مشاہد مقدس کو گیا ہے۔ وہ مسافت اس میں شامل نہیں ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہوں صفحات دیوان ۲۰۶۔

بیدار شواذ خواب خوشش و خفتہ چہل سال
بنگر کہ زیارت نماند کس ایدر
(ایں جا)

پھر دو سال کے بعد بصراحت کہتا ہے کہ۔
پیمودہ شد از گنبد بر من چہل دو دو
جو یائے خرد گشت مرافس سخور
(نفس ناطقہ)

اور اخیر میں جب ضبط کی طاقت نہ رہی تو ۳۳ سال کی عمر میں حج
اور زیارت مقامات مقدسہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

سفر نامے میں صراحت ہے کہ ترک ملازمت کے بعد جس قدر سرمایہ
تھا وہ قرو میں چھوڑ کر اور بقدر ضرورت ہمراہ لیکر روانہ ہو گیا تھا۔
اس سفر میں ناصر کا چھوٹا بھائی خواجہ ابوسعید اور ایک ہندوستانی
غلام ہمراہ تھا اور گھر سے نکلنے وقت ناصر کی زبان پر یہ شعر تھا۔

بر خاستم از جائے سفر پیش گر فتم
نے خانم یاد آمد نے گلشن و منظر صحر
(خانہ ام)
(پارک)

۱۳۵۰ء ملاحظہ ہوں صفحات دیوان ۱۳۳۰ - ۱۳۴۰ - ۱۳۵۰

۱۳۵۰ء - اس عہد میں ہندوستانی غلاموں کی مالک ایران میں کثرت تھی بین الملّت محمود غزنوی
ہندوستان سے جو مال غنیمت لے گیا تھا اس میں غلام اس افراط سے تھے کہ ایک کس غلام
۳۴ برس سے مدر تک نیلام ہوتا تھا۔

شخص مرد میں ناصر کا ایک مکان اور باغ بھی تھا جس کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔
(انشائیہ کلویڈ یا برطانیہ کا)

اس تہید کے بعد اب گوشوارہ سیر سیاحت کا لکھا جاتا ہے جس سے دیار و امصار میں نقل و حرکت کا اندازہ ہوگا۔

۴۔ طریق المدارج

یعنی

منازل سفر ناصر خسرو

۱۔ پہلا سال ۴۳۷ھ	پنجشنبہ ۶ جمادی الآخر ۴۳۷ھ ہجری (۱۹ دسمبر ۱۰۴۵ء) میں ناصر خسرو مرو سے روانہ ہو کر اضلاع خراسان سے گزرتا ہوا اخیر ذی الحجہ ۴۳۷ھ میں داخل قزوین ہوا۔ یہ سیاحت چھ مہینے اور چوبیس یوم کی تھی۔
۲۔ دوسرا سال ۴۳۸ھ	۱۲ محرم (جولائی ۱۰۴۶ء) کو قزوین سے روانہ ہو کر براہ طبرستان ولیم۔ تبریز (حدود آذربائیجان و آرمینیا)، ارزن میا فارقین آمد، حراں، قرودی، سرود ہوتا ہوا (فرات عبور کر کے) ہنج میں داخل ہوا۔ یہ شام کا پہلا شہر تھا۔ بعد ازاں منبج سے حلب، طرابلس، سمرین معبرۃ النہمان حماہ، حصّٰط ابرزن، تبیل کی سیر کرتا ہوا، بحر الروم کے رتے سے بیروت، صور، صیدا، اور عکّہ کی زیارت سے فارغ ہو کر براہ حیفّا اور رملہ بتایخ ۵ ررمضان المبارک ۴۳۸ھ (۲۷ اپریل)

۱۰۴۷ھ بیت المقدس (فلسطین) پہنچ گیا۔ یہ مسافت ۷ ماہ اور ۲۲ یوم میں طی ہوئی۔ اور زمانہ قیام میں جلد مقامات مقدسہ کو دیکھ کر عمارات کے تفصیلی حالات درج روزنامہ کیے ۵ اذلیقہ کو براہ اربعہ وادی ابقری بیت المقدس سے حج کو روانہ ہوا اور ۸ رذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہو گیا۔ اور دو شنبہ کو حج سے فارغ ہو کر ۱۳ رذی الحجہ ۱۰۳۸ھ کو براہ شام بیت المقدس واپس گیا۔ ناصر کا یہ پہلا حج تھا۔

۳۔ تیسرا سال ۱۰۳۹ھ (جون ۱۰۴۷ء) کو ناصر خسرو بیت المقدس میں داخل ہوا اور دو ماہ کے قیام کے بعد براہ رملہ و عسقلان بندرگاہ صالحیہ (مصر) سے جزیرہ تنیس عبور کر کے یکشنبہ ۱۰ رجب ۱۰۳۹ھ کو قاہرہ پہنچ گیا۔ اور نو ماہ قیام کر کے تفصیل سے قاہرہ کے حالات لکھے بعد ازاں غرۃ ذی قعدہ کو براہ بحر قلزم، بندرگاہ جار سے مدینہ منورہ گیا اور مدینہ سے روانہ ہو کر یکشنبہ ۶ رذی الحجہ ۱۰۳۹ھ کو مکہ معظمہ آیا۔ یہ دوسرا حج تھا، اور حج کے بعد پھر قاہرہ واپس گیا۔

۴۔ ۵۔ چوتھا اور پانچواں سال ۱۰۴۰ھ ۱۰۴۱ھ ۱۰۴۲ھ ۱۰۴۳ھ ۱۰۴۴ھ قاہرہ میں تقریباً دو سال قیام کیا، کیونکہ اس سیاحت کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی سے مذہبی مسائل حل کئے جائیں۔ چنانچہ ناصر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد بہ نیت حج سوم براہ بحر قلزم غرۃ ذی قعدہ ۱۰۴۴ھ کو قاہرہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور زیارت روضۃ بنوی سے مشرف ہو کر ۸ ذی الحجہ ۱۰۴۴ھ

کو مکہ معظمہ پہنچ گیا، یہ تیسرا حج تھا۔

حج سے فارغ ہو کر سامان لینے کے لیے پھر قاہرہ چلا گیا اور قاہرہ سے بروز سہ شنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۲۷۱ھ براہ مصر صیدون کو روانہ ہوا۔

۶۔ چٹا سال
مصر کے علاقے سے بدریغہ کشی، اسیوط، قوص، انجم۔ اور ہوان
ہوتا ہوا صحرائی علاقہ طو کر کے ۸ ربیع الاول ۱۲۷۲ھ کو ناصر
عینذاب میں پہنچ گیا۔ اور اس مقام سے براہ جدہ یکشنبہ سلخ
جمادی الآخر ۱۲۷۲ھ کو مکہ معظمہ آگیا اور ۱۹ ذی الحجہ تک مقیم
رہ کر مکہ معظمہ کے مفصل حالات درج روزنامہ کیے ناصر کا یہ
آخر حج محتاج تھا۔

۷۔ ساتواں سال
یوم جمعہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ کو مکہ معظمہ سے براہ طائف، الحسا
کا سفر شروع ہوا۔ راستے میں عربوں کے قدیم کھنڈرات اور
قلعے دیکھتا ہوا فلج میں پہنچا اور یہاں مجبوراً چار مہینے مقیم
رہا بعد ازاں فلج سے پیامہ ہو کر الحسا، آیا اور الحسا سے روانہ
ہو کر ۲۰ شعبان ۱۲۷۳ھ کو داخل بصرہ ہوا اور وہ اشوال کو بصرہ
سے چل کر براہ قزوین، ارغان، لوردغان، خان آبنجان
ہوتا ہوا ۸ صفر ۱۲۷۴ھ کو صہبان آیا اور ۲۰ یوم قیام کر کے
براہ صحرائی طہس، زوزن، تورقہ، تون، تائن، مسرخس،
مرو، الکرو، اور فاریاب کی سیر کر کے یوم شنبہ ۲۶ جمادی
الآخر ۱۲۷۴ھ (۲۳ اکتوبر ۱۲۷۵ء) کو داخل بلخ ہوا۔ اور
سفر ختم ہو گیا۔

۶ شکر کہ جائزہ بمنزل رسید

اس سفر کے حدود حسب ذیل تھے :-

۱۔ لڑائی شمال و مشرق

۲۔ مغرب

۳۔ جنوب و مغرب

چھ سال قمری میں ۱۹ ایوم باقی تھے کہ ناصر اپنے وطن بلخ میں پہنچ گیا۔ اور دیوان کے ایک

۳۔ سیاحت پر مختصر تبصرہ

شعر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے :-

شش سال ہو دم بر میون مبارک

شش سال شستم بدر کعبہ مجاور !
(صفحہ ۱۳۸)

اس میعاد کے اندر دو سال تک قاہرہ میں قیام رہا اور بیت المقدس اور قاہرہ کے قیام کے زمانے میں چارج کیے اور اخیر حج کے بعد وطن کو روانہ ہوا، لیکن شعر مندرجہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ چھ سال تک مستنصر باللہ کے حضور میں رہا اور چھ سال تک مسلسل حج کیے لیکن یہ مفہوم، سفر نامے کے خلاف ہے جس میں ایک ایک دن کی تفصیل موجود ہے۔ اور شعر میں تحریف ہو گئی ہے۔

بلخ پہنچ کر ناصر عقاید اسماعیلہ یا

الف۔ سیاحت ماژندران بلخاریہ

ماژندران بھی گیا تھا لیکن ممالک مغرب کا سفر ختم ہو چکا تھا، بدین وجہ اس سیاحت کا تذکرہ سفر نامے میں نہیں ہے۔ لیکن دیوان میں یہ اشعار موجود ہیں۔

بر گیر دل ز بلخ و بنہ پازہر دیں چوں من غریب زار ماژندران

دوستی عزت و خانہ رسول کرد مرا یکی و ماژندری

یہ علاقہ پہاڑی اور غیر متمدن تھا، تاہم اس صوبے میں بھی ناصر تبلیغ مذہب فاطمیہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور علمائے احناف کے خوف سے جابجا چھپتا رہا اور اخیر میں ماژندران سے فرار ہو کر بلغار یہ راتا تار کے حد شمالی میں قدیم شہر ہی پنچا۔ اس سفر کی تصدیق اشعار ذیل سے ہوتی ہے۔
ہمہ جور من از بلغار یا نست — کہ باوام ہی باید کشیدن —

” گنہ بلغاریاں را نیز ہم نیست

” بگویم گزوتوئی شنیدن

” خدا یا ایس بلا و فتنہ از نست

” ولیکن کس نہ نے آرد چینیدن ر جنگ کرنا

ہمیں آرنند ترکاں را از بلغار ز بہر پردہ مردم دریدن
مشرقین یورپ نے سیاحت ماژندراں کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ شمس الدین جامی وغیرہ نے قاموس الاعلام ترکی میں اس سفر کا ذکر کیا ہے۔

سفر نامے کے خاتمے پر ناصر نے یہ وعدہ کیا
ب۔ سیاحت ہندستان تھا کہ ممالک مشرق کے حالات جداگانہ

لکھوں گا، لیکن سفر نامے کا یہ حصہ مفقود ہے۔ البتہ ضمناً اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملتان سے لاہور تک آیا تھا اور پھر واپس چلا گیا۔ سفر نامے کی کی عبارت حسب ذیل ہے۔

”دمن بدیں اسیوط فوطہ دیدم از صوف گو سفند کردہ کہ مثل
آں نہ بہ لہا ور (لاہور) دیدم و نہ بہ ملتان و بکل پنداشتی حریر است“
ان شہروں کے علاوہ بلاد سندھ میں وہ زیادہ رہا ہے۔ اور دیوان ہیں
متعدد ہندی اور خالص سنسکرت الفاظ بھی موجود ہیں جو سیاحت ہندوستان
پر دلالت کرتے ہیں مثلاً۔

- ۱۔ پس بطریق تو خدائے جہاں بے شک دماش، دجوو لو بیٹا است
 - ۲۔ جز بدیں اندر نیابی راستی رستی شد حصن دیں را کو تو آل
 - ۳۔ برہمن در ہند بر چند آل ناکر فضل داشت بندہ چوں چند آل دول از بہرین شد برہمن
- صفحہ ۲۴۸

علاوہ بریں ناصر نے خاتمہ سفر نامہ میں سیاحت مشرق کے متعلق یہ مختصر
جملہ لکھا ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔

اگر ایزد سبحانہ تعالیٰ توفیق دہد چوں سفر طرقت مشرق کردہ
شود آنچه مشاہدہ افتد بایں ضم کردہ شود انشا اللہ تعالیٰ۔
وحدہ العزیز الحمد للہ رب العالمین۔

اور واقعات سے ظاہر ہے کہ واپسی سیاحت مغرب کے بعد ناصر خسرو
ہندوستان میں نہ آسکا اور واقعات کے لحاظ سے یہ غیر ممکن بھی تھا۔
ناصر نے سفر نامے میں بیت المقدس، مشہد خلیل خانہ کعبہ، روضہ نبوی

لے ممالک متحدہ اور مالوہ میں لوبیا (لوبیا) بکثرت پیدا ہوتا ہے اس کی پھلیاں لذیذ ترکاری ہے
جو پال میں اسکو روسا کی پھلیاں کہتے ہیں ماش کی طرح اس کی بھی وال بنانی باقی ہے جس کا
رنگ سرخی مایل ہوتا ہے۔

نہ اصل میں کوٹ وال تھا یعنی محافظ قلعہ اب سٹی اسپیکٹر پولیس کا عام لقب ہے۔
تھے چند آل خالص سنسکرت لفظ ہے بد اعمال انسان خصوصاً بہتروں کو چند آل کا خطاب دیا گیا ہے۔

اور قاہرہ کے حالات مفصل لکھے ہیں اور اس کے علاوہ اختصار سے کام لیا ہے۔ مگر اس کی نظر اس قدر بلند تھی کہ وہ جزئیات سے بھی نتیجہ اخذ کر لیتا ہے، مگر بعض کوتاہ قلیان ایسی نہیں ہیں جو نظر انداز کی جاسکیں مثلاً قاہرہ میں اکیس اہرام (مقابر فراعتہ) ہیں اور بمخلہ آن کے چار جیزہ میں ہیں، لیکن ناصر نے قاہرہ کے عام حالات میں، ان پیران کہن سال کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ہر سیاح کے لیے۔ یہ اہرام مختلف حیثیات سے عبرت انگیز ہیں اسی طرح مالک شام میں جب ناصر معرۃ النعمان پہنچا ہے، اس وقت نامور شاعر ابو العلا زندہ تھا جو اس عہد کے مشاہیر اہل کمال میں عدیم النظیر سمجھا جاتا تھا، لیکن تعجب ہے کہ ناصر نے اس کی ملاقات سے گریز کیا اور کوئی سبب بھی نہیں لکھا۔

ج۔ ہمعصور ملقات تذکرہ ہنگاروں نے بعض حکماء اور صوفیائے کرام کی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے، لیکن سفر نامے

میں ناصر نے کچھ نہیں لکھا ہے اور یہ صرف تین شخص ہیں اور ان میں بھی شیخ الرئیس ابو علی الحسن بن عبداللہ بن سینا مقدم ہے۔

ابو علی اور ناصر کا زمانہ ایک ہے کیونکہ شیخ کی ولادت ۳۴۳ھ/۶۹۸ء (شعب) میں ہوئی اور ۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء (تکڑ) بمقام ہمدان فوت ہو گیا۔ اور ناصر کا سنہ ولادت ۳۹۵ھ ہے اس حساب سے ابو علی اکیس سال ناصر سے بڑا تھا اور بتیس سال کی عمر میں جب ناصر فارغ التحصیل ہو چکا تھا اس کے ایک سال بعد شیخ الرئیس کا انتقال ہوا ہے۔ لہذا شاگردانہ حیثیت سے اگر ناصر

لے ابو العلامہ تھا غالباً اس وجہ سے ناصر نہیں ملا۔ اور اہرام کو بت خانہ سمجھ کر
چھوڑ دیا

ابوعلی کی درسگاہ میں حاضر ہوا ہو تو یہ ممکن ہی لیکن دونوں کی ہم عصرانہ ملاقات عمل نظر ہی کیونکہ مستشرقین یورپ نے بصراحت لکھا ہے کہ ناصر فلسفی میں ابوعلی سینا کے نظریات کا مقلد تھا۔ اور دولت شاہ کا قول ہے کہ ”ناصر معاصر شیخ الرئیس ابوعلی سینا بودہ و گویند کہ باہم صحبت داشتہ اند“ ادبی اصطلاحات کے مطابق (گویند) کی روایت ضعیف ہوتی ہے اور اسی مسئلے پر غنی زادہ (مقدمہ نگار سفرنامہ ناصر خسرو) لکھتا ہے کہ ناصر از بزرگان فلاسفہ آں عصر بشمار میرفتہ و حکیم نامیدہ شدہ ہست و لے درانیکہ صحبت ابوعلی سینا را دریافتہ است درست و محقق نیست۔“

دوسری ملاقات ابو ناصر محمد بن طرخان فارابی، معلم ثانی کی ہے لیکن فارابی ناصر کے ولادت سے پچپن سال قبل دمشق میں (۳۳۹ھ) فوت ہو گیا تھا لہذا آتش کدہ آذر کی روایت سراسر غلط ہے۔

تیسری ملاقات شیخ ابو الحسن خرقانی بطام علیہ الرحمہ کی ہے ناصر نے متعدد اسباب سے سفر نامے میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

دولت شاہ کی روایت ہے کہ جب شیخ کو کشف و کرامت سے معلوم ہوا کہ ناصر آ رہا ہے تو اس کے پہنچنے سے ایک دن قبل اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ کل خانقاہ میں ایک حجتی (جن کا یہ حلیہ ہے) آئے گا۔ تم اس کو عزت و احترام سے ہمان کرنا اور اگر وہ تم سے ہمہری نسبت، علوم ظاہری کا حال پوچھے تو کہنا کہ ہمارا شیخ ایک دیہاتی اور جاہل شخص ہے اور پھر اس کو میرے حجرے میں لے آنا۔“

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا تذکرہ ناصر خسرو۔ ۲۔ تذکرہ دولت شاہ حالات ناصر مطبوعہ بمبئی صفحہ ۳۲ ۳۔ مقدمہ سفرنامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۷۷

۴۔ ابن فلکان تذکرہ فارابی مطبوعہ اصفہان بیت التواتر بخج قزوینی میں سلسلہ ۵۰ دلیج ہے۔

چنانچہ جب ناصر خانقاہ میں داخل ہوا تو مریدوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور صبح کو ناصر شیخ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

ہنگام ملاقات ناصر نے عرض کیا کہ امرا و علماء کی قیل و قال سے پریشان ہو کر اہل حال کی خدمت میں پناہ لینے حاضر ہوا ہوں، شیخ نے مہنس کر جواب دیا کہ میاں ناصر! میری اور تمہاری دوستی کیونکر نبھ سکتی ہے تم تو برسوں سے عقل ناقص کے پنجے میں گرفتار ہو اور میں نے جس دن درویشی کے کوپے میں قدم رکھا تھا، اسی دن سے اس سکارہ کو تین طلاق دے چکا ہوں، یہ سنتے ہی ناصر بول اٹھا کہ حضرت نے یہ کیونکر سمجھ لیا کہ عقل ناقص ہے، بلکہ عقل کی نسبت تو یہ مشہور ہے کہ خدائے سب سے پہلے عقل ہی پیدا کیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ عقل جس کے تم معتقد ہو، صرف انبیائے کرام کی عقل ہے اور تمہاری یا بوعلی سینا کی عقل انبیا علیہم السلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ حالانکہ تم دونوں اپنی عقل پر مغرور ہو اور میرے دعوے کی دلیل وہ قصیدہ ہے جس کو تم نے کل شب میں تصنیف کیا ہے اور جس میں عقل کو گوہر سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ گوہر عشق ہے۔ اس کے بعد شیخ نے قصیدہ کا حسب ذیل مطلع پڑھا۔

بالائے ہفت طاق مقرنس دو گوہرند

کز کاینات و ہر جمہ در دست یار ترند

۱۔ نگارستان فارس میں ابوالخس جرجانی نے لکھا ہے جو قطعاً غلط ہے۔

۲۔ بلاشبہ ناصر اس زمانے میں امرائی صحبتوں سے تنگ آگیا تھا اور اس کو ایک غلط کلمے کی ضرورت تھی چنانچہ ایک قصیدے میں اس مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وز مال شاہ و میر جو نمیدشد دم
زنی اہل طلیساں و عمامہ ردا شد

(جانب) (چادر)

۳۔ تذکرہ جمیع انصحا کی ذیلت و کج حکم عبدالدین ابوالفتح کسادی مدنی نے ناصر کو ایک قصیدہ بھیجا تھا جس کا مطلع تھا۔ جان و خرد و زندہ برائے چرخ اخضرند یا ہر دو آں ہفتہ درایں کوئی اغبرند

ناصر مطلع سنتے ہی بہوت ہو گیا، کیونکہ گزشتہ شب میں اس نے یہ قصیدہ لکھا تھا۔ اور کسی کو اس کی خبر نہ تھی چنانچہ خاتقاہ میں مقیم ہو کر ناصر ریاضت میں مشغول ہو گیا کچھ دنوں کے بعد شیخ نے ناصر کو روانگی سفر کا حکم دیا۔ ناصر خراسان چلا گیا اور جب یہاں کے علماء کو اس کے گمراہ کن عقاید معلوم ہوئے تو قاضی تضا ابو سہل صعلوکی کے مشورے سے ناصر فرار ہو کر اپنے وطن بلخ میں آیا اور جب یہاں بھی چین نہ ملا تو بدخشان کی ایک پہاڑی (درہ یمکان) میں جا کر گوشہ نشین ہو گیا (جس کی تفصیل بعد میں کی جائے گی)

سفر نامہ مغرب کی مختصر تاریخ | سفر نامہ ناصر خسرو کی اشاعت کے لیے موسو شیفر پر و فیسر السنہ مشرقیہ پیرس یونیورسٹی (فرانس) کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے ہندوستان سے (از کتب خانہ نواب صاحب بہادر لوہارو) بذریعہ گورنمنٹ ہند یہ سفر نامہ طلب کیا اور متن فارسی کو فرنج ترجمے کے ساتھ بڑے اہتمام سے ۱۸۹۹ء میں شائع کیا۔ جب یہ فرنج ترجمہ شائع ہوا تو شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی کو بھی اصل متن چنانچہ کا خیال پیدا ہوا۔ لہذا ناصر خسرو کی مختصر سوانح حیات کے ساتھ، یہ سفر نامہ مطبع اخبار خیر خواہ ہند دہلی سے طبع ہو کر ۱۳۸۲ھ میں شائع کیا گیا یہ بھی لوہارو کے نسخے کی بحسنہ نقل ہو خواجہ صاحب کو کوئی دوسرا نسخہ نہ مل سکا جس سے اصل متن کی صحت کی جاتی لہذا جو غلطیاں شیفر کے مطبوعہ نسخے میں تھیں وہ نسخہ مطبوعہ دہلی میں بھی بدستور باقی رہیں۔ اس کے بعد تیسرا نسخہ بہت سی سے شائع ہوا وہ اس پر

چنانچہ اس کے جواب میں ناصر نے قصیدہ مذکور لکھا تھا۔

اس یہ سفر نامہ اس وقت ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں ہے۔ میں نے بھی اپنے مسودہ کا مقابلہ اس نسخے سے کیا ہے اس کی کتابت عہد کبریٰ میں کی گئی ہے جس پر خان غلام میرزا عسکریہ کو کلتاش کی ایک قلمی سطر موجود ہے۔

معمولی ہے کہ اس پر بحث کرنا بے کار ہے۔ چوتھا بہترین نسخہ برلن (رجمن) کی شرکت کا ویانی (انجمن اشاعت کتب قدیمہ ایران) نے ۱۳۲۱ھ میں شائع کیا، جو بلحاظ حسن کتابت (ٹائپ) مطبوعات سابقہ سے بہتر ہے۔ پیرس یونیورسٹی میں سفرنامے کے دو قلمی نسخے اور تھے جس سے اس کی صحت کی گئی لیکن اسمائے امصار و دیار وغیرہ میں ہنوز متعدد غلطیاں موجود ہیں لیکن جو نسخہ اس وقت آپ کے مطالعے میں ہے، وہ تمام غلطیوں سے پاک ہے۔ جس کی تصدیق تاریخی جغرافی نوڈوں سے ہوگی نسخہ مذکورہ بالا کے علاوہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا نسخہ نمبر ۲۰ قلمی ۱۲۹۲ھ بھی پیش نظر تھا فی الحال سفرنامے کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ صل تن انشاء اللہ پھر شائع کیا جائے گا۔ تذکرہ نگاروں نے سفرنامے کا ذکر نہیں کیا ہے، نہ اس پر کوئی رائے لکھی ہے، لیکن خواجہ حالی نے جو عقائد رائے لکھی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

دیگر از افادات ناصر خسرو این سفرنامہ است کہ دروست
 داریم والحق کہ بسیار سخی مدح و ستایش است، سادگی
 الفاظ، راستی بیان کہ دریں سفرنامہ دیدہ می شود، گو
 این معنی است کہ صنعت ہاتے بے مزہ و مبالہائے دورازکار
 کہ من بعد در منشات ایران بجلی راہ یافتہ تا قرن خامس پہچ وجود
 نداشت۔ در تمامی سفرنامہ کمتر واقعہ ہر غلاف عقل و عادت
 ذکر نہ کردہ است۔ و اگر چیزے ازیں قبیل مسوع افتادہ
 بضرورت روایت کردہ و عہدہ آل ہر راوی گزہشتہ است

خواجہ صاحب کے بعد اب ایک اہل زبان کی رائے جو سفر نامے پر
ہی نقل کی جاتی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

”سفر نامہ بطور بسیار سادہ و بے لایٹے نوشتہ شدہ
و از نقطہ نظر ادبی موقع خیلے ممتاز و بلندی را دارد و با وجود
اینکہ خود در عداد اولین کتابہائے است کہ پس از استیلائے
عرب ہایران در زبان فارسی نوشتہ شدہ و با وصف
مغایرت لہجہ آن زمان یعنی درشت نہ صد سال پیش با
لہجہ امروزی فارسی از حیثیت ترکیب الفاظ و تلفیق عبارات
و نسج جمل طرز نگارش آن بہ قدرے دلچسپ و شیرین است
کہ ما ہا یعنی خوانندگان این دورہ را از مطالعہ آن اصلاً
غرابتہ احساس نہ مے شود و ہا از قرین صفتہ کہ سفر نامہ و
بالجملہ سایر آثار ناصر خسرو را امتیاز مخصوص دادہ و آنہا
از مصنفات دیگر نویسندگان آن عہد جدا می کنند این است
کہ مشارالہیہ الفاظ عربی را بہ قدرے کم در نوشتہ ہائے
خود بکار برودہ است کہ حتی نویسندگان دورہ حاضر را نیز
شاید کمتر میسر تواند شد۔“

خلاصہ تحریر یہ ہے کہ ناصر نے سفر نامہ نہایت سادہ عبارت میں
بے لاگ لکھا ہے۔ اور ادبی نقطہ نظر سے نہایت ممتاز ہے۔ اور یہ سفر نامہ
اُن اولین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے کہ جو فتوحات ایران کے بعد فارسی

میں لکھی گئی ہیں۔ اور بڑی خوبی یہ ہو کہ نو سو سال سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی ہو۔ اور زبان کا لہجہ بہت کچھ بدل گیا ہو۔ لیکن ہنوز ایرانی، سفر نامہ کو پڑھتے ہیں اور انکی نظر میں سفر نامے کی عبارت غیر مانوس نہیں معلوم ہوتی ہو۔ اور کھلی ہوئی تعریف یہ ہو کہ ناصر نے نہ صرف سفر نامے میں بلکہ جملہ تصنیفات میں عربی الفاظ بہت ہی کم استعمال کئے ہیں حالانکہ دور حاضر کے انشا پر داؤ بھی ایسی عبارت (جس میں عربی الفاظ کم ہوں) لکھنے پر قادر نہیں ہیں۔“

اس رائے پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہو اگرچہ یہ مشہور مقولہ ہو کہ جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ، لیکن یہ سیاحت نامہ اس عیب سے پاک ہو۔ بیت المقدس کے حالات میں ناصر نے بعض واقعات ایسے لکھے ہیں جو عقل و مشاہدہ کے خلاف ہیں، لیکن اس کے بعد ہی یہ جملہ موجود ہو کہ میں نے جو سنا ہو وہ لکھ دیا ہو اور جھوٹ سچ کی ذمہ داری راوی پر ہو۔

۵۔ خصوصیات سفر نامہ | ناصر خسرو کے سفر نامے کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ ہر شہر و قصبہ اور موضع کا جغرافیہ محل وقوع فصل اور دیگر خصوصیات۔
- ۲۔ دریاں رستے وقت، حکماء، علماء، صوفیاء اور شعرا کا ذکر اور ملاقات کا مختصر حال۔
- ۳۔ ہر گورنمنٹ کا طرز حکومت، انصاف و مظالم اور ٹکے۔
- ۴۔ آثار قدیمہ۔

۱۔ تاریخ سیاحت (۱۳۳۵ھ) سے سنہ رواں (۱۳۵۹ھ) تک تحریر سفر نامہ کو ۲۲ سال گزر چکے ہیں۔

۲۔ سفر نامہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۳۴

۵۔ مساجد، گرجا، خانقاہیں، مشاہد زیارت گاہیں، مقابر، مدارس، حمامات اور قلعے،

۶۔ مصنوعات ملکی، درآمد برآمد خصوصاً کپڑے، نرخ اور قیمتیں،

۷۔ مناظر قدرت، باغات، پھول بھل، سیرگاہیں، پارک،

۸۔ فوجی چھاؤنیاں اور ان کے انتظام۔

۹۔ بازاروں کے عام حالات، نرخ مطابق سکڑ رواں۔

۱۰۔ زراعت (غلہ)، وافیون، پیدوار کی تفصیل اور نرخ۔

۱۱۔ ایک مقام سے دوسرے کا فاصلہ بحباب فرسنگ، شارع عام اور پگٹ نڈی راستے

۱۲۔ جنگلی حیوانات، اور عجائبات۔

۱۳۔ معدنیات۔

۱۴۔ حوادث عالم، زلزلے، طلسمات،

۱۵۔ سمندر، دریا، نہریں، چشے، چاہات، مشہور مینا (بندر گاہ)،

۱۶۔ کسٹم ہاؤس (پر مٹ، جنگی، سائیر، کرو گیری)،

۱۷۔ مردم شماری، اقوام کے خصائص، ملکی رسم و رواج۔

۱۸۔ جشن، عیدین، قومی میلے۔

۱۹۔ ادویہ، عقاقیر (جڑی بوٹیاں)،

۲۰۔ ظروف (ہر قسم)،

۲۱۔ ملک کی دولت مندی اور افلاس۔

یہ وہ عنوان ہیں جو سفر نامے سے مخصوص ہیں۔ لہذا ناصر کا یہ فخریہ
دعویٰ بالکل صحیح ہے۔

رسی آنگہ بدرومن کہ چو منں خامہ گیری وصفہ بنگاری!

سفر نامے پر اعتراض | بعض صحابہؓ نے شبہ کیا ہے کہ موجودہ سفر نامہ اصل سفر نامے کا خلاصہ ہے۔ اور دلیل میں شاہ غلام کے دیباچے سے جو بایں سفری نے لکھا ہے حسب ذیل عبارت پیش کی جاتی ہے۔

”یہ حکیم ناصر خسرو در سفر نامہ آورده است کہ در اینجا چہار صد و سی و ہشت درہجری براہ طوس رسیدم، رابطے بزرگ نو ساختہ بودند بہر سیدم کہ این رابطہ را کہ ساختہ است گفتند این رابطہ از وجہ صلۃ فردوسی است کہ سلطان محمود از برای او فرستادہ و چون خبر او پر رسیدم گفتند او فات یافتہ است و وارث او قبول نہ کردہ و عہدہ داشت بہر سلطان کردند، سلطان فرمود کہ ہما نجا عمارت کنید و این رابطہ خاصۃ وجہ او“

میرے نزدیک یہ خیال غلط ہے کیونکہ اس وقت جبکہ سفر نامے موجود ہیں ان میں یہ عبارت نہیں ہے۔ علاوہ بریں ناصر خسروؒ ص ۳۶ میں اطراف طوس سے گزر چکا تھا اور عبارت مذکور میں ص ۳۶ ہے۔ جو کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سال ناصر علاقہ ولیم اور آذربائیجان سے روانہ ہو کر ملک شام میں داخل ہو چکا تھا۔ پھر یہ کہ فردوسیؒ میں انتقال کر چکا تھا۔ سلطان محمود نے اگر شاہ تائے کا صلہ روانہ کیا ہو گا تو فردوسی کے حلت کے بعد ہی ورنہ اس قدر طویل مدت (۲۷ سال) کے بعد صلے کا ایصال کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔ میری رائے میں یہ سفر نامہ اصلی حالت میں ہے۔ جس کی تصدیق بیت المقدس، خانہ کعبہ، مدینہ منورہ کی عمارات کی تفصیل سے ظاہر ہے۔

لے مقدمہ سفر نامہ نوشتہ عنی زادہ صفحہ ۲۰

جو جس میں خلاصے کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔

۱۔ کیا ناصر خسرو دوتھے؟ | مستشرقین یورپ میں پروفیسر ریو (متونی) کا یہ اصرار ہے کہ اصل میں ناصر خسرو دوتھے۔

جو نام، ولدیت اور کنیت میں متحد تھے۔ فی الحقیقت یہ عجیب واقعہ ہے لیکن پروفیسر شیفر اور ایچی نے بدلائل قاطع اس نظریے کی تردید کی ہے۔ اس پر بھی پرورش اور خانان کو پروفیسر ریو کی رائے سے اتفاق تھا۔ حقیقت میں یہ مشہور ماہر ما بعد کے مورخین کے اختلاف رائے سے ہوا ہے۔ جنہوں نے سفر نامے اور دیوان ناصر خسرو کو بیک وقت مطالعہ کرنے کی سعی نہیں کی ہے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ایسی غلطی میں مبتلا نہ ہوتے، کیونکہ ناصر خسرو سیلح جب وہ سفر حج کے لیے روانہ ہوا ہے تو روانگی سے قبل اس نے ایک خواب دیکھا تھا کہ جس کی بنا پر وہ حکیم مشہور ہوا چونکہ یہ تفصیلات آپ پڑھ چکے ہیں لہذا مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ پروفیسر ریو کو قدیم تذکرہ نویسوں کی اختلاف بیانی سے دھوکا ہوا ہے جس کو پروفیسر براؤن وغیرہ نے قطعی حل کر دیا ہے۔

ناصر کی شاعری کی ابتداء اور انتہاء | قدیم نصاب تعلیم میں ادبیات کے ساتھ شاعری عروض

و فاقیہ، داخل تھی جن طلباء کو اس فن سے خاص دل چسپی اور مناسبت ہوتی تھی وہ من حیث الفن شاعری میں کمال حاصل کرتے تھے اور صوفیاء کرام میں باستثنائے شاذ سب ہی شاعر ہوتے تھے، کیونکہ محالین اور معرفت کے خیالات کا جب دل و دماغ پر غلبہ ہوتا تھا تو وہ رباعی، قطعہ یا ثمنوی کے قالب میں ڈھالے جاتے تھے چنانچہ ناصر بھی اسی صنف کے شعرا

ملہ ملاحظہ ہو فرسٹ فارسی کتب قلمی موجودہ برٹش میوزیم لندن۔

میں داخل ہو جس کی دلیل یہ ہو کہ دیوان ناصر میں نہ تو ایک غزل ہی، نہ
 فرماں روایان وقت کی مدح میں کوئی قصیدہ ہو۔ ۴۲ سال کی عمر میں ایک
 قصیدہ لکھا اور بزمانہ قیام قاہرہ ۴۲۱-۴۲۹ھ امیر المومنین مستنصر باللہ
 فاطمی کے مدح میں متعدد قصائد لکھے چنانچہ ناصر کی شاعری اس عہد میں
 عروج پر تھی۔ اور فراغ حج کے بعد جب خانقاہ میکان میں گوشہ گیر ہو گیا
 تو، سال کی عمر تک شاعری میں مصروف رہا۔ اس کے بعد ضعف پیری کی
 وجہ سے شعر و سخن کا دروازہ بند ہو گیا۔

۲۔ ناصر کی شاعری کا موضوع | واپسی سفر پر بحساب سندھ قمری
 ناصر کی عمر پچاس سال کی ہو چکی تھی

اور دوران سیاحت میں بے انتہا مصیبتیں اٹھانی تھیں چنانچہ مالک
 عرب میں وہ ایسے قبائل سے گزرا، جہاں اسکو گوششت، ترکاری، اور
 روٹیوں کے عوض صرف اوٹنی کا دودھ ملا اور بعض مقامات میں کچھوڑوں
 سے پیٹ بھرا۔ غذا کی تکلیف کے علاوہ دوسرے مصایب جدا گانہ تھے
 اس لیے ناصر کے دماغ میں خشکی پیدا ہو گئی تھی اور مزاج چڑا پڑا ہو گیا۔
 تھا اور مذہبی تعصب سے دیوانہ ہو رہا تھا لہذا تبلیغ مذہب فاطمی کے سوا
 اس کو دنیا میں کوئی اور کام نہ تھا اور اس کی شاعری کا اہم موضوع یہی تھا
 اس کے علاوہ ناصر کا کلام اصناف ذیل میں تقسیم ہو سکتا ہے۔

۱۔ فلسفہ، حکمت، نصیحت، موعظت (ترک دنیا)،

۲۔ تکوین عالم، مناظر قدرت، نجوم و افلاک صنایع بدایع

۳۔ اخلاقیات (انسان کامل)

۱۔ دیوان ناصر خسرو میں عمر کی صراحت میں متعدد اشعار ہیں جو دوسری جگہ دلیج ہیں۔

۴۔ اہل بیت رسالت کی مداحی جو حامل اسرار شریعت ہیں اور ان کی محبت جو ذریعہ نجات ہو۔

۵۔ (مذہبیات) تاویل و تنزیل، جبر و قدر، عقل و خرد، حشر و نشر۔

۶۔ خلفائے ثلاثہ، خلفائے عباسیہ، ائمہ اربعہ، علماء، واعظین اور صوفیائے کرام کی شان میں گستاخیاں۔

۷۔ ذاتی حالات بچپن سے بڑھاپے تک اور مذہبی زندگی۔

۸۔ یکان کی زندگی، مصائب و آلام کا ہجوم، اور شاعری۔

۹۔ تصنیفات۔

۱۰۔ موت۔

۳۔ **تخلص** | ناصر نے پیشہ ور شاعروں کی طرح قصیدہ گوئی اختیار نہیں کی تھی۔ اس کی شاعری کی بنیاد اہل بیت کی محبت پر تھی

اور یہ جذبات قدرتی طور پر پیدا ہو گئے تھے اور محض مذہبی خیالات کی اشاعت کے لیے اس نے شاعری سے کام لیا تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر اس کا کوئی تخلص نہیں ہو۔ مقطع میں ہ اپنا نام مختلف طریقے سے لیتا ہے۔ مثلاً

۱۔ ناصر۔ ناصر غلام و جا کر آں کس کہ این شہفت جان و خرد و ندہ بر این چرخ خضرند

۲۔ ناصر بن خنجر۔ بکن در گوش کیں در شبن است حدیث ناصر بن خسر و این است

۳۔ ناصر خضر۔ ناصر خضر و بڑھے مے گزشت مست لا یعقل نہ چوں می خوارگا

۴۔ پرخرو۔ لے پسر خسر و حکمت بگوئے مات بود طاقت و توش و تول

۵۔ بوہین۔ پند خوب و شعر حکمت را بدار یادگار از بوہین لے مستعین

(کنیت) (ردیوان)

اکثر قصاید کے مقطع میں بجائے ناصر کے محبت آیا ہے۔ اس خیال سے

تذکرہ نگاروں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ناصر کا تخلص حجت ہے۔ لیکن یہ رائے تاریخ کے خلاف ہے۔ خلفائے فاطمین مصر نے جو فراسن لاج قائم کی تھی اس کے ممبروں کے بلحاظ مدارج مختلف القاب تھے۔ چنانچہ اخیر درجہ داعی الدعاة گرانڈ ماسٹر، نایب امام، کا تھا جن کا خاص خطاب حجت تھا جو سفیر ہو کر تبلیغ مذہب کے لیے شاہوں کے دربار میں جاتے تھے اور صوبوں میں اپنے طرف سے نایب (مبلغ) مقرر کر کے اور خود بھی مختلف طریقوں سے اپنے عقاید کی اشاعت کرتے تھے۔ اب دیوان سے وہ اشعار نقل کرتا ہوں جس سے میرے دعوے کی تائید ہوگی۔

- ۱۔ از حجت مستنصر بشنو سخن حق روشن جو شب آہنگ سحر کہ متلائی
 - ۲۔ پند وہ اے حجت زمین خراسان مرعلا را کہ قبلہ عقلائی
 - ۳۔ سخن حکمت از حجت بہ پذیری گر تو از طائفہ حیدر کراری!
 - ۴۔ حجت روشن ازان است کہ من خلق حجت نایب بنمیسر سبحانم
 - ۵۔ مذہب فخرم آن کز امام زمانہ سنے عاقلان خراسان سفیرم
- ان اشعار میں حجت مستنصر سب سے پہلے قابل لحاظ ہے۔ یعنی وہ حجت جو امام مستنصر باللہ کی جانب سے پروپیگنڈے کے لیے مقرر ہے۔ اس کے بعد دوسرا لفظ حجت خراسان ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ صوبہ خراسان میں وہی فاطمیہ کا مبلغ ہے۔ تیسرے شعر میں وہ اپنے ہم مذہبوں کو مخاطب کرتا ہے۔ اور چوتھے اور پانچویں شعر میں حجت کی کامل تفسیر ہے۔ اور ایک تاریخی سند یہ ہے کہ شیخ ابو الحسن خرقانی نے اپنے مریدوں سے لے شب آہنگ وہ ستارہ جس کی رہ نمائی سے رات کو ایرانی قافلے سفر کرتے ہیں۔

۱۔ دولت شاہ سمرقندی کی عبارت حسب ذیل ہے۔ ”در اثنائے عزیمت بجانب خراسان بہ صحبت شیخ الشایخ ابو الحسن خرقانی رسید شیخ رازدوسے کرامت (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵)“

فرمایا تھا کہ کل خانقاہ میں ایک حجتی آئے گا۔ جس کا حلیہ یہ ہو گا۔ اس مثال سے واضح ہے کہ اس عہد میں حجتی ایک خاص خطاب تھا جو عموماً خراسان میں مشہور تھا۔ چنانچہ پروفیسر براؤن نے بھی تذکرہ ناصر میں اشارہ کیا ہے کہ حجت ایک عہدہ تھا۔ اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حجت کی جمع جتان خود ناصر نے لکھی ہے:- حجت و برہان دین از جتان او شنو

زانکہ اس دیوان کا عنوان ہے ”برہاں کنند“ (صفحہ ۸۱- دیوان)

۴- کلام پر رائے | ناصر کا کلام تصنع سے پاک ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے دل سے کہتا ہے اور یہی سبب

ہے کہ اُس کے پسند و نصائح دل پذیر ہیں۔ سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس میں اخلاقی جرات بدرجہ کمال ہے اور وہ بلا خوف ملامت و تردید، صاف لکھتا ہے اور کسی بادشاہ یا وزیر کی عظمت و شوکت سے مرعوب نہیں ہوتا ہے۔ قصاید اور شثنویات کی زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے۔ البتہ بعض مستحکم بحرین غیر مانوس ہیں۔ اور قدیم پہلوی زبان کے الفاظ بھی استعمال کرتا ہے جو اس عہد میں جزو زبان تھے۔

ناصر اپنے عہد کا ایک نامور شاعر تھا اور شاعرانہ اصول سے اس کو بھی فلسفیانہ اور حکیمانہ شاعری پر ناز تھا چنانچہ قدیم شعرا میں وہ اپنا مد مقابل صرف عنصری کو سمجھتا تھا۔ اور ہم عصروں میں کسائی مروزی کے سوا کوئی اُس کا رقیب نہ تھا۔ کلیات ناصر میں کئی جگہ کسائی کا نام آیا ہے لیکن مضمون اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اپنی ذات کو کسائی سے بالاتر سمجھتا تھا۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴) احوال او معلوم شدہ بود بہ اصحاب گفت کہ فردا مروے حجتی بدین شکل و صفت در خانقاہ خواہد رسید ۱۱۱۱ دیوان صفحہ ۲۲-۲۳

۱۔ اگر بخواب اندر کسائی دیکھیں دریا میں سودہ کرے شرم و نجلت مگر کسائی را کسا
 ۲۔ مگر سنبھائے کسائی شدہ پیرند ضعیف سخن حجت با قوت تازہ برناست
 دیوان میں قدیم پہنکوی الفاظ بکثرت ہیں۔ اور یہ اس عہد کے ماحول
 کا نتیجہ تھا۔ جس سے شاعر محفوظ نہیں رہ سکتا تھا، مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائے۔
 گشتہ جہاں کو دک دو از دہ سالہ از سمنش روے و از نفشہ کلالہ
 (گھونگر والے بال)

آمد تازاں ز ہند مرغ بہاری روئے نہادہ بجاہناک جہناک
 (پرندوں کا غول)

اونشہ خوش و بر تخت کشیدہ رخ گرخ و تخت چنیں بساند رخ رخ
 تونشہ خوش و عمر تو ہی پرد مرغ کرد از و مرگ نہادہ رخ
 بازمانہ بخند خبر کہ جوان بخشی گرجوان ہست تو را بخت برے رخ
 تو بجاہ سال از پس مرگ ایشان فسانہ شنودی و خوردی رسانہ
 (رسانہ۔ رخ و حسرت)

چہ لانی کہ من یک چمانہ بخورم چہ فضل ہست پس مترابر جانہ
 (جانہ۔ جوان)

چو خربے خرد ز آتی انکوں کہ آنکہ ہمزاد بستان خریدی لکانہ
 (لکانہ۔ بکری کی آنت جبرگوشٹ چڑھا ہوا)

بعض مخصوص الفاظ جن معنی میں ناصر نے استعمال کیے تھے وہ توسویریں

۱۔ دیوان صفحہ ۲۷۲ - ۶۱ - ۲۶۶۔ ۲۔ جن اصحاب کو فرصت ہو وہ یہ اشعار حل کریں
 ۳۔ ایک چھوٹے کدو کا نصف حصہ تراش کر اُس کا پیالہ بنایا جاتا ہے جس کے اوپر نش
 و نگار بھی ہوتے ہیں جس سے جام شراب کا کام لیا جاتا ہے۔

کے بعد آج بھی ہمیں معنی میں مستعمل ہیں۔ مثلاً
 ۱۔ زاندیشہ غمی گشت مرا جان بہ تفکر
 پر بندہ شد این نفس مفکر ز مفکر
 ۲۔ ریاست این جهان و در او گردا
 این خلق چو ربرب و طیارہ
 ۳۔ زان مقام اندیش کا بجا ہمسازند
 بارعیت ہم امیر و ہم زعیم
 فارسی شاعری نے تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں کافی ترقی کر لی
 تھی لیکن دودست غزنویہ کے انحطاط پر شاعری میں بھی زوال کا آغاز
 ہوا۔ لیکن سلجوقی حکومت کے مستقل ہوتے ہی (۵۲۹ھ) پھر شاعری
 کا ستارہ چمکا۔ اس عہد میں جملہ اسلامی حکومتوں کا دفتر عربی میں تھا۔ لیکن اب
 ارسلان سلجوقی کے ایک فرمان کے مطابق خواجہ حسن نظام الملک طوسی
 وزیر السلطنہ نے دفاتر کو فارسی ساپنے میں ڈھالا۔ چنانچہ اس طرز عمل سے
 فارسی شاعری اور چمک اٹھی، غزل، مثنوی اور قصاید میں بھی نفی اور معنوی
 اصلاہیں کی گئیں۔

ناصر جو نیک خشک مزاج اور مذہبی انسان تھا لہذا اس کی شاعری
 بھی فلسفیانہ تھی البتہ مضامین (باستثنائے شائد) بیوسست کی وجہ سے دلکش
 نہ تھے۔ لہذا اس نوع میں بھی تبدیلی کی گئی، اور حکیم عمر خیام نے رباعیات
 میں فلسفے کی اس خوبصورتی سے ملاوٹ کی کہ اس کا حسن دو بالا ہو گیا
 اگر ناصر سلطان سنجر سلجوقی کے عہد (متوفی ۵۵۲ھ) تک زندہ رہتا تو اس
 کے قصاید کا بھی رنگ بدل جاتا۔ لیکن عمر نے وفات کی تاہم ناصر پسند
 موعظت کا جو ذخیرہ چھوڑ گیا، جو وہ غیر فانی ہے۔

۵۔ ناصر خسرو، حجت خراسان، داعی الدعاة امیر المومنین

مستنصر باللہ فاطمی

۱۔ تاریخ اسلام میں سیاسی انقلاب | اسلام کی عظمت و سطوت کا
میں نصف النہار پہنچ چکا تھا کہ تاریخ ۲۶ رذی الحجہ ۳۵۷ھ ایک غلام نے
امیر المومنین کو شہید کر دیا اور حضرت عثمان بن عفان اموی مسند اراٹے
خلافت ہوئے اور اسی عہد سے قبیلہ قریش میں خاندان اُمیہ کے عروج
کا آغاز ہوا اور تغیر خلافت سے تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا
امیر معاویہ بن صخر (الوسفیان) عہد فاروقی سے صوبہ شام کے گورنر
دالی، تھے لیکن اس دور میں سیاسی اسباب سے اُن کی حکومت مستقل
قرار پا گئی۔

اقتضائے عالم کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ اس دور جدید میں فاروقی
بنیادوں پر جو ناقص رہ گئی تھیں ہفت منزلہ عمارتیں بن جائیں گی، لیکن
ہاشمی اور اموی رقابتوں اور سازشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۳۵۷ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
بھی اپنے گھر کے اندر تلاوت قرآن فرماتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز
ہوئے ۶ ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ“

اسباب شہادت متعدد ہیں لیکن خاندانی جھگڑے اور اعلیٰ عہدوں
پر بنو امیہ کا تقرر و اقتدار اور مروان بن حکم (سکریٰ دربار خلافت) کی فتنہ پڑائی
سب سے اہم تھیں اسی بنا پر مورخین کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت اسلام میں
سب سے پہلا فتنہ تھا جس نے قومی اور سیاسی تاریخ کو درہم برہم کر دیا اور یہی وہ
لہ ہاشم اور امیہ کا فخر و نسب صفحہ ۹۳ پر ملاحظہ کیجیے۔

دن تھا کہ شیعیت اور سنیت کی بنیاد پڑی جس کی ہنگامہ آرائیاں آج تک جاری ہیں۔

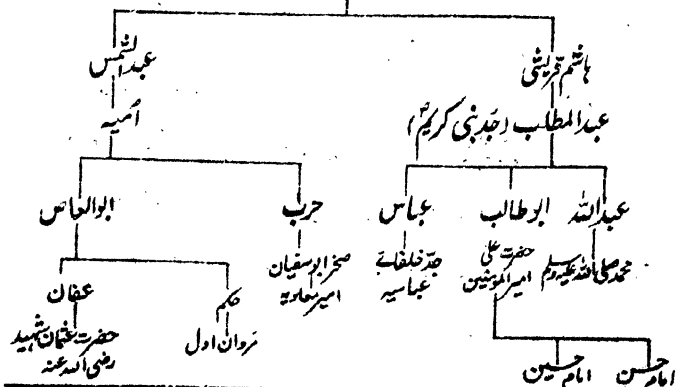
۲۔ بنو امیہ کا عروج و زوال | امیر معاویہ عہد رسالت کے تربیت یافتہ اور عدیم النظیر مدبر تھے۔ لہذا انھوں نے چند ہی

سال (۳۵ھ) آغاز حکومت میں ایک زبردست سلطنت مشرق میں قائم کر کے دمشق کو دار الخلافہ بنایا اور رحلت کے وقت اپنے نااہل بیٹے یزید کو حکمران کر گئے جو منظور شدہ ولیعہد تھا اور اسلامی خلافت میں ولی عہدی کی بدعت کو سب سے پہلے جاری کیا۔ اور انتخاب خلیفہ کا قانون منسوخ ہو گیا۔ اور یزید ہی کے زمانے سے خلافت راشدہ دنیاوی سلطنت میں تبدیل ہو گئی اور خلیفہ یا امیر المومنین کا خطاب بھی بادشاہ یا سلطان کا مترادف بن گیا۔ اور خلافت کی حقیقی شان فنا ہو گئی۔ ہشام بن عبد الملک کے عہد (۲۵ھ) تک اموی سلطنت بڑے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ لیکن آل عباس اور شیعان علی (سادات) بھی حکومت امویہ کی بربادی کی تدابیر میں مصروف رہے۔ جس کا

بہت جلد ظہور ہوا۔

(شلفہ خاشیہ صفحہ ۲۸) ہاشم اور امیہ کا شجرہ نسب یہ ہے۔

عبد مناف مدنی



۱۔ کھنویں جو واقعات حال میں رونما ہوئے وہ عبرت کے لیے کافی ہیں۔

عباسیوں کی تبلیغ کا داعی اعظم، ابو مسلم خراسانی اور خالد برمکی تھے جنہوں نے ایرانیوں میں مخفی کارروائیوں اور تلوار کے زور سے عباسیوں کا اثر قیام کر دیا تھا۔ اور اموی حکومت کو ان سازشوں کی کچھ خبر نہ تھی۔ ابو مسلم نے حساب اقتدار ہو کر دولت عباسیہ کے قیام کا اعلان کر دیا اور مخفی کارروائیاں بند کر دی گئیں۔ ابو العباس کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور خراسان میں دولت عباسیہ کی حکومت قائم ہو گئی۔ نئے خلیفہ نے اپنا لقب سفاح (خون ریز) قرار دیا اور دیا ر مشرق میں بنو امیہ کا قتل عام شروع ہو گیا اور عباسی سپہ سالار نے خلیفہ مردان کو مصر میں گرفتار کر کے قتل کر دیا اور اموی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ عباسیوں نے سادات کرام سے عہد کیا تھا کہ فاضلوں (بنو امیہ) سے انشراح حکومت کے بعد تاج و تخت کے آپ ہی مالک ہوں گے لیکن سلطنت ایسی معمولی شے نہ تھی کہ جوامی اقرار پر چلے کر دی جاتی، علاوہ بریں معاہدے میں صد سالہ تادی بھی عارض ہو چکی تھی۔

۴ حکومت عباسیہ کا انحطاط
اور فاطمین کا خروج

تاسیس حکومت کے بعد عباسیوں کو اب سادات کی اعانت کی مطلق ضرورت نہ تھی لہذا سفاح نے اپنے قدیم دوستوں کو فراموش کر دیا تھا۔ اس بنا پر سادات مشتعل ہو گئے

اور ان مقام کے منصب بے ہونے لگے چنانچہ سفاح کی وفات پر جب ابو جعفر منصور فرمانروا ہوا تو محمد بن عبد اللہ ملقب بے نفس زکیہ نے ۲۵۵ھ میں خروج کیا اور زبردست مقابلے کے بعد میدان کارزار میں شہید ہوئے۔

امام صاحب کی شہادت پر ان کے بھائی محمد براہیم مقابلے پر آئے اور وہ

بھی شہید ہو گئے خلیفہ موسیٰ ہادی عباسی کے عہد میں بمقام (فتح) (مابین مدینہ و مکہ) حسین بن علی بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ نے خروج کیا یہ بھی بعد مقابلہ جنت کو سدھارے اسی طرح ہارون الرشید کے دو بیٹے یحییٰ بن عبد اللہ بن حسن مجتبیٰ حسینی نے ایک زبردست فوج سے دیکم میں ظہور کیا اور شکست کھائی یہ واقعہ ۱۹۶ھ کا ہے۔ رشید کی موت پر خانہ جنگی کے بعد جب مامون الرشید تخت نشین ہوا تو وہ سادات کرام کا فدائی تھا اُس نے ائمہ سادات کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور عبد اللہ محمد ملقب بہ ابن طباطبائی ۱۹۹ھ میں بغاوت کی تو مامون نے اُن کا بھی قصور معاف کر دیا۔ اور انتہا یہ ہو کہ ۲۰۲ھ میں دربار عام میں جس کے اندر صد ہا عباسی جمع تھے، امام ہشتم علی رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور درباریوں سے بھی امام صاحب بیعت لی لیکن یہ جبری کارروائی کامیاب نہ ہوئی چنانچہ آئندہ بھی سادات حصول خلافت کے لئے ریشہ دو انیاں کرتے رہے لیکن اقتدار دولت عباسیہ کے باعث جب جاز، عراق اور خراسان میں کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے اس مقصد کے لئے شمالی افریقہ کو انتخاب کیا۔ اور دعا کے ذریعے سے استیصال خلافت عباسیہ کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ خلیفہ القایم بامر اللہ عباسی کے عہد میں یوم جمعہ جمادی الثانی ۲۹۶ھ میں ابو عبد اللہ مہدی حسینی نے قبیلہ بنو کتامہ کی امداد سے اپنی خلافت کا قیروان میں اعلان کیا۔ ہمدی کے نامور پوتے المعز لدین اللہ نے اپنا دار الخلافہ قاہرہ کو بنایا جس کو نامور سپہ سالار جوہر نے المعز کے حکم سے فتح کر لیا تھا۔ یہ واقعہ ۳۵۶ھ کا ہے اور اس کے بعد قاہرہ مرکز خلافت اور خلفائے فاطمیں کا قبرستان ہو گیا

اس تمہید کے بعد اب ناصر کی مذہبی زندگی پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

۵۔ **الوہیم معد ملقب بالمستنصر باللہ فاطمی** | مستنصر باللہ ناصر خسرو کا
تھایہ خلیفہ الظاہر لاعزۃ

دین اللہ کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کی رحلت پر ۵۳۲ھ میں تخت نشین
تھا۔ اور القادر باللہ عباسی کا ہم عصر تھا۔

خلافت عباسیہ، ترکی غلاموں کے اثر سے کمزور ہو کر ہنوز موجود
تھی، لیکن خلفائے فاطمیوں نے بھی صفحہ دنیا سے مٹانا چاہتے تھے، جس
لئے ایک دار الحکمتہ (فرمان لاج) قائم تھا اور جس کے نامور معلم (مارشال)
ناصر خسرو جیسے علامہ تھے۔

۶۔ **ناصر خسرو قاہرہ میں** | ناصر براہ شام سفر کرتا ہوا یکشنبہ، صفر ۵۳۹ھ
کو جب قاہرہ میں داخل ہوا، تو خلیفہ مستنصر

کے سب سے جلوس کا بار ہوا سال تھا قاہرہ میں دو سال تک مقیم رہا اور اس
نصف میں دو مرتبہ حج کو گیا اور قاہرہ واپس آیا اور چوتھے حج کے بعد
جمعہ ۱۹ ذی الحجہ ۵۴۲ھ طائف سے اپنے وطن (بلخ) کو روانہ ہو گیا۔

ایوان الکبیر میں عید کی دعوت

خلفائے مصر کا دستور تھا کہ عیدین کے موقع پر وہ عظیم الشان دربار منعقد کرے۔
ارکان دولت، سادات، علماء، صوفیائے کرام و روسائے شہر کو باریابی کا شہرہ
عطا فرماتے تھے اور سلام و تہنیت کے بعد قصر شاہی (ایوان الکبیر) میں دعوت ہو
تھی یہاں اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے مختلف کمروں میں بٹھائے جاتے تھے ا

خلیفہ زرین تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا، ناصر نے جب اس دعوت کا حال سنا تو اس کو بھی امیر المومنین کی زیارت اور شرکت دعوت کا احساس ہوا چنانچہ سفر نامے میں لکھا ہے کہ
 ”من بارگاہ ملوک و سلاطین عجم دیدہ ام چون سلطان محمود غزنوی
 پسرش مسعود ایشاں پادشاہان بزرگ بودند بانعت و تہمل

بیار، انکوں می خواہم کہ مجلس امیر المومنین را ہم بینم“

چنانچہ دفتر انشاء کے ایک مستند کی سفارش پر صاحب پرالسر (حاجب) نے ناصر کو بھی دربار عید (شوال ۵۸۵ھ) میں شرکت کی اجازت دی، یہ پہلا موقع تھا کہ ناصر نے امیر المومنین کو برائے العین دیکھا اور عربی سلطنت کے جاہ و جلال سے متاثر ہوا یہی دربار ناصر کی آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ تھا۔ مگر تعجب یہ کہ دربار عید کے بعد ناصر نے سفر نامے میں یہ نہیں لکھا کہ دربار عام میں یا نجی طور پر اس کو کو مرتبہ امیر المومنین کی حضوری اور دست بوسی کا موقع ملا۔ اور شریعت کے جو مخفی اسرار وہ حل کرنا چاہتا تھا، اس میں بھی کامیاب ہوا یا نہیں۔ لیکن یہ واقعہ کہ ناصر، مستنصر باللہ کے حلقہ دعا میں شامل ہو گیا اور اسکو فرقہ اسمعیلیہ (باطینہ یا فاطمیہ) کے احکام و ضوابط کی تسلیم دی گئی اور جب وہ کل مرحلے طے کر چکا تو اس کو حجت کا منصب دیکر صوبہ خراسان میں تعینات کیا گیا کہ خلافت فاطمیہ کی حمایت میں وہ (عباسیوں کے خلاف) تبلیغی کام شروع کرے۔

ناصر نے سفر نامے میں یہ حالات قصداً بوجہ نہیں کئے کیونکہ کسی داعی کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے امام کا جس کے حق میں دعوت دی جاتی تھی نام ظاہر کرے بلکہ ان کو حکم تھا کہ ”بدعون للبیعة الرضاع من آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔“

دار الحکمتہ قاہرہ میں ناصر خسرو کی تعلیم اُس کے عقاید اور فلسفیانہ مذہب

۱۔ سفر مصر اور مذہبی تعلیم | ملک شام کے سفر میں، ناصر کو کسی داعی سے فاطمین مصر کی مذہبی دعوت کا حال معلوم ہوا، لہذا وہ شام سے قاہرہ میں داخل ہوا اور یہاں سے دو مرتبہ حج کو گیا۔ اور واپس آیا۔ اور ایوان الکبیر کی شاندار دعوت کے بعد وہ کسی تدبیر سے امیر المومنین مستنصر باللہ کے حضور میں پہنچ گیا لیکن سفر نامے اور مثنویات ناصر میں کسی جگہ اس تعلیم اور تربیت کا ذکر نہیں ہے۔ صرف ایک قصیدے میں امیر المومنین کی ملاقات اور اپنی مذہبی تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ اُس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ قصیدہ مذکور کا مطلع یہ ہے۔

لے خواندہ بے علم و جہاں گشتہ سر اسر

تو بر زمی و از برت ایں چرخ مدور

اس قصیدے میں ناصر لکھتا ہے کہ ۳۹۴ھ میں میری ولادت ہوئی اور جب یہ عمر کی بیالیس منزلیں طو ہو گئیں تو تحقیقات مذہب اور حقایق کا شوق پیدا ہوا۔ مثلاً آسمان کیا ہے۔ گردش ایام کس کو کہتے ہیں؟ اور مولید ثلاثہ کی کیا حقیقت ہے؟ چنانچہ ان حالات کو میں نے علماء سے دریافت کرنا شروع کیا اور خود بھی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا۔

اچوں یافتہ از ہر کس بہترین خود را گفتم زہم خلق کے ہاں بد بہتر

چوں باز زمرغان و چو اختر ز بہایم چوں نخل ز اشجار و چو یاقوت ز جوہر
چوں فرقان ز کتب و چو کعبہ ز بناہا چوں دل ز تن مردم و چو رشید ز اختر
ز اندیشہ غمی گشت مرا جاں بہ تفکر پُرسندہ شدایں نفس مفکر ز مفکر
از شافعی و مالکی و قولِ حسینی جُستیم ز مختارِ جہان و اور ہر بہر
دیوان صفحہ ۱۳۴

کہ میں تو خود ہی سب سے بہتر ہوں۔ اور اس خیال کے ساتھ ہی دل میں یہ دوسوہ بھی پیدا ہوا کہ تمام دنیا میں ایک ذات ایسی بھی ہونا چاہیے کہ جو سارے جہان سے افضل ہو۔ (امام برحق کی تلاش) کیونکہ نظام عالم میں ہر جنس کے اندر بعض صنف کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہوتی تھی مثلاً طیور میں باز بہایم میں اُونٹ، درختوں کجور، جواہرات میں یاقوت، مذہبی کتابوں میں قرآن، عمارات میں کعبہ، اعضاء انسانی میں دل اور سیاروں میں آفتاب کو فضیلت ہو۔

جب یہ خیال میرے دل میں راسخ ہو گیا تو فلسفیوں سے تحقیقات شروع کی اور مذہب شافعی، مالکی و حنفی کو بھی امعان نظر سے جانچنا شروع کیا،

اس تہید کے بعد کہتا ہے۔

یکروز بخواندم ز قرآن آیتِ بیت کایزد بقراں گفت کہ بردست من از بر
بر خاتم از جلے و سفر پیش گرفتہم نزد خاتم یاد آمد و نزگلشن و منظر
از پارسی و تازی از ہندی و از ترک و ز سندی و رومی و ز عبری ہمہ یکسر
و ز فلسفی و مالوی و صابی و دہری و ز خاتم این حاجت و پرسیدم بے تر
از ہنگ بے ساختہ ام بستر و بالیں و زابر بے ساختہ ام خیمہ و چادر

گاہے بہ نشیبے شدہ ام گوسفہ ماہی گاہے بسر کو ہے برتر زود و سیکر
 گاہے بڑی نے کہ در و آب چومر مر گاہے بہ جہانے کہ در و کاخ چوانگر
 گہ دریا گہ بالا از رفتن ہے راہ گہ کوہ و گہ ریگ و گہ جوے و گہ جہر
 گہ حسیل بگردن ہر مانند شتر باں گہ بار بہ پشت اندر مانند اشتر
 پر سیدہ ہی رفتن ازیں شہر بدان شہر جویندہ ہی کشتن ازیں بحر بدان بر

کہ میں انھیں خیالات میں محو تھا کہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے ایک دن آیت
 (بیعت رضوان) پر نظر جا پڑی چنانچہ بیعت کی نیت سے اُسی وقت سفر کو نکل
 کھڑا ہوا۔ یہ عجیب منظر ایسی سفر تھا اُس وقت مجھے نہ تو اپنا مکان یاد آیا
 (جو مریں تھا) نہ باغ و پارک کا خیال تھا، صرف یہی اک دُہن تھی کہ جو
 خیال دماغ میں بسا ہوا ہے، اس کی تحقیقات کروں اس خیال سے دورانِ
 سفر میں پارسی، عربی، ہندی، سندھی، رومی، عبری، فلسفی مانوی
 صابی اور دہری سے جو کوئی بھی ملا اس سے اظہار خیال کیا اور مکرر سوالات
 کیے گئے۔ (لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا) اس سفر میں مجھے بڑی تکلیف اٹھانا پڑی
 اکثر پتھروں کے بستر پر سویا، پتھر ہی کا تکیہ سرھانے رکھا اور خیمے اور چادر
 کا کام بدلی (ابر) سے لیتا رہا۔ انتہائی نشیبی زمین پر بھی چلنا پڑا، کبھی
 ایسی پہاڑ کی چوٹیوں سے گزرا جس کی بلندی برج جوزا کی رفعت سے بھی
 کہیں زیادہ تھی اور ایسی منزلیں بھی طے کرنا پڑیں کہ جہاں سمندر کا پانی
 تیغ ہو کر سنگ مرمر بن گیا تھا اور بعض ایسے گرم مقام آتے جہاں مکان کو نہ
 بن جاتا تھا۔ دریا بھی عبور کیے، ایسی بلندیوں پر چلنا پڑا کہ جہاں راستہ مفقود تھا۔
 علاوہ بریں راستے میں پہاڑ، ریگستان اور دریاؤں کا مدہ جز بھی دیکھا۔ کبھی شتر زائوں

کی طرح رتی میری گردن میں بھتی اور کبھی پیٹھ پر اونٹ کا سا بوجھ لدا ہوا تھا لیکن باوجود ان مصائب کے دریا اور خشکی کا سفر بدستور جاری رہا اور علی مسایل کی تلاش اور تحقیقات بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے بعد ناصر کہتا ہو کہ دوران سفر میں بعض اہل علم سے مذہبی گفتگو بھی ہوئی مثلاً :-

گفتند کہ موضوع شریعت نہ عقل است	زیرا کہ بہ شمشیر شد اسلام مقرر
گفتم کہ نماز از چہ بر اطفال و مجانین	واجب نہ شود تا نشود عقل مختبر
تقلید نہ پز رستم و حجت نہ ہنم	زیرا کہ نشد حق بہ تقلید مشہر
ایزد چو بخواد کہ کثاید در رحمت	دشوار ہے آساں شود و صعب میسر

”کسی نے یہ بھی کہا کہ شریعت کو عقل سے کوئی واسطہ نہیں اور دلیل یہ پیش کی گئی کہ اسلام بزور تلوار پھیلا یا گیا ہو۔

میں نے جواباً کہا کہ اگر شرع کا تعلق عقل سے نہ ہوتا تو بچے اور دیوانے کبھی نماز سے معاف نہ کیے جاتے۔

بہر حال میں نے محض تقلید کی بنیاد پر اس اعتراض کو تسلیم نہیں کیا بلکہ میں دلائل اور مباحثے پر قائم رہا کیونکہ سچا مذہب تقلید سے حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہ امر واقعہ ہو کہ خدا کی رحمت سے جملہ مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔“

الغرض ناصر! خدا خدا کر کے منزل مقصود (قاہرہ) تک پہنچ گیا اور اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُس کو ناصر نے اشارے اور کناہے میں

لے سفر نامے سے کل مقامات کی تصدیق ہوتی ہے۔

مذہب عمومغزلی اور سلجوقیوں پر تعریف ہو، محضوں نے بزور تلوار فتوحات کی ہیں۔

بیان کیا ہے۔ لیکن ہر شعر میں ایک خاص واقعے کی تصویر پیش کی ہے اور تقریباً مذہب اسماعیلہ کے اہم مضامین آگے ہیں اب اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

روزے پر سیدم بدر شہرے کا نرا
شہر یکہ ہمہ باغ پر از میوہ پراز گل
شہر یکہ من آنجا چور سیدم خودم
رفتم بر در بانش و گفتم سخن خویش
گفتم کہ نفس ضعیف است و زندگست
دار و نخورم ہرگز بے حجت و برہان
گفتا مبرا ندوہ من اینجائے طہیم
از اول و آخرش پیر سیدم و آنگاہ
از جنس پیر سیدم و از صنعت و صورت
از حال رسولان و رسولات و کائنات
آنگاہ پیر سیدم از ارکان شریعت
و روزہ کہ فرمودش ماہ نہم از سال
و خمس پیر عشر چنوی کہ دہندان
و زعلت میراث و تفاوت کہ درو
و زحمت از راق پیر سیدم گفتم
گفتا بدم داروئے حاجت و برہان
راضی شدم و مہر بکردہ آنگہ دارو
از خاک مرا بر فلک آورد چو یاقوت
دستم کہ بفت دست نبی داد بیعت

اجرام فلک بندہ بد آفاق مسخر
دیوار مزین ہمسہ و خاک مشحور
ایجا بہ طلب حاجت و زین منزل مگر
گفتا مبرا ندہ کہ بشد کانت گوہر
منکر بدرستی تن و این گوئہ صفر
و زرد و نیندیشم و نینوشم منکر
بر من بکن آں علت مشروح و مغتر
از علت تدبیر کہ ہست اصل مدبر
و زقاد پر پیر سیدم و تقدیر و مقدر
و ز علت تحریم دم و خمر و خمر
کاین قبح نماز از چہ سبب گشت مسطر
از حال رکات درم و زور و مدور
ایں از چہ محسوس شد و ان از چہ معشر
چوں بود برادر یکے و نیمے خواہر
چون است غمی زاہد و بے رنج سنگر
لیکن بہ ہم مہرے حکم بلبت بر
ہر روز بتدریج ہی داد مزور
چوں خاک بدم ہستم امروز معنبر
زیر شجر عالی پر سایہ و شمر

از رشک ہی نام نگویش دریں شعر
گویم کہ چنین است کشفِ فراطوسِ پاک
مانندہ دہم گوئے جد و پدر خویش
در صدرِ چو پشیمبر و در حربِ چو حیدر
دیش تو استادہ درین جانی پیش
این کابد لاغر باگوئے صفر
حقاکہ بجز دست تو بر لب نہادم
جز بر حبرِ اسود و بر خاکِ پیمبر
ہر جا کہ بوم تا بزمِ من گہ و بیگاہ
بر شکرتو را غمِ قلم و مخبر و دفتر

(دیوان صفحہ ۱۳۴-۱۳۸)

ناصر کہتا ہے کہ جب میری دشوار گزار منزلیں ختم ہو گئیں تو میں ایک ایسے شہر میں داخل ہوا۔ جس کے خادم نہ صرف اجرام فلکی تھے بلکہ ساری دنیا تابع فرمان تھی۔ یہ ایسا شہر تھا۔ جس کے باغ میوے اور پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ شہر کی دیواریں خوبصورت اور زمین منجر روہ کپڑا جس پر درختوں کے نقش و نگار ہوں، تھی۔

جب میں اس شہر میں پہنچ گیا تو عقل نے کہا کہ اب یہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اسی جگہ مقصد برآری ہوگی۔ اس کے بعد میں شہر کے دربان (امام وقت مستنصر باللہ مراد ہے) کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا اس نے مجھے اطمینان دلایا اور فرمایا کہ ”اب بیچ نہ کرو تم کو گوہر مقصود مل گیا“ میں نے عرض کیا کہ میرا نفس کمزور اور ذلیل ہے لہذا میری صحت جسمانی اور رنگ کی زردی پر کچھ خیال نہ کیا جائے اور باوجود علالت میں بغیر بحث و حجت کے ہرگز کوئی دوا استعمال نہ کرونگا مجھے اپنے درد کی کوئی فکر نہیں ہے اور میں شرع کے خلاف بھی کوئی بات نہ سنونگا۔ یہ سنکر ارشاد ہوا کہ ”ناصر اب غم نہ کریں طیب ہوں مجھ سے اپنی بیماری کا حال تفصیل

سے بیان کر۔ چنانچہ میں نے اول سے آخر تک سوال کیے اور ہر مرض کا علاج بھی دریافت کیا۔ میں نے علت و معلول، جنس، صنعت و صورت، قادر و تقدیر، اور ارکان شریعت کی تفصیل اور الفاظ مذکور کے معنی پوچھے اور یہ بھی سوال کیا کہ نماز پنجگانہ کیوں فرض کی گئی ہے۔ اس کے بعد روزے اور زکات کی فرضیت کا سوال کیا اور مسئلہ زکوٰۃ میں یہ بھی پوچھا کہ آمدنی سے عشر (دسواں حصہ) اور خمس (پانچواں حصہ) کی جو رقم برآمد کی جاتی ہے۔ اس کی تخصیص کیوں ہے؟

علم الفرائض (تقسیم مال مردہ) میں یہ الجھن تھی کہ تقسیم ترکہ میں بھائی کے مقابلے میں بہن کا حصہ نصف کیوں مقرر کیا گیا اور انسان کو خدا کی طرف سے جو رزق ملتا ہے، اس میں یہ پریشانی تھی کہ زاہد ہمیشہ تکلیف اٹھاتا ہے اور ظالم آرام سے رہتا ہے۔ خدا نے تقسیم رزق میں مساوات کا قانون کس لئے نہیں جاری کیا؟ میری یہ تقریر سنکر طبیب نے جواب دیا کہ ”میں تیرا باضابطہ (دلیل کے ساتھ) علاج کرونگا، مگر بشرط یہ ہے کہ تیرے لب پر مضبوط ہر لگائی جائے گی (حلف رازداری مراد ہے) میں نے رضا مندی ظاہر کی تو لبوں پر ہر لگائی گئی، علاج شروع ہوا، اور مجھ بیمار کو آہستہ آہستہ وہ غذائیں دی گئیں جو مرغوب خاطر تھیں اس علاج نے میری مشمت خاک کو یا قوت کی طرح محلی کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی اور گویا یہ بیعت رسول تھی، جو درختوں کے سایہ میں کی گئی (بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے)، امام کا نام بھی میں رشک کی وجہ سے لینا نہیں چاہتا ہوں۔ صرف اس قدر کہتا ہوں کہ حکیم افلاطون اس کا ایک ادنیٰ چاکر ہے۔

ملہ جملہ مسالین وہ ہیں جن کے غنی مطالب صرف امام بتا سکتا تھا۔ اور جس کا نام باطنیہ کی مصلحت میں تاویل شریعت ہے۔

اور وہ امام صورت اور حسن و جمال میں اپنے دادا، اور باپ سے مشابہ ہے۔
مجلس میں جب وہ صدارت کرتا ہے تو اس میں شان پیغمبر اور میدان کارزار
میں حیدر کرار کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اب میں مونے کپڑے پہنے ہوئے (نخیف جسم اور زرد رنگ میں) تیرے
سامنے کھڑا ہوں اور خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ حجر اسود اور مزار نبوی کے
بعد تیرے ہاتھ کا بوسہ لیا ہے۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں
کہ جب تک زندہ رہوں گا اور جہاں کہیں بھی رہوں گا تیری شکر گزاری میں
میرا قلم چلتا رہے گا۔

خدا کا شکر ہے کہ ناصر کی سیرت کا سب سے ہتم بالشان اور مخفی کا رنامہ
مل گیا اور وہ قاہرہ کی مذہبی تعلیم و تربیت ہے جس کو اُس نے خود اپنے ہی قلم سے
لکھا ہے۔ چنانچہ دو سال کی مذہبی تعلیم کے بعد وہ قاہرہ سے رخصت ہوا اور
امیر المؤمنین مستنصر باللہ نے اس کو داعی الکبیر اور حجت کا منصب عطا
کر کے خراسان کو رخصت کیا کہ وہ اس صوبے میں مذہب اسماعیلی (فاطمیہ یا باطنیہ)
کی تبلیغ کرتا رہے۔

اس قسیدے میں ناصر نے امام کا نام مخفی رکھا ہے، البتہ دوسرے قصاید
میں نام کا اعلان کیا ہے اور اس موقع پر نام کا ظاہر نہ کرنا شاید اُس حلف
کا نتیجہ ہو گا جو ناصر سے بیعت کے وقت لی گئی تھی اور جس میں اُس نے
اسماعیلی مشن کے تمام رازوں کو پوشیدہ رکھنے کا عہد کیا تھا۔

قاہرہ میں غالباً اس کو خواجہ موید نے بھی مذہبی تعلیم دی جس کا ایک
قصیدے میں اتفاقاً نام آگیا ہے۔

کہ کرد از خاطر خواجہ موید در حکمت کشادہ بر تو یزدان

ہر سیدم ز خواجہ شرح این حال سر قصہ مرا بنمود پایاں !
 مرا گفت این خداوند زمانست کہ بگزیدش خدا از انس و اجناس

دیوان صفحہ ۲۳-۲۲۔

۱۱۔ سیاحت مصر سے قبل ناصر کا مذہب کیا تھا | ناصر کا سیاحت
 مصر سے قبل کیا

مذہب تھا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

مجمع الفصحا کی روایت ہے کہ وہ اثنا عشری شیعہ تھا اور اس کے نزدیک
 یہی مذہب حق تھا۔ لیکن سفر نامے کی عبارتیں اس کے خلاف ہیں۔ حالات شام
 (طبریہ) میں لکھتا ہے۔

گو راجی ہریرہ آنجا ست ، بیرون شہر در جانب قبلہ ،
 اما کے آنجا بزیارت نتواند رفتن کہ مردمان این جا شیعہ باشند
 و چون کے آنجا بزیارت رود کو دکان غوغا و غلبہ سیر آنکس برند
 و ز حمت ہند و سنگ اندازند ازین سبب من متوانستم زیارت
 آن کروں ؛

حالات طرابلس میں تحریر ہے۔

مردم این شہر ہمہ شیعہ باشند و شیعہ بہر بلاد مساجد نیکو ساخته
 اند و آنجا خانہ ہا ساخته ، بر مثال رباطہا اما کے در آنجا مقام نمے
 کند و آنرا مشہد خوانند۔

حالات بصرہ میں لکھتا ہے۔ در بصرہ بنام امیر المومنین علی شیردہ شہدست
 یکے از آن مشہد بنی مازن ۔ و عاشقہ رضی اللہ عنہا بحرب آمدہ بود۔

۲۔ ان عبارتوں کو پڑھ کر کون متاثر ہوگا کہ ناصر شیعہ تھا، البتہ قاضی نور الدین شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المؤمنین میں ناصر کے بیٹے خواجہ معین الدین کی نسبت بصراحت لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور ملک شاہ سلجوقی کے دفتر النشار میں ملازم تھا لیکن اُس نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ بلکہ آزادی سے مذہبی ارکان ادا کرتا رہا۔

قاضی صاحب نے تعجب ہے کہ ناصر کے مذہب پر خامہ فرسائی نہیں کی ورنہ مجالس المؤمنین میں اہل سنت و جماعت کے مشہور رائے بھی خلعت تیشیع سے محروم نہیں رہے ہیں ان کے نزدیک امام غزالی بھی شیعہ تھے۔ بعض اصحاب کہہ سکتے ہیں کہ سلاطین سلجوقیہ حنفی مذہب رکھتے تھے لہذا ناصر نے تقیہ کر لیا ہوگا؛ لیکن ناصر جیسے استباز حکیم و فلسفی سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہو کیونکہ تقیہ نفس کا ایک فریب ہے اور اخلاقی جرأت کے بھی خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واپسی مصر کے بعد ناصر نے حنفی مٹھانہ خالص شعی بلکہ وہ ٹھٹھٹ باطنی تھا اور وہ اس مذہب کو برحق سمجھتا تھا۔ اول قبول مذہب میں ہر انسان آزاد ہے، سائیکلو پیڈیا کی روایت ہے کہ ناصر کے ابتدائی تین سال حنفیت میں گزرے تھے۔ لہذا ناصر پر تبدیلی مذہب کی فرد جرم لگانا خلاف قانون ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب ناصر کے اجزائے مذہب کی تشریح کی جاتی ہے جس سے دیوان مالا مال ہو۔

۳۔ تتمیز و تاویل | فرقہ باطنیہ کا سب سے بڑا اور اہم اصول یہی ہے کہ قرآن کی اصلی تسلیم تاویل میں ہے اور ظاہری الفاظ قابل عمل نہیں ہیں۔ جسکو دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ ہر ظاہر

کے لیے ایک باطن ہے اب اسناد ذیل ملاحظہ ہوں۔
دریائے سخن سخن خوب خدا نیست پرگو ہر دیا قوت و پر از لولوے لالا

ترجمہ } کلام اللہ کی آیات میں ہر شان دریا کی
بھرنے میں جس میں یا قوت و رچھپے ہیں لو لے لالا

شوراست چو دریا بہنیل ظاہر تاویل تاویل چو لولوست سوئے مردم دانا

ہنیں شوراب سے کم ظاہر تنزیل تلخی میں

سمجھتا گوہر شہوار ہی تاویل کو دانا

اندرین دریاست ہمہ گوہر و لو کو خواص طلب کن چہ دوی بر لب دریا

بھرا کر چاہتا ہی موتیوں سے جیبے دامان کو

لگا لگا غوطہ دریا میں کنارے پڑھرا ہو کیا

اندرین شوراب زہر چہ نہادست چندیں گہر و لولو، ارزندہ وزیبا

بنایا موج آب شور کو جو وقت خالق نے

جو اہر ریز گوہر خیز و گوہر پیروز گوہر زرا

از بہر پیمر کہ بدیں صنع ورا گفت تاویل بہ دانا دہ و تنزیل یہ غوغا

کہا اپنے رسول پاک سے اس کا یہ مطلب ہر

کہ نادان کے لئے ہر لفظ دانا کے لیے معنی

۴۔ حشر و نشہ | ناصر، باطنی ہونے سے قبل حشر جسا دکا معتقد تھا لیکن بعد
میں منکر ہو گیا تھا۔ علمائے خراسان اس عقیدے کے اعلان

پر اس کے مخالف ہو گئے تھے دیوان میں جس قدر اشعار ہیں وہ نقل کئے جاتے ہیں

ایں نوشکوفہ زندہ، سر از باغ برزہ برماز روز حشر و قیامت گواشدہ ہست

بگلہ نبات مرده کہ چوں زندہ شد بہ تخم آگمش بنود تخم چگونہ فنا شدہ ہست

اقرار کن بروز قضا چوں بچشم سرت نوز و دم کیاں را روز قضا شدہ ہست

گویمت چگونہ نشود، زندہ کو ہلاک شود آب باز آب شود، ناک باز خاک شود

جانش زی فراز شود، نیش زی سناک شود
تن سو پلید شود، پاک باز پاک شود
(صفحہ ۱۰۴)

بیچ میندیش اگر ز کالبد تو خاک
نجا کے شود ہوا بہ ہوا
(صفحہ ۲۹۹)

۱۰۔ انکار حشر جہانی | پروفیسر شیفر نے فریج ترجمے میں ناصر کے اشعار
نقل کیے ہیں جس سے انکار حشر جہانی ثابت ہو

۵۔ ارکان حج پر تعریض | فرقہ اسماعیلہ میں حج سے کیا مراد ہے؟ یہ بحث
ارکان خمسہ اسلام میں آئے گی فی الحال
اشعار ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

حاجیاں آمدند با تعظیم	شاگرد رحمت خدائے رحیم
آمدہ سوئے مکہ از عرفات	زودہ لبیک عمرہ از تعظیم
یافتہ حج و عمرہ کردہ تمام	ہاگزشتہ بسوئے خانہ سلیم
من شدم ساعتی باستقبال	پائے کردم بردن ز حد گلیم
مر مراد در میان قافلہ بود	دوستے مخلص و عزیز و کریم
گفتم اورا بگوئے چون رستی	زین سفر کردن برج و بیم
تا ز تو نماز ماندہ ام جاوید	فکر تو را ندانست است ندیم
شاو گشتم بدانکہ حج کردی	چوں تو کس نیست اندراں قلم
باز گوتا چگونہ داشتہ	حرمت آں بزرگوار حریم
چوں ہی خواستی گرفت احرام	چہ نیت کردی اندراں تحریم
جلہ بر خود حرام کردہ بدی	ہر چہ مادون کردگار عظیم
گفت ز گفتش زدی لبیک	از سر علم دز سر تعظیم

باز دادی چنانکہ داد کلیم
 ایستادی و یا فتنی تقدیم
 بتواز معرفت رسید نسیم
 در حرم ہجو اہل کہف و رقیم
 وز غم حرقت و عذاب حجیم
 ہی انداخت بدیو حسیم
 ہمہ عادات و فعلہائے ذیم
 گو سفند از پئے اسیر و یتیم
 قتل قربان نفس دون لیم
 مطلع بر مقام ابراہیم
 خویشتی خویش را بحق تسلیم
 کہ دویدی بہر ولہ جو ظلم
 یاد کردی بگرد عرش عظیم
 از صفا سوئے مروہ بر تقیم
 شد دلت فارغ از حجیم و نغیم
 ماندہ از ہجر کعبہ دل بد و نیم
 ہم چنانی کنوں کہ گشتہ زیم
 من ندانستہ ام صحیح و سقیم
 نشدی در مقام نحو ہقیم
 محنت بادیہ خریدہ بہ سیم

مے شنیدی نہ آحق و جواب
 گفت نے گفتش چو در عرفات
 عارف حق شدی و منکر خویش
 گفت نے گفتش چو میسر فتنی
 ایمن از شر نفس خود بودی
 گفت نے گفتش چو سنگ حمار
 از خود انداختی برون یکسو
 گفت نے گفتش چو مے کشتی
 قرب خود دیدی اول و کردی
 گفت نے گفتش چو گشتی تو
 کردی از صدق و اعتقاد یقین
 گفت نے گفتش بوقت طوفان
 از طواف ہمہ ملاسکیاں!
 گفت نے گفتش چو کردی سی
 دیدی اندر صفائی خود کوئین
 گفت نے گفتش چو گشتی باب
 کردی آنجا بگو رمر خود را
 گفت ازین باب ہر چہ گفتی تو
 گفتم مے دوست پس نکردی حج
 رفتہ و مکہ دیدہ آمد باز

گر تو خدا ہی کہ حج کنی پس از این

اس جنیں کن کہ کر دمت تسلیم
۶۔ عبرت و نصیحت و صنایع قدرت -

بچشم نہاں میں نہاں جہاں را کہ چشم عیاں ہیں نہ بسند نہاں را

چکو نہ کند با قرار آسمانت چو خود نیست از بن قرار آسمان را
لینے دے آسمان تجھے چین کس طرح
ترجمہ خود بھی نہیں ہو جبکہ قرار آسمان کو
سر آں جہاں نردبان میں جہاں است بسر بردت باید این نردبان را
دنیا کو تو وسیلہ عقبی قیاس کر
سیڑھی کی احتیاج ہو بیشک چان کو
دریں بام گردوں دین بام ساکن بہ ہیں صنعت و حکمت غیب وال را
ان دو نزل کنندوں کے قرار و قرار میں
دیکھ آفریدگار کی صنعت کی شان کو
ننگہ کن کہ چوں کر دیے بیچ حاجت، بچان سُبک جفت جسم گران را
کس طرح استخراج ثقیل و خفیف سے
دھالا ہو اس نے جسم کے قالب میں جان کو
کہ آویخت است اندر میں سبز گنبد مرا میں تیرہ گوئے درشت کلاں را
لٹکا دیا ہے سقف زبرد کے وسط میں
اک قمقمے کی شکل میں اس خاکدان کو
چہ گوئی کہ فرساید این چرخ گرداں چو مجید و مر بشمر دسالیں را
گردش سے چرخ گھس نہیں سکتا کسی طرح

کچھ اس پہ حق نہیں ہی مرور زمان کو
 نہ فسودنی ساختہ ہست این فلک را نہ آب رواں را و بادبزاں را
 فرسوگی کی قید سے اس نے رہا کیا
 پانی کی اور ہوا کی طرح آسمان کو
 مکان وزماں ہر دو از بہر صنعت ازین نیست حد سے زمین وزماں را
 یہ دونوں کردگار کی صنعت پہ ہیں گواہ
 خدا اس لیے نہیں ہی زمان و مکان کو
 اگر گوئی ایں درقراں نیست گویم ہمانا نیکوئے ندانی فتراں را
 جو یہ کہے نہیں ہی یہ قرآن میں کہیں
 اچھی طرح پڑھا نہیں اس نے قرآن کو
 قرآن را یکے خازنے ہست کایزد حوالہ بدو کردہ مرئس وہاں را
 ہی خازن کلام الہی وہ ایک شخص
 جس کے سپرد اُس نے کیا انس و جان کو
 تو برآں گزیدہ خدا و پیمبر گزیدی فلان و فلان و فلان را
 حکم خدا و حکم پیمبر کو چھوڑ کر
 کرتے ہو پیش قول فلان و فلان کو
 (ایمہ راجعہ وغیرہ)

۱۵ امیرالمومنین مستنصر باللہ فاطمی اسماعیلی مراد ہو۔

صوبہ خراسان میں ناصر خسرو کی تبلیغی خدمات اور ناکامی کے اسباب

۴ جمادی الثانی ۵۳۴ھ (۱۹ دسمبر ۱۱۴۰ء) میں ناصر خسرو سیاحت کو مرو سے روانہ ہوا تھا اور ۲۶ جمادی الثانی ۵۳۴ھ (۲۳ اکتوبر ۱۱۴۰ء) کو اپنے وطن بلخ میں داخل ہوا۔ اور کچھ مدت قیام کر کے بلخ سے مذہبی خدمات کے لیے، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور خراسان کو روانہ ہوا کیونکہ اس صوبے کی خدمت (حجت) اسکو دربار خلافت قاہرہ سے مل چکی تھی لیکن تعجب، کہ سفر نامے میں مطلق صراحت نہیں ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اصفہان سے پہلے وہ گیلان اور رستم دار ہوتا ہوا، ماژندران و بلغار کو روانہ ہوا تھا لیکن اس دیار کے فقہانے اس پر زندگی و الحاد کا الزام لگایا لہذا وہ چھپ کر خراسان چلا گیا چنانچہ اس دورے کا مختصر حال ہم لکھ چکے ہیں جس کے اعانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ناصر نے عراق عرب کی سیاحت میں بغداد کا بھی ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ اس نے فرات سے بصرہ کو عبور کیا تھا اور نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی بھی زیارت کی تھی جس کے اشارے دیوان میں موجود ہیں ان واقعات کے حقیقی رکھنے کا یہ سبب ہے کہ ان مشاہد کی زیارت شیعان علی سے مخصوص ہے اور عقبات عالیات کی جہہ سائی کے بعد وہ حاجی کے معزز خطاب سے ممتاز ہوجاتے ہیں اور یہ طرز عمل صدیوں سے جاری ہے۔ اور تقریباً ہی طریقہ سینوں کا ہے کہ ہاتھ بٹائے شانہ عراق سے کربلا و مشہد مقدس

کا سفر نہیں کرتے ہیں، لیکن ناصر نے جو کچھ کیا وہ سیاسی اسباب سے مجبور تھا مفصل حال درج روزنامہ کرنے سے وہ مزید آفات میں مبتلا ہو سکتا تھا سیاحت مذکور کی مدت تقریباً دو سال تھی جو ^{۱۰۰۰}۱۰۰۰ روپے میں ختم ہو گئی۔

اروضۃ الصفا، حبیب السیر اور دبستان مذہب **دعوت خراسان** کی روایت ہے کہ ناصر واپسی مصر کے بعد تبلیغ مذہب فاطمیہ کے لیے خراسان گیا تھا اور کئی سال تک اضلاع خراسان کی خاک چھانتا پھرا، لیکن علمائے عصر کی مخالفت سے کہیں کامیاب نہیں ہوا اور ناکامی کا خاص سبب یہ ہے کہ اس کے پاس حسن صبلح کی طرح دعاۃ اور فدا یوں کی فوج نہ تھی اور نہ اس کے پاس مصنوعی جنت تھی کہ وہ اپنے مریدوں کو سبز باغ دکھا کر جاں نثار غلام بنالیتا نہ مالی سرمایہ تھا اور وصول زکوٰۃ کا اہتمام نہ تھا، علاوہ بریں یہ ایک واقعہ ہے کہ حکیمانہ وعظ و پند اور فلسفیانہ دلائل سے عوام مستفید نہیں ہوتے ہیں، بلکہ یہ طرز تبلیغ صرف اہل علم کے لیے ہے جس کی بہترین مثال ہندوستان میں قادیانی تحریک ہے۔

خراسان میں کس شہر کو ناصر نے مرکز بنایا تھا اس کا اظہار نہیں کیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف امصار و دیار میں دورہ کرتا رہا اور شیخ ابو الحسن خرقانی کے مشورے سے وہ خراسان آیا تھا۔

فقہائے احناف خون ناصر کے پیاسے تھے اور اس کا سبب کیا تھا اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

الف - فقیہہ بخارا سے خطاب -

لے تذکرہ دولت شاہ سمرقندی حالات ناصر

کاں کو ردل ندر و پز رفتن پندر سوار دل دل شہباز را
 حجت ز بہر شیعیت حیدر گفت ایں خوب خوش قصیدہ غرار
 آنرا بد و بہل کہ ہی گوید من دیدہ ام فقیہ بخارا را
 از صفحہ ۱۷

چنین چوں گفتی اے حجت کہ بر جہال ایں ہست
 فرد بار دزخ شہم تو ہی اندوہ و طوفاں ہا
 صفحہ ۲۰

ب حکام خراسان پر چوٹ -
 حاکم در جلوۂ خوباں بروز نیم شبان محاسب اندر شراب
 خون حسین آں بچشد در صبح ویں بخورد ز اشتر صلح کباب
 صفحہ ۲۸

ج - فقہائے خراسان کی ہجو -
 ایں قوم کہ ایں راہ نمودند شمارا زری آتش جاوید دیلان شمارا
 ایں رشوت خواراں فقہانڈ شمارا ابلیس فقیہ ہست گر اینہا فقہانڈ
 از بہر قضا خواہن د خوردن رشوت فتنہ ہنگام در کتب سح و شہانڈ
 صفحہ ۷۰

بر سر منبر سخن گویند مرآہ باش را از بہشت و خوردن حوران ہی ز انسان کند
 صفحہ ۸۱

د - نغمہ اربعہ پر ضرب کاری -
 جملہ مقلدانین خراں کہ خداوند از پس احمد پیمبرے نفرستاد
 وانکہ تو گرد ز بو خیفہ بگردی بر فلک مہ رند لعنت و فریاد

دست بگمزد ز بو حنیفہ رسولت طرفہ تراست ایں سخن ز طرفہ بغداد
(صفحہ ۹۲) (طرفہ بغداد و خلفائے عباسیہ)

(۸) شاعروں پر حملہ
لے شعر فروشان خراساں بشاید ایں ژرف سخنہاے مرا اگر شواہد
صفحہ ۹۸

(۹) علمائے خراسان سے دود و باتیں۔
بردوغ و زنا و می خوردن روز و شب ہجو زان ناہارند
ورد و لعل نہند مال یتیم نزد ایشان غنیمت انگارند
گردست ست قول محتزلہ ایں فقیہاں بہ جملہ کفارند
صفحہ ۱۰۰

صرف ماژندران و بلغار بلکہ بلخ، نیشاپور اور ہرات کے علماء و فقہاء۔
ناصر کی تلخ گوئی اور اُس کے الحاد سے آمادہ جنگ رہتے تھے۔
بادۂ بختہ طلال است بہ نزد تو کہ تو بر مذہب بو یوسف و نعمانی
کتب حیل چوں آب ز برداری مفتی بلخ و نیشاپور و ہری رانی
ردیف الف سے یائی تحتانی تک کلیات ناصر کا مطالعہ کیا گیا۔
ناصر نے مذہبی نقطہ نظر سے گستاخی اور غوغائیاں ایسے دین
متین، علماء، فقہاء اور حکام دولت سے کی تھیں۔ ایسی حالت میں وہ
دیار خراسان میں کیونکر کامیاب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اخیر برسوں کی پریشانی
کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مستقر خراسان سے فرار ہو کر درہ میکان میں چلا آیا۔
لے خلفائے عباسیہ خود رکن شریعت تھے۔ ان کا مذہب قرآن و حدیث تھا لیکن عموماً صنفیت
کے تابع تھے، امام ابو حنیفہ کے شاگرد و رشید ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے۔ ناصر تقلید امام
ابو حنیفہ پر حیرت کا اظہار کرتا ہی۔

اور اسی جگہ سپرد خاک کیا گیا۔ اور قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت مذکور کے لیے دربار مصر سے بھی کسی اعانت کی خواہش نہیں کی گئی ورنہ کم از کم مال و دولت سے بے نیاز ہو جاتا اور فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا۔

۱۔ خانقاہ میکان میں ناصر خسرو کا قیام

مصائب آلام کا، نجوم، یاد و وطن،

گوشہ عزلت اور شاعری،

۴۴۵ھ سے ۴۸۱ھ تک ناصر خسرو کے واقعات حیات مجل میں تاہم صحیح روایات، قرائن اور اس کی تصنیفات سے اس زمانے کی تقسیم اس طرح پر ہو سکتی ہے۔

سیاحت صوبہ خراسان } ۵۱ - ۴۴۷ھ ۵ سال خدمات تبلیغ
مطابق } ۵۹ - ۶۱۰ھ

قیام میکان } ۸۱ - ۴۵۲ھ
مطابق } ۸۸ - ۶۱۰ھ

میکان کے حالات میں فسانہ آمیز روایات بکثرت ہیں اور واقعات بد غیر سند سنہ و سال لہذا ناصر کے قصاید و مثنویات وغیرہ سے مستند حالات انتخاب کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ میکان کا جغرافیہ | میکان کا رسم الخط "یم کان" (بمعنی ہزار کان) ہے کیونکہ

لے نگارستان فارس آباد و آثار البلاذق قزوینی مطبوعہ کالج ۱۳۸۸ھ

اس علاقے میں جواہرات و معدنیات کی کانیں بافراط ہیں۔
 بدخشاں کی پہاڑیاں جواہرات اور زینکینوں کے لیے عہد قدیم سے
 مشہور ہیں خصوصاً بلخش (محل کی ایک خاص قسم ہے) ضرب المثل ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے
 ہر وطن میں خاک میرے گوہر مضمون کی قدر
 محل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر
 فرہنگ انجمن آرائی ناصر کی تحریر ہے۔

یمکان قصبہ ایست از ولایت بدخشاں، بہ سمت کاشغر کہ
 مدفن ناصر خسرو است، چونکہ از جانب شیخہ اعلیٰہ براہل
 خراسان حجت بود لہذا تخلص خود کردہ تیغ دیوان از یادگار است
 شمس العلماء محمد حسین آزاد دہلوی تذکرہ نگارستان فارس میں لکھتے ہیں
 ”یمکان ایک نہایت ٹھنڈا قطعہ ہے۔ فقط دو مہینے زمین
 برف سے خالی نظر آتی ہے، نہیں تو کوہ و دشت سفید رہتے ہیں“
 اور یقین ہے کہ یہ رہائی ناصر نے دیں کہی ہوگی
 دوشینہ شبے کہ برف تاد و شتم بود زاتو چو عروس نودر آغوشم بود
 پوشیدنے بنود غیر از چشمم چیزے کہ بذیر سرہنم گوشم بود
 قزوینی نے یمکان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں مگر افسوس ہے کہ
 میری یادداشت دیک کی خوراک بن چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔

”یمکان ایک مستحکم شہر ہے اور بدخشاں کے قریب پہاڑوں
 کے وسط میں آباد ہے جس کا فتح کرنا بھی مشکل ہے، ناصر نے بلخ
 سے آکر یمکان میں عجیب و غریب عمارتیں تیار کرائی تھیں جو
 متحرک نظر آتی تھیں۔ باغ اسقدر وسیع تھا کہ تمام شب چلکر

اس کے اخیر تک پہنچے تھے۔

اور حاتم عجایبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔ بغیر ادائے اجرت
حامی خدمت کرتے تھے اور غسل کے تمام لوازمات رسانی،
آئینہ، کنگھی و صابون وغیرہ موجود رہتے تھے۔ چنانچہ یہ آثار
صدیوں تک باقی رہے۔“

انسائیکلو پیڈیا کی روایت ہے کہ ناصر نے یکان میں داعی ہونیکا اعلان کیا تھا

۲۔ ناصر یکان میں | ناصر کی خود نوشت سوانح عمری جو دیوان (مطبوعہ
ممبئی) کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس میں یکان کی آمد
کا ایک دلچسپ واقعہ ہے، جس سے ناصر کی مذہبی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔
لکھا ہے۔

قہتان سے روانہ ہو کر میں نیشاپور کی ایک مسجد میں مقیم
ہوا اور میرا ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ نیشاپور میں کوئی مجھ سے
واقف نہ تھا چنانچہ ایک دن میں سیر کو نکلا مساجد اور مدارس
میں بھی گزر رہا تو میں نے سنا کہ ہر شخص میرے نام پر لعنت
بیجتا ہے اور میں کافر و زندقہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہوں
ایک دن میں بازار کی سیر کر رہا تھا کہ ایک مصری باشندہ
نے مجھے پہچان لیا اور مخاطب کر کے کہا کہ آپ ناصر ہیں اور
یہ آپ کا بھائی ابوسعید ہے!

میں نے بھی اقرار کیا اور اس شخص کو باتوں میں لگا کر قیام
گاہ تک لے گیا اور کثیر مقدار میں سونا، طلا، دیکرا خفائے
نام کی تاکید کی اور اس ترکیب سے نیشاپور میں محفوظ رہا!

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن جو تہ گٹھوانے بازار گیا ہوا تھا، موچی اپنے کام میں مصروف تھا کہ یکایک غور بلند ہوا، موچی بھی بھاگا ہوا گیا کچھ دیر بعد دیکھا کہ ابوسعید تنہا چلا آتا ہے اور اس کے پیچھے موچی بھی سوتالی (دش) کی نوک میں ایک گوشت کی بوٹی لیے آ رہا ہے۔ حال پوچھا تو موچی نے کہا کہ ناصر خسرو کا ایک شاگرد کسی عالم سے مباحثہ کر رہا تھا۔ اس کی تقریر کو عالم نے روک دیا اور دلائل پیش کرنے کی ہدایت کی شاگرد نے اثبات دعوے میں ناصر کے ملحدانہ اشعار سنائے چنانچہ بنظر ثواب اس عالم نے شاگرد مذکور کو قتل کر دیا اور جسم کی بوٹیاں کر ڈالیں اور سب ایک ایک بوٹی تبرک کی طرح لے گئے اور دیکھو میں بھی یہ ایک بوٹی لایا ہوں۔“

یہ سننے ہی میں اپنا جوتہ لیکر بھاگا کہ جس شہر میں میر نام کے سبب سے شاگرد کا یہ حال ہوا تو میر کیا ٹھکانا ہے؟ چنانچہ ابوسعید کے ہمراہ فرار ہو کر، جنگل اور پہاڑوں میں چھپتا ہوا۔ بدخشاں پہنچا۔ یہاں مجھ کو اس قدر آرام ملا کہ میں بغداد اور مصر کو بھی بھول گیا۔ کچھ مدت کے بعد حکیم نصر اللہ مادری جو سنی المذہب اور صوفی بھی تھا وہ میرا دشمن ہو گیا اور علی بن اسد علوی سے جو بدخشاں کا فرمانروا تھا، میر قتل پر اصرار کیا۔ میں یہ خبر سننے ہی بدخشاں سے میکان چلا گیا۔ یہ سادات کی بستی تھی۔ عامل میکان نے مجھے مہانوں کی

طرح رکھا لیکن فقہائے خراسان و بدخشاں ہنوز میرے
خلاف تھے یکان کی فضا مجھے بہت پسند آئی۔ لہذا سکونت کے لیے
میں نے غار میں مکان بنایا اور گوشہ گیر ہو کر مصروف
عبادت ہوا اور پچیس سال تک یکان میں قیام رہا۔“

اسی سلسلے میں ناصر خسرو کے اشعار ذیل بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

گویدت فلاں کز چنیں سخن ہا	ماندہ است فلاں فلاں بہ یکان
منکر بہ سخن ہائے اوزیراک	ترکانش بر اندند از خراساں
نہ میر خراساں پسندد اورا	نہ شاہ بختان نہ میر ختلان
بطعہ چہ زنی مر مر ابد اں کم	از خانہ بر اندند اہل عصیاں
زیر کہ بر اندند مصطفیٰ را	ذکریت شیطان از اہل داو طان
بر نوح نبی سرزنش نباید	کو رفتہ بہ کوہ از میان طوقاں
در دین بہ خراسان کہ شست بہرین	رخسارہ دعویٰ بآب برہاں !

من شیعۃ اولاد مصطفیٰ ام

در دین نروم جز براہ ایشان

دیوان صفحہ ۲۳۹

۳۔ قیام یکان کے تاریخی اسناد | روضۃ الصغار وغیرہ کی روایت
ہے کہ ناصر مین سال تک یکان

میں رہا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ۴۵۲ھ میں وہ یکان میں داخل ہوا تھا اور
اسی جگہ ۴۵۸ھ میں فوت ہوا لہذا مستقل قیام ۲۸ سال تک قرار پاتا
ہے جو میرے نزدیک صحیح ہے اور اختلاف سنین قابل لحاظ نہیں ہیں کیونکہ
ناصر کا یہ بھی اصول ہے کہ وہ اپنی نقل و حرکت کے سنہ و سال اشعار میں

ذکر کرتا ہوں اور دو تین سال کے بعد اپنی عمر بھی ظاہر کرتا ہوں چنانچہ ایک قصیدہ میں لکھتا ہوں۔

پانزدہ سال برآمد کہ بہ میکا نم
چون و اند بہر چہ زیر اکہ بزندانم
صفحہ ۲۰۲

کائن علم و سخن حکمت میکان است تا من لے مرد خرد مند بہ میکا نم
ایک دوسرے موقع پر عمر کا اظہار اس طرح پر کیا ہوں۔

شصت و دو سال است کہ گوید ہی روز و شب ہاں در فلک ہا و نم
چشم ہی دارم ہموارہ تا کہ بود از کوفتش رستم
تو تائے باد بیامی شب روز در ایں خانہ برآمد سال ہفتاد

میکان میں پندرہ سال قیام اور ستر سال کی عمر کے بعد اور اشعار میں ملے، اس کے دو سبب ہیں یا تو بڑھاپے کی سبب سے ناصر نے شاعری ترک کر دی تھی یا موجودہ دیوان (مطبوعہ طہران) کلیات کا انتخاب ہے جس کا اخیر حصہ تلف ہو چکا ہے، کیونکہ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناصر نے پانچ دیوان یا دگ چھوڑے تھے اور جب یہ تحقیق ہے کہ ناصر، میکان میں پاؤں توڑ کر بیٹھا اور خانقاہ میکان سے اس کا جنازہ اٹھا تو ایسی حالت میں قیام میکان کی تنقید قبول ہے۔ اور سنہ رحلت ۱۰۸۸ھ قطعاً صحیح ہے۔

۲۔ میکان میں ناصر خسرو کے مصائبِ آلام | میکان پہنچ کر ناصر کو دشمنوں سے امنِ امان

ملنا چاہئے تھا لیکن میکان بھی اس کے حق میں قید خانہ بن گیا۔

شمس العلماء عالی، مقدمہ سفر نامہ میں لکھتے ہیں۔

امیر ناصر چوں از مصر مراجعت کرده باز بحر اسان (بلخ وغیرہ) رسید مردم را بخلاف مستنصر (فاطمی) و روش اسمعیلیہ دعوت میکرد اعدا قصد وے کردند خوف و ہراس برادرستیا یافت و در جبلہ از جبال بدخشاں پنهان گشتہ، بہست سال بہ آب و گیاه قناعت نمود؛ (بحوالہ روضۃ الصفا وغیرہ) اما چنانکہ ذکر کردہ شدہ از این قدر انکار نتوان کرد کہ ناصر خسرو۔ رہ آور دے کہ از مصر بر اہل وطن آورد محبت علویہ مصر بود و علی الخصوص از مناقب مستنصر باللہ سینہ و دل لبریز داشت..... بہ دعوت روش اسمعیلیہ و نشر مناقب اقدام کردہ باشد۔

پس علمائے خراسان و ماوراء النہر کہ با خلفائے بغداد غایت عصبیت داشتند و علویہ مصر را غاصب خلافت و ضال و ضل مے شمردند البتہ این صدائے غریب را گوش کردہ با حکم در آونختہ باشند و اہلئ الملک و ولایۃ عہد را بخلاف وے برانگیختہ۔

راس و رئیس مدعیان حکم (ناصر) یکے مفتی خراسان بود حنفی المذہب و دیگر حاکم بلخ کہ در اکثرے از اشعار وے روئے شکایت بالیساں است۔“

دیباچہ سفر نامہ صفحہ ۱۳ و ۱۴

یعنی زادہ جو پرو فیسر براؤن انگلشی کا شاگرد ہی۔ وہ سفر نامے کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ناصر از تمام دنیا قطع علاقہ نموده و خویشتن را بہ کلی وقف
مجادلات مذہبی کرده و یک داعی آتشین خلفائے مصر شدہ است
و لے مشاور الیہ در تصانیف خودش تا آنجا کہ بنظر ایں بے مقدار
رسیدہ بریج و جداسے از اسمعیلیہ بنزدہ بلکہ ہمیشہ خود را فاطمی و
حجت مستنصری یا حجت خراسان یا اینکه تنہا حجت مے نامد
و گوید۔

۱۔ فاطیم، فاطیم، فاطمی تا تو بہ میری ز غم لے ظاہری
۲۔ مرعظا را بخراسان منم بر سفہار حجت مستنصری

۳۔ لے حجت زمین خراسان تو ہر چند قہر کردہ غوغائی
۴۔ لے حجت علم و حکمت لقمان بگزار بلفظ خوب ستانی

بہر صورت پس از مراجعت ناصر خرم و بوطن خودش عقیدہ
جدید او کہ بایک حرارت فوق العادہ شروع بترویج وانتشار آں
کرد اصلاً برخلاف میل و مصلحت امرائے خراسان بر ضد عقائد
طائفہ علمائے اہل سنت بود و بدین جہت در انظار خوش نہ نمود
وامرائے خراسان کہ متابع ظاہری خلفائے بغداد بودند و خود را
ہنوز مولیٰ امیر المومنین نامیدند از پیشرفت لغو و رواج امر فاطمی

مصر کہ ہمال اوقات در حوائی عمان و بصرہ و سواد کم بالائی
گرفت خیلے اندیشہ داشتند و ہمیں سبب شد کہ ناصر خسرو
و بعد از مدت بسیار کی مجبور ہرک دارد و دیا ر خود گردید یعنی تعجیل
کردند و شاید تعجیل او بامر و اشارہ خلیفہ بغداد بودہ است۔ چنانکہ
یکے از شعر ہائیش اشارہ بدال کردہ و گوید۔

اے خداوند این کہو و خراسان بر تو از بندہ صد ہزار سپاس
داد من بے گماں بحق بدہی روز حشر از بنیرہ عباس
اقتباس مذکورہ کا خلاصہ یہ ہو کہ واپسی مصر کے بعد ناصر نے ایک آتشیں
بمبلی کی حیثیت سے امرار اور علما راہل سنت و بلخ و خراسان کے خلاف پرجوش
و عظیم کہا اور مجاہدانہ مذہبی میں اپنی زندگی وقف کر دی اور ایک داعی کے لباس
میں ہنمیلیہ یا فاطمیہ کے حق میں غیر معمولی طریقے سے تبلیغ کی جس کے باعث
وہ یمن میں گوشہ گیر ہو گیا۔ اور جب تک زندہ رہا اپنے مخالفین کو گالیاں
دیتا رہا اور یمن کو بجائے دوزخ کے جنت سمجھا۔

۵۔ یا دو وطن | بجائے بلخ کے اکثر و بیشتر ناصر خسرو و خراسان کو مخاطب کر کے
اپنے دردِ دل کا اظہار کرتا ہی، اور اس میں کوئی مصلحت
ضرور ہوگی۔ لیکن خراسان سے نکلنے کا اس کو مرتے دم تک افسوس رہا چنانچہ
کہتا ہی اور خود ہی دل کو تسکین دیتا ہی۔

۱۔ اگر خاک خراسان نہ پزیرفت مخور غم خوشنودی ایزد بہ از خاک خراسان
۲۔ کہ پر سدریں غریب خوار و محزون خراسان را کہ بے من حال توچوں
سلام کن زمن اے ہادم خراسان را براہل فضل و خرو را نہ عام و نادان را

لے صبا اہل خراساں کو سرا پہنچا سلام
 اہل علم و فضل ہیں اُس میں نہ جہاں و عوام
 خبر پیاور از ایشان بہن چودادہ بوسے ز حال من بہ حقیقت خبر مرایشاں را
 آکے اُن کی بھی حقیقت سے مجھے آگاہ کر
 نے چکے جس وقت جا کر ان کو یہ میرا پیام
 بکوئی شاں کہ جہاں سرور میں چو چیز کو بکر خویش خود این است کار گیہاں را
 وہ مرا بوٹا سا قد جھک کر کیا وہ ہو گیا
 گردن گردون گرداں سے پڑا بھلکوبھی کام
 نگہ کرے تاں نکند غرہ عہد و پیا نش کہ او وفا نکند بیع عہد و پیاں را
 عہد و پیاں پر زمانے کی نہ بھولو دستو
 نقض عہد اُس کی ہر عادت بے وفا ہے کاش نام
 نگہ کنند کہ در دست این و آن چو خرا بہ چند گو نہ بدید ندمر خراساں را
 اس خراساں ہی کی آخر پاتالی دیکھ لو
 آساں نے اِس سے رہ رہ کر لیا ہوا انتقام
 بملک ترک چراغہ اید یاد کنید جلال و دولت محمود زادستان را
 غرہ ترکوں کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر
 یاد ہر محمود کا تم کو جلال و احتشام؟
 کہا است آنکہ فرینو نیاں زہیب است ز دست خویش بدادند گور گوناں را
 (اہل فرغانہ)

۵ مثل فرمانروایان کو خوش رکھنے کے لئے اہل فرغانہ شاہزادوں کو خود بھی
 جاگیریں دیا کرتے تھے۔

کانپتے تھے جس کی ہیبت سے فریغونی امیر
 جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کو غلام
 چوہند را بہ ستم اسب ترک ویراں کرڈے پپائے پھلاں بسپرد خاک خٹکان را
 خاک خٹکان روند ڈالی جس کے پیل مست نے
 ہند تک پہنچا تھا جس کا توسن محشر خرام
 شمایر نیکان پیش او ہی گفتید ہزار سال فزوں باد عمر سلطان را
 تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اسکے سامنے
 مے خدائے پاک سلطان کو حیات مستدام
 پریر قبلہ احرار ز اولستاں بود چنانکہ کعبہ است امروز اہل ایمان را
 ذکر کل کا ہو کہ غزنین قبلہ حاجات تھی
 اہل ایمان کیلئے جس طرح ہو بیت الحرام
 کجاست انوں آں مرد آں بجلادجا کہ زیر خویش ہی دید برج سرطان را
 اب کہاں ہو اس کی سقو اور کہاں ہسکا شکوہ
 برج سرطان سے بھی اونچا تھا کبھی جس کا مقام
 بترس سخت سخی چو کار آساں شد کہ چرخ زود کست سخت کار آساں را
 خوف دشواری عنان گیر ہر آسانی ہوا
 اسلئے جمعیت خاطر ہی اک امید خام
 ہیں کند چو در آمد بچشم گشت زماں ز قصر قیصر او ز خانماں خاں را!
 آساں نے اختیار قیصر و غفور سے
 دولت اقبال کی پل بھر میں چھینی ہو زمام
 بر آساں ز کسوف سیہ ہائش نیست مر آفتاب درخشان و ماہ تاباں را

آسماں پر بچ نہیں سکتے گہن کے داغ سے
 اس درخسانی پہ مہر انور و ماہ تمام
 زچیز مائے جہاں ہر چہ خوار از آہند گراں شدہ شمر آں چیز خواہ از آں را
 ایک دن تقدیر گھوٹے کی بھی جاتی ہر پٹ
 آج جو رسوا ہو کل ہوگا اسی کا استرام
 میانہ کا بے باش اور پسر کمال بچوئے کہ مہ تمام نشد جز ز بہر نقصاں را
 چاند سے سیکھو کہ ہی اوسا طہا خیر الامور
 بد کریوں گھٹنا اگر پہلے ہی رہتا نا تمام
 اگر شراب جہاں خلق را جو متاں کرد تو شاں رہا کن چوں ہوشیا رستاں را
 بادہ پندار سے گراہل عالم مست ہیں
 دو رہی سے تجھ کو لازم ہی انہیں کرنا سلام
 نگاہ کہ بہ حیلست ہی ہلاک کند ز بہر پتہ نکو ط و ساں پراں را
 چونکہ ہیں طاؤس کے پردیدہ زیب و دلفریب
 کام کرتا ہو شکاری اس لیے اس کا تمام
 جہاں زمین و عن تخم و جانست دہقان بکشت باید مشغول بود دہقاں را
 ہر زمین دنیا عل ہیج اور دہقاں جاں تری
 چاہئے دہقاں کو کھیتی میں بہت ہی اہتمام
 عراکنوں کہ بہار است جہاں بجنی کہ نانکے بکف آری مگر زمستاں را
 خوشہ پینی آج کل کر لو کہ ہی فصل ریح
 تاکہ باڑوں کے دلوں میں لگے یہ سرمایہ کام

یہ واقعہ ہو کہ فقہائے خراسان نے ناصر کو بہت زیادہ بدنام کیا ورنہ وہ توحید رسالت، اور حشر و نشر کا مرتے دم تک قایل رہا اور اس کے قبل فلسفے کے اثر سے عقاید میں جو لغزشیں ہو گئی تھیں اُس سے تائب ہو گیا تھا البتہ فاطمی مذہب کا معتقد تھا اور یہی اس کا ایمان تھا چنانچہ اشعار ذیل میں عقائد کا اعلان کرتا ہے۔

بنالم بتولے قدیم و تدیر	ز اہل خراسان صغیر و کبیر
چہ کردم کہ از من رمیدہ شدند	ہی خلیش و بیگانہ بر خیر خیر
مقدم بہ فرمان پیغمبرت !	نہ انباز گفتم ترانے نظیر
ہامت رسانید پیغام تو	محمد رسالت بشیر و نذیر
نیاورد قرآن بہ پیغمبرت	مگر جبریل آں مبارک صغیر
مقرم بہ مرگ و بخت و حساب	کتابت ز بردارم اندر ضمیر

۸۔ ملح مستنصر باللہ فاطمی | ناصر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب تک زندہ ہو، امام وقت کی مداحی میں اُس کا قلم چلتا رہے گا چنانچہ قیام یحسان میں اُس نے جس قدر قصاید لکھے تھے، امیر المومنین مستنصر باللہ کی مدح میں وہ اشعار موجود ہیں جو مذہبی جذبات سے منور ہیں اور دیگر قصاید نگار شعراء کی طرح مبالغہ آمیز تعریف سے خالی ہیں۔ سنداً اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

طلعت مستنصر از فداے جہاں را ماہ منیر بہت دایں جہاں شب تار است
صفحہ ۳۶

بشآب نوئے حضرت مستنصر رہ راز فخر جز ثمرہ مسپر
آنجا ست دین و دنیا را قبلہ و آنجا ست عرو و دولت را مشعر

معروف شد بہ علم تو دین زیرِ ا
دین عود بود و خاطر تو مجسم
صفحہ ۱۲

باطلعت بہار کُ معبود اذرعہ
خالی است مشتری را در قوس طلعتش
یار ب فضل خویش تو توفیق دہ مرا
تار و زو شب بدارم طاعت بہ طاعتش
مستغفر معالی و حکمت بہ نظم و نثر
بر اقلش کہ خواند الا کہ حجتش
صفحہ ۱۰

مستغفر باللہ کہ افضل خدای است
موجود و مجسم شدہ در عالم فانیش
در عالم دین او سوئے ما قول خدای است
تو لیکہ ہمہ رحمت و فضل ست معایش
صفحہ ۱۶۰

مستغفر از خدائے دہد نصرت
زین پس بہ اولیائے شیا طینم
خورشید بیکار و قمر ساقی
لالہ سماک و نرگس پر دینم
صفحہ ۱۹۱

بر جان من چونو رامان زماں بتافت
لیل السرا بودم و شمس الضحیٰ اشدم
صفحہ ۱۹۳

ملک! امت سوئے کسے است کہ اور است
ملک سلیمان و علم و حکمت لقاں!
۹۔ خلفائے عباسیہ کی تحریک بر باد دی
ناصر کو خلفائے عباسیہ
سے کس قدر عداوت

ہمی اس کا اندازہ اشعار ذیل سے ہو گا۔

گر بہ بنید چشم تو فرزند زہرا را بہر
آفرین از جانیت بر فرزند و ہر ماور کنی
لے خداوند زمان و فخر آل مصطفیٰ
خبر کلکومت را کہ سر سوئے خاور کنی
جان اسکندر شادی سر بگرفت
گر تو فعل آپ خویش از تلج اسکندر کنی

وقت آں مدکہ دوزکین چو خاک کر بلا
آب را در دجلہ از خون عدوا مہر کنی
لے بنیرہ آنکہ زد شد در جہاں خیمہ بر
دیر بر ناید کہ تو بخداد را میسر کنی
منظر اعدا دین را بر زمین ہامون کنی
منظر خویش از فراز برج دوپیکر کنی
دشمنان را در غور کردار شاں بد ہی بدل
عدل باشد چون بر خاک خاکستر کنی
بندہ را سند بخشی پیش کاری را طراز
کہترے را بر زمین ناخواراں مہتر کنی
زیں جنیں پر زرد گوہر حیات و حجت رقا
گر تو جان و دہرین خویش را زیور کنی
صفحہ ۳۱۳

۱۰۔ گوشہ عزالت اور علم و عمل | ذیل کے قصیدے میں ناصر خسرو نے خانقاہ
بیکان میں اپنی عملی زندگی کی اس طرح
تصویر کھینچی ہے۔

تیز نہ گیر دجہاں شکار مرا
نیست دگر باغمانش کار مرا
شاید اگر نیست بر در ملکہ جز بہ در گاہ کہ دگار مرا
قیصر و سلطان کی چو کھٹ پر نہ دکھول گام مرا
میری پیشانی ہو وقف آستان کردگار
بارخو اہم سوئے کے کہ کند منت او پشت زیر بار مرا
بھول کر بھی میں نہ جاؤں گا کبھی اسکی طرف
ہاں احساں سے ہو جس کی پشت میری ہر بار
خواندن فرقان دزد و علم و عمل مونس جانند ہر جہاں مرا
زہد اور تر تیل قرآن علم اور اس کا عمل
ہیں یہ چاروں میرے ہمہ ادا میرے غم

چشم و دل و گوش ہر یکے ہمہ شب پند دہد باتن نزار مرا !
 چشم گوش و دل کاراؤں کو سن کر تا ہی وعظ
 جسم بے طاقت میرا، از بسکہ ہر شب بندہ ما
 چشم ہی گوید از حرام و حرم بستہ ہی داز زینہار مرا
 آنکھ کہتی ہر بچا مجھ کو حرام و محشم سے
 سات پردوں کی طرح تو بھی ہو میرا پردہ دار
 گوش ہی گوید از محال و دروغ راہ بکن سخت و استوار مرا
 کان کہتا ہو کہ مجھ کو لغو سے محفوظ رکھ
 جھوٹ اور غیبت نہ سننے دے مجھے تو زینہا
 دل چہ کند گوید ہم ہی زہوا سخت نگہ دار مرد وار مرا
 نفس امارہ کی گھاتوں سے ڈرا جاتا ہو دل
 اور اماں حرص وہواسے مانگتا ہو بار بار
 عقل ہی گوید ہم موکل کرد برتن بر جاننت کردگار مرا !
 عقل کہتی ہو موکل جان اور تن کی ہوں میں
 مجھ کو یہ منصب ملا من جانب پروردگار
 نیست ز بہر تو با سپاہ ہوا کار مگر حرب و کارزار مرا
 جنگ کرنے کو ہوں میں تیری طرف سے مستعد
 گر بڑھے فوج ہوا تو حرص بہر کارزار
 سر ز کسند خرد چگونہ کنم فضل خسرو داد بر حمار مرا
 عقل کے احکام سے کس طرح سرتابی کروں
 جانور ہوں میں نہ ہو دانش اگر میرا شعار

دیو ہی بست بر قطار سرم عقل بر ول کرو از قطار مرا
 نفس امارہ مجھے کرنے کو تھا بے راہ رد
 عقل نے تھامی وہیں اگر مگر دل کی ہوا
 گر نہ خود بستندے ہمارم ازو دیو کشاں کردہ بد ہمارا
 عقل میری دست گیری کرنے کرتی تنت پر
 بہوت میرے سر پہ آکر ہو گیا ہی تھا سوار
 غار جہاں گر چہ تنگ و تار شدہ است عقل پسندہ است یا ر غار مرا
 گرچہ دنیا ئے دنی کا غارتنگ و تار ہو
 کچھ نہیں ڈر مجھ کو جب عقل میری یا ر غا
 یچ ممکن ہے پر ز دہر گلہ کز فے شکر است صد ہزار مرا
 مجھ سے ہو سکتا نہیں ہرگز زمانے کا گلہ
 بلکہ مجھ کو شکر کرنا چاہئے اُس کا ہزار
 ہست بد و گشتم و زبان و سخن ہر دو بدیں گشت پیش کا مرا
 ہر زمانہ میرے نطق اور میری ہستی کا کفیل
 کی اساس دین ان دونوں سے میں نے ہوا
 پیش روم عقل بود تا بہ جہاں! کرد بہ حکمت چنیں مشار مرا
 عقل کی غمخ ہدایت رہ ناما میری بنی
 میری حکمت کا دیا دنیا میں اس لئے انتہار
 بر سر من تلج دیں نہادہ خرد دیں ہنرے کرد برد بار مرا
 میرے سر پر اُس نے رکھا دین پیغمبر کا تلج
 باہنر اس کی بدولت میں ہوا اور برد بار

چوں نہ کنم جان فدائے آنکہ به حشر آساں گردد بدوشمار مرا
 کیوں نہ میں اس پر کروں قربان اپنی جان
 جس نے آساں مجھ پہ کردی شکل روز شمار
 لاجرم انکوں جہاں شکاوت بہت گرچہ ہمیں داشت ادھکار مرا
 ایک دن وہ تھا کہ میں تھا دام عالم میں سہر
 ایک دن یہ کہ خود دنیا ہوئی میرا غکار
 گرچہ ہمیں خلق را فکار کند کردنیار دجہاں فکار مرا
 گرچہ خلقت کا دل اس کے ہاتھ سے ہویش لیش
 گر نہیں سکتا مگر مجھ کو زمانہ دل فکار
 جان من از روزگار برتر شد بسم نیاید روزگار مرا !
 مجھ پہ آلام اور مصائب کا اثر ہوتا نہیں
 اس لیے مطلق نہیں ہو مجھ کو خوف روزگار

۔ تصنیفات حکیم ناصر خسرو

مختلف تذکروں، تاریخوں، اور رسالہ ناصر خسرو کی ورق گردانی سے ثابت ہوا کہ اس نامور حکیم نے عالم شباب سے آخر دور حیات تک چھوٹی بڑی بین کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض اس کی زندگی میں (محدانہ خیالات کی بنیاد پر) تلف کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد جو باقی رہیں ان میں سے بعض شرکت کا دیانی (برلن) طہران اور تبریز سے شائع کی گئیں، اور بعض قلمی نسخے یورپ کے لائبریریوں میں محفوظ ہیں جن کی

اشاعت کا ابھی کوئی اہتمام نہیں ہوا ہے۔ اب نمبر وار ان کتابوں کی تفصیل لکھتا ہوں، جو طبع ہو چکی ہیں اور میرے پیش نظر ہیں۔

۱۔ سفر نامہ سیاحت مغرب

یہ وہی سفر نامہ ہے جو اس وقت آپ کے زیر مطالعہ ہے اور جس پر تفصیل سے تنقید ہو چکی ہے۔

۲۔ مثنوی روشنائی نامہ

خانقاہ یحکان میں گوشہ نشین ہو کر، ناصر خسرو اکثر غرور و فکر اور محاشفے میں مشغول رہا کرتا تھا، چنانچہ ایک دن یکایک افکار و خیالات سے بیدار ہو کر ناصر نے ایک مثنوی لکھنا شروع کی، اور چون کہ وہ عالم ظلمت سے نور کی طرف آیا تھا اس مناسبت سے مثنوی کا نام ”روشنائی نامہ“ رکھا۔ ۱۷

یہ مثنوی کس زمانے میں لکھی گئی، اس میں اختلاف ہے۔ مسٹر برٹش (BERTSCH) نے کتب

۱۔ سنہ تصنیف

فارسی موجودہ گو تھا (GOTHA) لائبریری کا جو کیٹلاگ (نہرست مکمل) مرتب کیا ہے، اُس کے صفحہ نمبر ۱۳ میں سنہ تصنیف ۴۲۹ھ درج ہے اور نہرست برٹش میوزیم لندن جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۰۸ میں ۴۲۹ھ درج ہے۔ لیکن یہ سال قطعی غلط ہے، کیونکہ ناصر خسرو کی ولادت صحیح روایات کے مطابق ۴۲۹ھ میں ہوئی ہے علاوہ بریں میرے پیش نظر جو مطبوعہ نسخہ برلن ہے۔ اس میں سال تصنیف ۴۲۸ھ درج ہے۔ لہذا صرف دو سال تحقیقات طلب ہیں یعنی ۴۲۹ھ اور ۴۲۸ھ پہلا سنہ تو قابل لحاظ نہیں ہے کیونکہ یہ زمانہ ناصر خسرو کی تعلیم و تربیت کا تھا اور ابھی تک اُس نے شاعری شروع بھی نہ کی تھی۔ باقی رہا ۴۲۸ھ یہ زمانہ اس کی سیاحت مصر کا ہے لہذا

۱۷ نامہ کے حالات شاعری میں بھی مثنوی کا ذکر ہو چکا ہے۔

۱۸ بعض نسخوں میں ۴۲۳ھ ہے۔

تادیلاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ حج کے بعد ہی ناصر نے یہ مثنوی لکھنا شروع کی ہوگی۔ جو زمانہ سیاحت میں ختم نہ ہو سکی لیکن یہ واقعہ ہو کہ مثنوی مذکور ایک کمرے کے اندر خانقاہ یمکان میں ختم کی ہو۔ اور ناصر ^{۱۰۴۰}۱۰۵۲ھ میں داخل یمکان ہوا تھا، اور یمکان میں جس قدر قصائد وغیرہ ناصر نے لکھے ہیں ان سب میں لفظ حجت بطور تخلص استعمال کیا گیا ہو۔ چنانچہ ناصر اس مثنوی میں بھی فخریہ لکھتا ہو۔

زحجت این سخن را یادنی دار
کہ در یکان نشستہ بادشہ دار

لہذا جو نظم لفظ حجت سے خالی ہو، وہ یکان کی پیداوار ہی نہیں ہو۔ ایسی صورت میں مثنوی روشنائی نامہ ^{۱۰۵۲}۱۰۵۲ھ یا اس کے بعد ہی تصنیف کی گئی ہو۔ اور مثنوی کی سند میں جو شعر موجود ہو۔ اس میں غلطی ہوئی ہو۔

۲۔ سبب تصنیف

کہ سقم این مبارک درکنوں	اما تم دادچندال دورگردوں
دو چشم از کارگیتی ماندہ خیرہ	شبے ہم چوں دل نا اہل تیرہ
کشادہ شب، کلین بر لشکر رو	شدہ در پردہ ہر عالم افروز
خرد در کار و چشم از کار ماندہ	ہمہ در خواب و من بیدار ماندہ
ز جام فکر جام گشتہ مخور	ہمی کردم نظر و ظلمت و نور
کہے اندر خیالات تدبیر	کہے مستغرق بحر تفکر

۱۰۵۲ھ غنی زادہ دیباچہ سفر نامہ میں لکھتا ہو۔ معلوم است کہ ناصر خسرو بعد از مراجعت از سفر مکہ ہدف تعرض پیشوا یان و علمائے اہل سنت بودہ و در عین زہد و ایامتواری بودن خود در یکان بر ضد انہا اغلب باتندی و خشنونت نوشتہ است۔
۱۰۵۲ھ از صفحہ ۳ تا صفحہ ۳۳ روشنائی نامہ۔

گئے بودم بہ مشرق کہ بہ مغرب گئے برتر ز جہرام کو اکب
 نہادم این کتاب روح پرور کشادم بر دل اہل خرد در
 بہ شعر خوب و شیریں ہاں فرایم بہ حکمت در سخن معجز نمایم
 رسیدہ جرم خور در برج ماہی گرفتہ در حل مہ بادشاہی
 کہ کردم ختم این فرخندہ دفتر بروں آوردم این پاکیزہ گوہر
 خدا داد کہ این نوبادہ بکرات زمین زا دست و اوراد این فکر است
 نہ دست پہنچ کس بر تو رسید است بحر من رئے اورا کس نہ دید است
 ناصر کہتا ہے کہ اس مثنوی کے جملہ مضامین اچھوتے ہیں۔ اور مجھ سے
 پہلے ان خیالات کو کسی نے ظاہر نہیں کیا ہے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر ایتھی نے روشنائی نامے کو شائع کیا تھا۔ اور
 آخر میں شرکت کاویانی نے ۱۳۲۲ء میں سفر نامے کے ساتھ شائع کیا۔
 اس مثنوی کی اشاعت پر علماء اس کے قتل کے دلچسپی تھے کیونکہ اس کے
 بعض مضامین عفت اید اسلام کے خلاف تھے اور ناصر نے بھی فلسفہ مادیات
 پر زیادہ زور دیا تھا مثلاً اشعار ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

ز آول عقل کل را گرد پیدا
 کجا عرش الہش گفت دانا
 گر وہی علت مینش گفتند

۳۔ در عقل کل و نفس کل

گر وہی علت اولیش گفتند

لے ایک روایت یہ ہے کہ جب ناصر خرم کے خیالات تصاید کی صورت میں یکان سے شائع
 ہونے تو اس کے ملحدانہ خیالات پر علمائے عصر نے مختلف قسم کے ۹۱ سوالات لکھ کر اس کے
 پاس بھیجے جس کے جواب میں ناصر نے مثنوی روشنائی نامہ لکھی اور اپنے مذہبی خیالات
 کا اظہار کیا۔ چنانچہ واقعات سے یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔
 لے صفحہ ۳۱۱ روشنائی نامہ۔

ز اول عقل کل چوں شد مشہر
ز یک دیگر بزادند آں دو دیگر
ز عقل کل وجود نفس کل زاد
ہی حوائی معنی خواندش استاد
بدان گر جانت با عقل آشنا شد
کہ این خواہ آں آدم چہ باشد
اگر معنی نامش باز دانی !
و راجع ملائک نام خوانی
ہم او شد فاعل افلاک و انجم
ہم او لوح و ہم او کرسی یزداں
از آں آمد فروغ عقل دہائے
ہم او کرسی را بود بجائے

اور ایک دوسرے موقع پر کہتا ہے کہ

نہ گویم صنایع ہفت چہار دوست
ولیکن عقل را پروردگار دوست
صہ مقدار آفتاب و آسمان را
بد و منسوب نتواں کرد آں را
چراگوئی ز رو لعل و جواہر
ز خاک و آب و سنگ و کرد ظاہر
نبات از گل و گوئی او بر آورد
نشاہد این جنیں او را صفت کرد
کہ روح نامیہ این کار وارد
تو عقل و جان حق دایم و پریز
گل و غمشاد بر خاک او نگارد
مکن صلیو پرستی پا و سر صیت

ان مسائل کے بعد تخلیق و فطرت انسان کے متعلق نامہ کے خیالات یہ ہیں
کہ رحم ماوریں انعقاد نطفہ کے بعد آں کی پرورش بسح سیاروں سے متعلق ہوئے
چو خون ماکہ آں اصل حیات تست
یکے فرزند حیوان و نبات تست
دگر بارہ مصفا کردہ آں خوں
وز آں خوں سفید آید بہ بیرون
و را خوانند نطفہ اہل معنی
کہ پالودہ از آں خون است یعنی
وزاں پس در شیمہ چونکما افتاد
نقندش او ستاد چرخ بنیاد

زحل یک ماہ اور اتھبیت کرد
 بشد ماہ سوم بہرام یارش
 چو از خورشید تابان زندگی یافت
 ہمہ پنجم کند زہرہ و راکار
 بہ ہفتم یار با او ماہ یاشد
 دراں زندان تنگ اندر کشاکش
 پس از نہ ماہ زاووش نجمتہ
 ازاں تاریک جا آید وریں جائے
 سرای بس، فراخ و سکن خوش
 اس مثنوی میں بھی ناصر نے پیشہ در شعرا کی مذمت کی ہو وہ ارباب

دولت کی مدح و ہجو دونوں کو برا جانتا ہے

خرد بر مدح نا اہلاں بہ خندد
 تر از خویشتن خود شرم ناید
 بیاستادن و بر خواندن او
 بمدح دہجہ کس بکشائے لب
 ز معنی جان ایشان را خبر نیست
 امیران کلام اند اہل اشعار
 کسے برگردن خرچہ رہ بسند
 کہ ہر جایت دروغے گفت ہاید
 فردر یزد سراسر آبت از دو
 مرغال خاطر مسمی طلب را
 سخن شاں جز برائے سیم و ز نیست
 خدا شاں تو بہ بد ہداز چین کارلہ

۳۔ مثنوی سعادت نامہ

شاعری کے تذکرے میں اس مثنوی کا بھی ذکر آچکا ہے۔ یورپ کے بعد

۱۔ زاووش بروزن خاموش و زازوش بروزن خامش نام کوکب مشتری (برہان قاطع)
 ۲۔ امیر المومنین منتضر باللہ فاطمی السیسی مراد ہے۔

تیسری مرتبہ بہ مثنوی ۱۳۴۱ء میں برلن سے سفر نامے کے ساتھ شائع ہوئی
ہی۔ اور اٹھارہ صفحات پر ختم ہوئی ہی۔

اس مثنوی کے مضامین فلسفیانہ مسائل اور عقاید اسماعیلیہ سے
خالی ہیں روزمرہ کی زبان میں سادہ اخلاقی امور بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً
سود خواروں کے حق میں لکھا ہی۔

ربا خوارہ ز اہل نار باشد کجا از خلد بر خور دار باشد

بود باہر عزیز اہل ربا خوار شرف دار دلبے سگ بر با خوار

چہ ایساں خواہی آنکس را کہ خواہ کہ تاناے خورد جانش بکاہد

مخو ز نانش اگر خود نفع جانست کہ گرد آوردہ خوں مہلاست

زمین و چرخ با عارند ازوے خدا و خلق بیزارند ازوے

۶ کند صد سال اگر دوزخ نشینی

نہ مالک بخشش آوردنہ خرنینی

اس مثنوی کے عنوان پر بجائے حکیم ناصر خسرو کے صرف "امیر سید
ناصر" درج ہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی عالم شباب کی یادگار ہو جو
غالباً مرو میں تصنیف ہوئی۔ شیخ سعدی شیرازی نے بوستان میں سادہ لہجہ
کا نتیجہ کیا ہی۔ اور یہ مثنوی اس قابل ہے کہ سرشتہ تعلیم کے اعلیٰ انصاب
فارسی میں داخل کی جائے۔

۴۔ زاد المسافرین

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ فرانس کے قومی کتب خانے میں موجود
تھا جس کو علامہ براؤن ٹنگلشی اور ہندوستان کے مایہ ناز فرزند پروفیسر ڈاکٹر

محمد بنزل الرحمن ایم۔ لے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (کینیڈا) نے تصحیح و تفسیر سے مزین کیا اور شرکت کاویانی (برلن) نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا۔ چنانچہ یہ نسخہ میرے سامنے ہے۔

ناصر خسرو کی تصنیفات میں یہ کتاب سب سے بڑی اور مسایل اور فلسفہ و معقولات میں لاجواب سمجھی جاتی ہے۔ سب سے پہلے اس کتاب کا نام دیوان ناصر خسرو میں نظر آیا، فخریہ کہتا ہے۔

ز تصنیفات من زاد المسافر کہ معقولات را اصل است قالوا
اگر برخاک فلاطون بخوانند شناخواندم را خاک فلاطون
چنانچہ ان اشعار کے حوالے سے کتاب کی تلاش ہوئی اور زاد المسافرین کا قلمی نسخہ مل گیا۔ اس کتاب کا نسخہ تصنیف ۱۱۵۳ھ ہے اور اسکو ناصر نے امیر المومنین المستنصر باللہ فاطمی کے نام ہدیہ کیا ہے جسکو وہ امام برحق اور خداوند زماں سمجھتا تھا۔ یہ بھی یککان میں تصنیف کی تھی اور وقت رحلت برادر عزیز عبد الجلیل کو وصیت کی تھی کہ اصل نسخہ سعید الحکام عیسیٰ بن اسد علوی فرامردائے بدخشاں کی خدمت میں بھیج دیا۔

ناصر اس کتاب کو توشہ آخرت سمجھتا تھا۔ یا یہ کہ محض بطور استعارہ یہ نام رکھا تھا چنانچہ خود بھی لکھتا ہے۔

مقصود ما از تالیف این کتاب آنست کہ در آن مقصود بیان
از آن کہ نفس چہا بر مثال مسافر است اندرین عالم داز کجا ہی

آید و کجا ہی شود و اندریں سفر زاداد چیست ؟

چنانچہ اس خیال کے مطابق زاد المسافرین بہت اچھا نام تھا۔ میرزا محمود ملقب بہ ملا غنی زادہ، مثنوی روشنائی نامہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے علاوہ بریں اشعار دیگر روشنائی نامہ بہت کہ مدلل میدانند کہ مصنف آہنارادر مواقع کہ با معارضین خود سخت مشغول مجادلہ بودہ است بہ نظم آورده و عیناً همان لحن قولے است کہ زاد المسافرین را نداشتہ (مثل)

۱۔ ہمیں است عفتا و اندر قیامت اگر چہ از خراں یا بلم ملامت
(نیز)

۲۔ زیبائی دلی بیدار شان را بجز انکار خاصان کار شاں را
بہر حال مثنویات ہوں یا زاد المسافرین ناظر نے ان کتابوں میں ہمعصرین پر دل کھول کر چلے گئے ہیں۔ اور دل کے بخار بکھالے ہیں۔
یہ کتاب فلسفے میں ہے، جو فلاسفہ یونان کی کتابوں کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس کے متعلق غنی زادہ کی رائے یہ ہے کہ۔

از مطالعہ زاد المسافرین معلوم می گردد کہ توغل زیادہ با فلسفہ
می داشتہ و اغلب کتب فلاسفہ یونان مثل سقراط و افلاطون
و ارسطائیس و فلس (فالیس رومی) وغیرہم با وقت تتبع نمود
و خود زاد المسافرین کہ تقریباً شاہکارا دست میرساند کہ ید طولی
در فلسفہ داشتہ و خود از بزرگان فلاسفہ آن عصر بہ شمار می رفتہ

۱۔ دیباچہ سفر نامہ صفحہ ۲۱۔ روشنائی نامہ صفحہ ۲۱۔ ۲۱۔ ۲۱۔ اس نام کی ایک مشہور مثنوی اور بھی ہے جو میر حسین بن عالم بن حسین غوری (متوفی ۱۰۸۵ھ) کی تصنیف ہے فہرست برٹش میوزیم میں یہ مثنوی بہ نمبر ۳۵۸۰ موجود ہے اور مسئلہ کی مکتوبہ ہے۔ ۲۔ مقدمہ سفر نامہ صفحہ ۱، مطبوعہ برلن۔

نامیدہ شدہ ہست“

عنی زادہ نے حکمائے یونان میں صرف تین فلسفیوں کے نام لئے ہیں۔ جو حقیقت میں ارکانِ فلسفہ تھے۔ چنانچہ فلسفہ یونان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ اس فلسفے کا بانی حکیم تھیلز (طالیں) تھا جو مسیح علیہ السلام سے ۶۲۰ سال قبل پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم پائی تھی۔ اس کا مذہب تھا کہ تمام اشیاء پانی سے پیدا ہوئی ہیں فلسفہ یونان کا یہ سلسلہ ۵۲۲ء تک قائم رہا اور پھر اس میں متعدد شاخیں پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ ان حکما میں سقراط افلاطون، ارسطاطالیں نہایت نامور فلسفی گزرے ہیں۔

یہ فلسفے کا باپ مشہور ہوا اور اس کے پیش قیمت لکچر رسائل کی صورت میں ہنوز یادگار ہیں جن کے عربی تراجم بھی موجود ہیں۔

۱۔ سقراط متوفی ۳۹۹ ق۔ م | اپنے استاد کی رحلت پر مصر جا کر شاگردانِ فیثاغورث

سے بھی تعلیم حاصل کی اور ایک نئے فلسفے کا موجد قرار پایا۔ مصر سے واپسی پر ایتھنز میں دارالعلوم قائم کر کے فلسفے پر لکچر شروع کئے۔ اُس نے فلسفے کے علاوہ دیگر علوم فنون میں بھی کتابیں تصنیف کیں۔ جو عربی میں ترجمہ ہو چکی ہیں یہ حکیم کتاب کے مطالب کو جان بوجہ کر نہایت ادق اور پیچیدہ عبارت میں لکھتا تھا اور اسی وجہ سے خود یونانیوں نے مطالب میں غلطیاں کی ہیں لیکن یونانیوں پر حکم ثانی ابو نصر فارابی کا یہ احسان عظیم ہے کہ اُس نے افلاطونی فلسفے کو صحتِ خوبی سے حل کیا۔

۲۔ ارسطاطالیں المتولد ۳۸۴ ق۔ م | یہ حکیم افلاطون کا شاگرد تھا

متاخرین میں ارسطاطالیس امام الفلسفہ تھا۔ علمائے اسلام نے اس کے فلسفہ کو بہت پسند کیا اور غالباً منجملہ دیگر سبب کے اس اعتنا کا یہ سبب تھا کہ فلسفہ ارسطاطالیس، فلسفہ اسلام کے حامل تھا۔

یہ حکیم توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، حشر و نشر، عذاب و ثواب کا قائل تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس نامور حکیم کے جملہ تصانیف کو عربی قالب میں ڈھالا جس سے اہل یورپ اب تک مستفید ہو رہے ہیں۔ ارسطاطالیس کے شاگرد، خدا کی ذات و صفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں مانتے تھے۔ ستاروں کو روحانی اجسام تسلیم کرتے تھے اور خدا کے مدبر عالم ہونے کے قائل تھے شرح حکمت الاشراق مصنف ابو نصر فارابی میں استاد اور شاگرد کے فلسفہ جمع آرا، کو دیکھنا چاہیے۔ الغرض مامون الرشید عباسی کی خلافت تک علمائے اسلام ان ارکانِ ثلاثہ کے فلسفے سے واقف ہو چکے تھے۔ ناصر خسرو نے اصل یونانی اور تراجم سے استفادہ کیا تھا۔ جس کی تصدیق مضامین زاد المسافرین سے ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ناصر نے اپنے نفسیاتی خیالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن یہ مضامین منتشر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک مضمون کے لئے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ وہ ایک خاص مذہب کا داعی تھا، لہذا اپنے خیالات کو حسب موقع بیان کر جاتا ہے۔ تاہم طرز بیان اس درجہ صاف ہے۔ کہ اس کا تعلیمی مقصد کہیں فوت نہیں ہوتا ہے۔

بحث نفس کلی | مکمل بحث تو زاد المسافرین میں ہے، لیکن مغربی روشنائی بہت اور دیوان میں بھی جملہ اظہار خیال کیا ہے۔

۱۔ بمیدان حکمت بر سہب فصاحت مکن جز بہ تنزیل و تاویل جلال

لے تفصیل تراجم کے لئے طبقات ابن ابی اصبہ دیکھنا چاہیے۔

- ۲۔ مددیابی از نفس کلی بہ حجت کہ جوئی بدل نصرت اہل ایمان
 ۳۔ نہ بینی کہ پولاد را چوں بسترد چو صنعت پزیر در حداد سولہاں
 ۴۔ ترانفس کلی چو لشناسی اورا نگہ دارد از جہل و عصیان و نسیاں
 ۵۔ ہر انسان کہ زنجیں گل و یاسیں را نشانہ ہست دہقان بر طراف بستاں
 ۶۔ زروسیم و گوہر شد ارکان عالم چو پیوستہ شد نفس کلی بہ ارکان
 ۷۔ اگر جاں نہ بودے پیسیم وز راندر

بصد من درم کس ندانے یکے ناں

زاد المسافرین کی اشاعت میں پروفیسر بذل الرحمن ہندی کی عالمانہ کوشش کا ذکر ہو چکا ہو لیکن کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر موصوف کے چھوٹے بھائی پروفیسر معتضد ولی الرحمن ایم اے استاد نفسیات جامعہ عثمانیہ نے سالہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۳ء میں نفسیات ناصر خسرو پمفصل تبصرہ کیا ہے جو فلسفہ قدیم و جدید پر مشتمل ہے۔ ارباب شوق اسے مطالعہ فرمائیں۔

۵۔ وجہ دین | ناصر خسرو کی یہ کتاب علم الفقہ میں ہے، جس میں مذہب اسماعیلیہ کے مطابق وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں

مسائل حل کرتا ہے جس کا اصطلاحی نام، تنزیل اور تاویل ہے اس کتاب کا سنہ تصنیف تحقیق نہیں ہوا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ واپسی حج کے بعد جب وہ یمن میں گوشہ نشین ہوا ہے، اسی زمانے میں یہ کتاب بھی لکھی گئی ہے اور بغیر کسی شک و شبہ کے ”وجہ دین“ ناصر ہی کی تصنیف ہے۔ کیونکہ دسویں صدی ہجری کی بعض تصانیف (بیان الادیان) میں وجہ دین کا حوالہ موجود ہے اور مزید ثبوت یہ ہے کہ اس کتاب کے دو فلسفی نسخے بخارائے قدیم سے حاصل ہوئے ہیں (اسماعیلی فرقے کے اکثر انشخاص اس ملک میں پائے جاتے ہیں) اور ایک روسی عالم

ملہ مختصر مقدمہ کتاب وجہ دین - صفحہ ۲ مطبوعہ برلن۔

نے یہ نسخے بخار سے لاکر کتب خانہ پڑوگراڈ میں داخل کئے ہیں اور انہیں نسخوں سے صحت کر کے خیریت کا دیانی نے ۱۳۴۲ھ میں یہ کتاب شائع کی ہے۔

اور اس کتاب کی صحت کی مزید دلیل یہ ہے کہ اس کی عبارت زاد المسافرین اور سفر نامے سے ملتی ہوئی ہے۔ اور جو اصحاب ناصر کے طرز انشاء سے واقف ہیں وہ ایک صفحہ پڑھ کر وجہ دین کی صحت تسلیم کر لیں گے یہ کتاب کیا دن گفتار (اقوال) پر ختم ہوئی ہے۔ اور ہر گفتار (قول) میں ایک مذہبی مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور ناصر نے دیباچے میں لکھا ہے کہ ”وجہ دین میں اکاون گفتار کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ مسلمان دن رات میں جو نمازین پڑھتے ہیں ان کی رکعات کی تعداد بھی اکاون ہے۔ اور اس کتاب سے ان کو ہر عمل شرعی کی تاویل ظاہر ہو جائے گی متوسط تقطیع کے ۳۰۴ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔

منجملہ کیا دن مقالات کے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ پر ناصر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اکثر عقائد اسلام کے خلاف ہیں لہذا ایسے مضامین کافی زمانہ شائع کرنا باعث فتنہ و فساد ہوگا۔ شایقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

ناصر کی نشر نگاری کا کوئی مکمل نمونہ | ناصر خسرو کی انشاء کا نمونہ (باستثنائے چند سطور سفر نامہ) اس وقت تک پیش نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا وجہ دین سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس نے علاوہ طرز انشاء کے یہ بھی واضح ہوگا کہ فقہ کے مسائل کو وہ قرآن و حدیث سے کیونکر اخذ کرتا ہے۔

گفتار سی و ششم، اندر تاویل واجب طاعت

امام زمان و بیان آل

گوئیم بتوفیق خدای تعالی که مردم گوهریست لطیف بر خسته
 هر گوهر کثیف و مرکب است از دو عالم محسوس و معقول . یک
 جسم مردم که دیدنی و شنودنی است و دیگر نفس مردم که دیدنی
 و شنودنی نیست . و جسم مردم که دیدنی و شنودنی است همی
 ساخته نشود مگر بسیا بنحی و هم جنس که او سوم ایشان است
 که آن پدر و مادر اوست پس لازم (آید) که آن گوهر
 لطیف که با این گوهر کثیف جفت است اندرین کالبد آراسته
 و ساخته نشود مگر بدو هم جنسی که او سوم ایشان است چون جسم را
 تمامی اندر آن بود که بخورشهای این جهانی برسد از لذات جمائی
 بسیا بنحی پدر و مادر گفتیم که تمامی نفس نیز اندر آن باشد که او
 بلذات عالم روحانی برسد بسیا بنحی پدر و مادر نفسانی پس
 بحکم ضرورت اثبات شد مر نفس مردم را از پدری و مادری
 هم چنان که جسم مردم را از پدر و مادر چاره نیست و چون پدر جسمانی
 مردم فایده دهنده بود و مادرش فایده پریرنده بود گفتیم که پدر روحانی نیز فایده
 دهنده باشد پس گفتیم که آن پدر دینی که او مر نفس مومن را بجل پدر است
 رسول است صلی الله علیه و آله و سلم و آن مادر دینی که او
 مر نفس مومن را بجل مادر است وصی اوست و تنزیل ناطق
 مر صورت نفسانی مومن را بر تبه نطفه پدر است و تاویل صی مر آن

صورت نفسانی را بر تبت نطفہ مادر است و بفرز آمدن دو
نطفہ جسمانی برآ راستہ صورتے پدید آید مر عالم جسمانی را و گواہی دہد
بر دوستی این حال گفتار رسول علیہ السلام کہ گفت انا و انت
یا علی ابواکم المومنین۔ گفت یا علی من و تو پدر و مادر مومنانم
و استوار کرد مرا این خبر را قول خداے تعالیٰ کہ گفت النبی
اولی بالمومنین من انفسہم و از واجہ امہاتہم گفت
پیغمبر من را و از تراست بگردیدگان از نفسہائے ایشان بدیشان
و زنان او مادران ایشانند و چون زنان پیغمبران مادر مومنان
باشند پیغمبر پدر ایشان باشد چنانکہ رسول علیہ السلام گفت
الارض اکمکم و بھی بکم برآ یعنی زمین مادر شماست و او
به شما نیکو کردار است پس بحکم این حدیث درست شد کہ
رسول آسمانست و او پدر است مومنان را از بہر آنکہ زنان
پیغمبر را خداے تعالیٰ مادر مومنان گفت و پیغمبر گفت مادر شما زمین است
پس درست شد کہ رسول آسمان است و پدر است و زنان او مثل
زمین اند و مادر مومنانند نیکوئی کہ باشند و نیکوئی جز از خود منداں
نیاید و اگر بیاید مرا آنرا نیکو گویند۔

اس کتاب میں جس قدر ابواب، میں اور ان میں جن آیات قرآنی اور

طہ این حدیث این طور کہ در متن است از حیث عبارت بسیار نیک و از اسلوب عرب بہ
کلی دور و نحو غلط یا ضعیف است چہ اضافت و مضاف بیک مضاف الیہ باہج جائز نیست
و مشہور نزد شیعیہ متن این حدیث اس طور است ۳ نا و علی ابواھلہ الامۃ“

(از دیباچہ نگار وجہ دین)

۳۔ این حدیث باندک اختلاف در نہایا ابن اثیر و لسان العرب را مدہب دندکور است

احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان سب میں تاویل سے کام لیا گیا ہے اور یہی ناصر کا دین اور ایمان ہے۔ وہ ہر آیت سے پیغمبران ناطق ایسے مجاہدانہ و داعیانہ مذہب کا وجود ثابت کرتا ہے اور جملہ مسائل میں ناصر کا طرز تحریر فلسفیانہ ہے۔

۶۔ دیوان عربی ناصر کا ایک بھی عربی شعر کسی تذکرے میں درج نہیں ہے۔ اگر وہ دیوان فارسی میں عربی دیوان کا اشارہ نہ کرتا تو پھر عربی کلام کا ثبوت بھی مشکل تھا۔ چنانچہ دیوان فارسی میں اشعار ذیل قابل لحاظ ہیں۔

- ۱۔ بخوان ہر دو دیوان من تا بہ بینی یکے گشتہ باغ نصری بختی را
 - ۲۔ اشعار بیارسی و تازی بر خواں دیدار یادگارم
 - ۳۔ نظم سخن را خداوند گہاں دل غصری داد و طبع جریرم
- ناصر جریر اور بختی کو اپنا مد مقابل سمجھتا ہے۔ لہذا اس دعوے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کا عربی کلام کس پائے کا ہوگا؟

۷۔ دیوان فارسی ناصر کی وصیت کے مطابق یہ دیوان جہاں شاہ بن کیو حاکم بیکان کے پاس ہدیہ روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ مسائل حکمت و فلسفہ سے مالا مال ہے غزل ایک بھی نہیں ہے۔ لہذا تمام دیوان عاشقانہ جذبات اور موسیقی کی چاشنی سے خالی ہے۔ لوزخیز ایرانیوں کے لئے ناصر کا کلام مونگ کی ابالی کچھڑی کے برابر ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جملہ قصاید ایسے اظہار اور امیر المومنین مستنصر باللہ کی مدح میں ہیں اور کسی بادشاہ کی شان میں ایک رباعی یا قصیدہ بھی نہیں ہے۔ اور چونکہ ناصر فاطمین مصر کا داعی ہے۔ لہذا اکثر

قصاید میں مذہبی عقاید اور اس کا فلسفہ بیان کرتا ہے اور دیوان میں اس قسم کے جو مسایل ہیں اُس کی تفصیل زاد المسافرین میں ہے۔

مشرقیں یورپ میں سے جو ہل کی رے کے مطابق شاعری کو گوشہ نشینی کا ثمرہ سمجھتے ہیں وہ ناصر کے دیوان کو غور و فکر سے مطالعہ کرتے ہیں کتب متذکرہ کے علاوہ جو دوسری کتابیں ناصر خسرو سے منسوب ہیں اور ان کے قلمی نسخے یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۸۔ المستوفی | فقہ میں یہ بڑی کتاب تھی جو جج کے بعد ہی تصنیف کی گئی تھی لیکن ناصر کے حیات ہی میں فقہار کے مجبور کرنے پر نذر آتش کر دی گئی۔

۹۔ کسیر اعظم | صاحب آتش کدہ آذر نے لکھا ہے کہ یہ کتاب فلسفے میں ہے اور سرگزشت ناصر کی صراحت کے مطابق منطق اور حکمت میں ہے۔

۱۰۔ قانون اعظم | یہ کتاب سحر اور علوم فوق الطبیعیہ میں ہے ناصر نے وصیت کی تھی کہ یہ کتاب اس کے چچا زاد بھائی منصور کے پاس روانہ کر دی جائے۔

۱۱۔ دستور اعظم | یہ کتاب بھی فقہ میں تھی جو حسب وصیت قاضی نصر اللہ بدخشی کے پاس ہدیہ بھیجی گئی، رضا قلی خان نے تذکرۃ مع الفصحا میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ تفسیر القرآن | سرگزشت ناصر میں لکھا ہے کہ ”شاہ ملاحدہ (ماژندران) کے حکم اور جان کے خوف سے عقاید سہیلیہ کے

مطابق یہ تفسیر القرآن لکھی گئی تھی اور اس کی دو تین نقلیں بھی شایع ہو چکی تھیں۔“

لیکن تاریخی نقطہ نظر سے یہ واقعہ محض غلط ہے۔ زمانہ مابعد میں اس کتاب کا فرضی اضافہ اُس کی تصنیفات میں کیا گیا ہے جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ناصر کے زمانے میں بمقام ماژندران، ملاحدہ کی کوی حکومت قائم نہ تھی بلکہ ناصر کی رحلت (۸۳۳ھ ہجری) پر ۳۸۵ھ میں حسن صباح نے قلعہ الموت (نواح گیلان) میں ایک شان دار حکومت قائم کی تھی۔ اور علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث نے جو حسن صباح کے جانشینوں میں تھا۔ علامہ نصیر الدین محقق طوسی کو قلعے میں مہمان رکھ کر اپنے عقاید کے مطابق ایک تفسیر لکھوائی تھی چنانچہ پروفیسر براون نے کامل تحقیقات کے بعد لکھا ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ روایت اس واقعے کی مسخ شدہ صورت ہے جو حقیقت میں حکیم نصیر الدین طوسی مشہور ہنیت دان کو پیش آیا تھا۔ یعنی اسے ملاحدہ نے بہ جبر اپنا مہمان بنایا تھا اور نصیر الدین نے اپنی کتاب اخلاق ناصری فرقہ حشاشین کے آخری سردار رکن الدین خورشاہ کے نام سے معنوں کی تھی چنانچہ اخلاق ناصری کے بعد کی اشاعت میں وہ اس واقعے کے لحاظ سے معذرت بھی کرتا ہے۔“

میری تحقیقات کے مطابق بھی یہی صحیح ہے۔ کیونکہ علامہ نصیر الدین - علاء الدین مذکور کے عہد (۶۱۶ھ لغایت ۶۵۲ھ) میں داخل قلعہ ہوئے تھے اور رکن الدین خورشاہ کے زوال حکومت (۶۵۴ھ) پر قلعہ الموت سے نکل کر وطن کو روانہ ہوئے تھے۔

لے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب نظام الملک طوسی تذکرہ حسن بن صباح۔

۱۳۔ **بستان الحقول** | اس کتاب کا دوسرا نام بستان الحقل بھی ہے۔
 زاد المسافرین (صفحہ ۳۴۹) میں ناصر نے اس
 کتاب کا ذکر کیا ہے مستشرقین یورپ اور سالنامہ پارس کی روایت ہے کہ یہ کتاب
 بھی مفقود الاثر ہے۔

۱۴۔ **نحوان احوال** | مسجد اباصوفیہ (استنبول) کے کتب خانے میں اس کتاب
 کا ایک نسخہ بہ نمبر ۱۷۷۸، درج فہرست ہے جو ۱۲۵۶ھ کا
 خطوطہ ہے۔ اور غالباً یہ نسخہ بھی بلحاظ نوعیت فرد ہے۔

۱۵۔ **دلیل المتحرین** | ناصر کی کسی تصنیف میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن بعض
 تذکروں میں یہ نام ہے اور ایک مستشرق روس کو اس کا
 ایک نسخہ ناحیہ شنگان (بخارا قدیم) میں ملا ہے جو کتب خانہ سنینٹ پیٹرس برگ میں
 داخل ہے۔

۱۶۔ **رسالہ در علوم یونان** | یہ رسالہ علوم یونان پر تھا جس کو عبد الجلیل
 نے ناصر کی اجازت سے جلا دیا تھا۔

۱۷۔ **رسالۃ الندامہ فی زاد القیامہ** | یہ رسالہ ذات القیامہ کے نام سے
 بھی مشہور ہے۔ آزاد دہلوی تذکرہ
 نگارستان فارس میں لکھتے ہیں کہ نواح یککان میں تین کتابیں ذات القیامہ،
 مجموعہ فضاہ اور اشہار پائی جاتی ہیں۔ (آخر نام قطعاً غلط ہے) تقی الدین محمد
 قاجا نے روسی ترجمے کے ساتھ یہ رسالہ شائع کیا ہے۔ دوٹری روایت یہ ہے
 کہ عربی سے فارسی میں اس رسالے کا جو ترجمہ ہوا ہے وہی سرگزشت ناصر خضر ہے۔

۱۸۔ نگارستان صفحہ ۲۹ مطبوعہ لاہور۔

۱۹۔ سالنامہ پارس مطبوعہ ۱۳۱۳ھ

۱۸۔ کنز الحقائق | یہ رسالہ بھی مذہبی تحقیقات میں ہے۔ اکثر تذکروں میں اس کا نام آیا ہے۔

۱۹۔ آفاق نامہ | یہ رسالہ تصوف میں ہے۔ اور صرف سالنامہ پارس میں اس کا ذکر ہے۔

۲۰۔ رسالہ سرگزشت ناصر خسرو | اس رسالے پر تفصیل سے ابتدائی اوراق میں بحث ہو چکی ہے۔

۸۔ ناصر خسرو کی وفات

تاریخ اور تذکروں میں ناصر خسرو کے سنہ ولادت میں جب قدر اختلاف ہے، اس سے زیادہ سنین وفات مختلف فیہ ہیں لہذا ان اقوال کا نقل کرنا ہی بیکار ہو البتہ جس طرح سنہ ولادت کا فیصلہ اس کے دیوان سے ہوا، اسی طرح سنہ ولادت کی بھی تنقید کی جائیگی۔

اس کے قبل لکھا جا چکا ہے کہ ناصر سنہ ولادت اور سنہ وفات | اس کی ولادت ۳۹۲ھ میں ہوئی ہے اور

مستشرقین یورپ نے تقویم التواریخ کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ وہ ۳۸۸ھ میں فوت ہوا، اس حساب سے ناصر کی عمر ۸ سال قرار پاتی ہے۔ اور بقیہ دایا ۱۲۵ یا ۱۲۰ سال کی محض غلط ہیں۔

ایک خاص اصول | ناصر کی عادت ہے کہ وہ اپنی زندگی کے سنین کو مسلسل بیان کرتا ہے چنانچہ جب اس کی عمر ۸ سال کی ہو گئی تو اشعار ذیل لکھے۔

بس کن آن قصہ رباب کنوں | زرد و نالاں شہی چو رود و رباب
چوں نہ بینی کہ مے بدر ندت | طبع و حرص و خوئی بد چو کلاب

پس خویش کشید پنچہ سال برامید شراب و آب شراب
گر نئی مست وقت آں آمد
کہ بدانی شراب راز شراب

اس دور کے بعد جب بڑھاپے کا آغاز ہوا تو حسرت سے کہتا ہوں
شصت بار آمدہ نور و زمر جہاں جن ہاں نیست اگر شش صد بار آید
اور جب ساٹھ سال سے کچھ اور زیادہ عمر ہو گئی اس وقت یہ شعر کہا
بآب پسند باید ششست دل را چو سالت برگزشت از شصت از آند
اس کے بعد ۶۲ سال کے بھی مختلف اشعار ہیں اور اس اخیر عمر کے بعد خانقاہ
بیکان میں وہ مسلسل پندرہ سال مقیم رہا جس کا تذکرہ حالات بیکان میں
ہو چکا ہے چنانچہ اس تفصیل کے مطابق ناصر کی عمر ستر سال کی ہوتی ہے لیکن
یہ تاریخی فیصلہ کہ بیکان کے داخلے کے بعد پھر ناصر خانقاہ سے باہر نہیں نکلا
لہذا بمثلہ ۸ سال کے صرف دس سال کی تصدیق دیوان سے نہ ہو سکی
چنانچہ اس کا وہی جواب ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یعنی یا ضعف پیری کی وجہ سے
ناصر شاعری سے تائب ہو گیا تھا یا دیوان کا آخری حصہ تلف ہو چکا ہے۔ لہذا
۸۸۳ھ میں اس کا فوت ہو جانا یقینی ہے۔

تجہیز و تکفین کا فسانہ | ناصر خسرو کی تجہیز و تکفین کے جو حالات سرگزشت
ناصر میں درج ہیں وہ عجائب پرستی کا ایک دلچسپ
مجموعہ ہیں۔ چنانچہ یہ روایت اس طرح شروع ہوئی ہے کہ ناصر نے اپنی موت سے

لے اند کے "قدس زاید" مراد ہو۔ اور بعض اوقات ۳ سے ۹ سال کی مدت شمار کی جاتی ہے۔
سے مذہبی عقاید و خیالات کے علاوہ جو حصہ جنہ (جمع جن) اور ما فوق الفطرت واقعات سے متعلق
ہو وہ سب فرضی اور الحاقی ہے جس کو دور حاضرہ کی تحقیقات نے غلط ثابت کیا ہے۔ خصوصاً غار
بیکان کے اندر سے خانقاہ اور قبر کا غائب ہو جانا۔

ایک دو روز قبل اپنے چھوٹے بھائی خواجہ ابوسعید کو بلا کر حسب ذیل تقریر کی۔
 برادر م سید! حق سبحانہ تعالیٰ قادر مطلق ہو اور تمام صفات
 کمال سے موصوف ہو اور اس کی ذات زوال و نقصان سے
 منزہ ہو۔

آسمانی کتابیں اور ملائکہ برحق ہیں، حشر اجساد اور
 یوم الحساب بھی برحق ہو اور خدا جو نیات و کلیات کا خالق ہو
 جبریل امین کا وحی لے کر آنا اور میدان قیامت میں
 اعمال کی جانچ ہونا اور صراط مستقیم کا قلم ہونا بھی سچ ہو۔
 اور عذاب قبر بھی مسلم ہو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فضل انبیاء ہیں اور خلق
 راشدین میں میرے بزرگوار علی بن ابی طالب علیہ السلام سب
 اکرم، فضل اور اشجع (بڑے بہادر) ہیں برادر عزیز! ہاتھ
 غیب آواز دے رہا ہے کہ میری عمر میں اب صرف ڈیڑھ ماہ دن
 اور باقی ہے۔ لہذا یہ میری مدد کا وقت ہے خدا سے دعا کر کہ وہ میری
 مغفرت کرے۔

مجھے اپنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقات مجاہدات پر ذرہ
 برابر بھی بھروسہ نہیں ہے۔ اور نہ میں ان اعمال پر مغرور ہوں اب
 تو صرف رب العالمین سے امید ہے کہ وہ مجھے نہ تو ضائع کرے گا
 نہ میری آبروریزی کریگا۔ کیونکہ خود اس کا ارشاد ہے: ﴿كَانَ نَفِیْعٌ
 أَجْرُ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ اور میں اعمال حیات میں ایمان
 سب سے بالاتر ہے۔

برادر عزیز! جب میری روح قالب سے پرواز کر جائے اور جب تک تو اپنے ہاتھ سے غسل نہ دے چکے، اس وقت تک میری موت کا اعلان نہ کرنا اور میری قبر اسی غار (کوہ یکان) کے اندر بنانا اور یہ بھی یاد رکھ کہ جس وقت تو گورکھی میں مصروف ہو گا اس وقت دو نفر جن (جو عالم فاضل بھی ہیں) تیرے پاس حاضر ہوں گے وہ ہر متم کی امداد کریں گے تو ان سے کسی متم کی مخالفت نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ہر مصیبت میں رفیق کار ہوں گے اس کے بعد یکان کے عمار، فضلا، اور عوام کو میری موت سے آگاہ کرنا نماز جنازہ کے بعد جب سب لوگ چلے جائیں تو میری میت کو جنوں کی مدد سے قبر میں اتارنا اور عجز و انکسار سے بارگاہ خداوندی میں عرض کرنا کہ ”اے میرے مولا! تیرا گناہ گار بندہ در دولت پر حاضر ہو۔ اُس پر اپنی رحمت نازل فرما اور قبر میں اتارتے وقت کہنا جِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ اللّٰهِ وَعَلٰی اَمَلْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ“ اس کے بعد قبر کو بند کر دینا۔

برادر عزیز! تجھیز و تکھین کے بعد فوراً یکان کی سکونت ترک کر دینا۔ اور جانے سے قبل غار کے دروازے پر ۱۳۰۱۳ (سینہ در سینہ) کا نقش کھینچنا اور یہ شیشہ جویں تیرے سپرد کرتا ہوں، اس میں سے تھوڑا پانی لیکر دروازے پر چھڑک دینا اور غیشہ تولد النبا اس وقت تجھ کو قدرت خداوندی کا کرشمہ نظر آئے گا۔

ابوسعید کہتا ہے کہ وصیت کے بعد ناصر نے ایک لمبی مناجات

شروع کی، جب وہ خاتمے پر پہنچی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
 تَوَكَّلْتُ عَلَىٰ رَبِّ السَّمَاءِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ
 میں نے بھی کئی مرتبہ ان کلمات کا اعادہ کیا اب میں اس امید
 میں تھا کہ غیب کے واقعات مشاہدہ کر دوں گا۔ لیکن بھائی جان!
 مناجات کے بعد خاموش ہو گئے اور میری طرف مطلق التفات
 نہیں کیا، کیونکہ اب اُن پر عالم نزع طاری تھا۔ موتیوں کی طرح
 پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا اور آنکھیں بند ہوتی جاتی
 تھیں کہ اسی حال میں ناصر نے پھر آنکھیں کھولیں اور ایک تہقہ
 لگایا اس کی بے ساختہ ہنسی سے میں بہت مسرور ہوا اس کے بعد
 ناصر نے میری طرف شفقت آمیز نظروں سے دیکھا جیسے کوئی
 عاشق اپنے محبوب کو دیکھتا ہو۔ پھر کلمہ طیبہ پڑھا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلَىٰ وَثْقِ اللَّهِ" پھر اس کی آنکھوں سے آنسو
 جاری ہو گئے ہیں۔ غور سے دیکھا تو روح تن سے جدا ہو چکی ہو
 یہ حال دیکھ کر میں بے ہوش ہو گیا، کچھ وقفے کے بعد جب ہوش
 آیا تو وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین میں مصروف ہوا، اور وہ
 تمام واقعات رونما ہوئے جن کی برادر مرحوم نے اطلاق دی تھی
 چنانچہ بعد فراغ تجہیز و تکفین، میں بھائی کی قبر سے لپٹ کر خوب

لے عجائب خانہ لندن میں ہم مستنصر باللہ کچھ ریشی کپڑوں کے ٹکڑے لے لیے ہیں اُس میں ولی اللہ کے
 بعد صل... مستنصر باللہ امیر المومنین۔ صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الاکرامین بطاہرین
 وانبیاء الملتظرین کے الفاظ موجود ہیں جس ظاہر کو کہ آئینہ سلف کے بعد ان پر درود پڑھا جاتا تھا۔
 رائل ایشیائی کالج لندن مطبوعہ اپریل ۱۹۷۹ء لندن

رویہ اور نصحت کے وقت غار کے دروازے پر تیرہ کا نقش
کندہ کیا اور شیشے سے پانی چھڑک کر اسی جگہ نشہ توڑ دیا اس
وقت مجھے نظر آیا کہ گویا صبح صادق کا وقت ہے۔

غار کا دروازہ نظر سے اوجھل ہو گیا اور پہاڑوں کی قدرتی
دیوار نے قبر کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

یہ دلچسپ کہانی ناظرین کی تفریح کے لئے لکھی گئی ہے اور صحیح واقعہ یہ ہے جو جس علما
محمد حسین آزاد دہلوی کے الفاظ میں تحریر کیا جاتا ہے۔

راقم نے سفر بدخشاں (۱۸۸۵ء) میں ناصر کی قبر کو خود جا کر دیکھا
ایسی دلچسپ اور دل فرما جگہ کہ وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا
فیض آباد دار الخلافہ بدخشاں سے یہ مقام دو منزل کنارہ جنوب
و مشرق میں ہے۔ یہ علاقہ میکان کہلاتا ہے، جہاں ناصر کی اولاد
نوجود ہے اہل بدخشاں اور دور دراز ملکوں کے لوگ ناصر سے بہت
اعتقاد رکھتے ہیں اور خود بادشاہ وقت نقد و جنس گھوڑے

غیرہ (قبر پر) نذر چڑھاتا ہے۔

ناصر خسرو کو فوت ہوئے آج تک آٹھ سو اٹھتر سال گزر چکے اور پہنوز اس
کی قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔ آزاد کی غیبی شہادت کے بعد روایت مذکورہ بالا
کی غلطی ظاہر ہوئی اور میری رائے میں یہ مخصوص روایت (قبر کا غائب ہو جانا)
سرگزشت ناصر خسرو میں الحاقی ہے، کیونکہ اس عہد میں بزرگان دین اور صوفیائے
کرام کے حالات میں خرق عادت اور کرامات کا لکھنا لازمی تھا۔

حَایِثَہ

شبِ فِت حدیثِ مابیاں نرسید
شبِ راجہ گنہ حدیثِ مابو دراز

حکیم ناصر خسرو علوی، اخیر چوتھی صدی ہجری کی معدنی پیداوار میں ایک درخشاں اور بے بہا کوہ نور تھا، یہ وہ دور تھا کہ حکیم ابو علی سینا کے فضل و کمال کا آفتاب بڑھاپے سے خراسان میں مائل بہ غروب تھا۔ اور ناصر عالم شباب کی منزلیں طر کر تا ہوا مجلسِ حکما میں داخل ہو رہا تھا اور یہ واقعہ کہ پانچویں صدی میں اس کا فلسفہ اور شاعری ایک زندہ علمی قوت تھی۔ جس کی بدولت عہدِ ماضی کی آج یہ شاندار یادگار قائم ہو رہی ہے۔ اور نظامِ عالم یہی ہے کہ بقائے دوام کے دربار میں جب ایک کرسی خالی ہوتی ہے، تب دوسرا باکمال باستحقاق اس پر متمکن ہوتا ہے۔

ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مجھے برسوں ناصر خسرو سے شرفِ ہم کلامی (یہ معنی نسبت تھی) حاصل رہا ہے، لیکن کچھ مدت کے لئے گفت و شنود کا دروازہ بند ہو گیا تھا، مگر الحمد للہ کہ وہ پہلے میں گم شدہ رستہ میں مل گیا۔ اور علمی صحبتیں از سر نو گرم ہو گئیں اور میری فرمائش پر اس غریب وطنِ حکیم نے اپنی عبرت انگیز سوانح عمری سنائی جو اس کے الفاظ میں تحریر کی گئی ہے۔

لے تصنیفات ناصر مراد ہیں جو مقدمے کا ماخذ ہیں۔

اس موقع پر میرا یہ بھی فرض ہو کہ مستشرقین یورپ کی علمی زندگی اور قد رانی کا شکریہ ادا کروں کیونکہ جو کام مسلمانوں کے کرنے کا تھا وہ انھوں نے کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہو کہ انیسویں صدی عیسوی میں ناصر خسرو کو سب سے پہلے پروفیسر ریو اور برٹش نے زندہ کیا اور اس کی بعض تصنیفات پر ریو لکرتے ہوئے ناصر کا اہل مشرق سے تعارف کرایا، اس کے بعد پروفیسر شیفر نے سفر نامہ مغرب کا فریچ میں ترجمہ کر کے نوٹا و سوانح کے ساتھ شائع کیا۔

ادمان فاگنان فرانسوی اور استاد ہرمان آتہ اڈیٹیچی نے مثنوی سعادت نامہ اور مثنوی روشنائی نامہ کو فریچ اور جرینی میں اصل متن فارسی اور سوانح کے اشاعت کی اور ایتھی نے برٹش میوزم کی فہرست کتب فارسی مرتب کرتے وقت دیوان ناصر خسرو کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کر کے سب سے اول یہ ثابت کیا کہ اس کی ولادت ۱۱۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ براؤن انگلشی نے زاد المسافرین کو تصحیح کر کے طبع کرایا اسٹیملا گارڈ اور ڈی ساسی نے ناصر خسرو کے قیام مصر کے مکمل حالات، اور عقاید باطنیہ لکھے افسوس ہو کہ میں مغربی زبانوں سے محروم ہوں بدیں و حبان عالمانہ اور محققانہ تبصروں سے مستفید نہ ہو سکا اور مجبوراً ناصر کی سوانح حیات خود لکھنا شروع کی، اس وقت میرے سامنے شمس العلماء حالی کا ایک مختصر مقدمہ موجود تھا اور اس کے علاوہ حسب ذیل قدامت کی تصنیفات پیش نظر تھیں۔

۱۔ جامع التآریخ رشید الدین فضل اللہ مطبوعہ پیرس

۲۔ حبیب السیر جلد دوم جزو چہارم مطبوعہ ممبئی

۳۔ دبستان مذاہب جلد دوم مطبوعہ کلکتہ

۴۔ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی مطبوعہ ہالینڈ۔

۵۔ ۲۲ شش کدہ آذر۔ مطبوعہ ممبئی

لیکن ان کتابوں میں بھی ناصر کی حیات کا سرمایہ بہت ہی قلیل تھا۔ چنانچہ اس ضرورت سے تصانیف ناصر خسرو فراہم کی گئیں جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ سفر نامہ ناصر خسرو مترجمہ پروفیسر شیفر بربان فرینچ مطبوعہ پیرس

۲۔ سفر نامہ قلمی کتب خانہ لوہارو۔

۳۔ سفر نامہ مع مقدمہ خواجہ حالی مطبوعہ دہلی۔

۴۔ سفر نامہ مطبوعہ طہران

۵۔ سفر نامہ مطبوعہ برلن (جرمنی)

۶۔ ترجمہ انگریزی سیاحت مصر و شام مترجمہ GUYLE-STRANGE

مطبوعہ لندن ۱۸۹۳ء

۷۔ سفر نامہ قلمی ایشیا ناک سوسائٹی کلکتہ

۸۔ مثنوی روشنائی نامہ مطبوعہ برلن۔

۹۔ مثنوی سعادت نامہ مطبوعہ برلن۔

۱۰۔ زاد المسافرین مطبوعہ برلن۔

۱۱۔ وجہ دین

۱۲۔ دیوان ناصر خسرو فارسی مطبوعہ طہران ۱۳۱۲ھ

۱۳۔ منتخب دیوان ناصر خسرو مطبوعہ ممبئی

۱۴۔ سرگزشت ناصر خسرو (جو شامل دیوان مطبوعہ ممبئی ہے) ان کتابوں

لے ان سات سفر ناموں کے علاوہ دو قلمی نسخے موجود ہیں لاہوری بھری ۱۵۴۲ء و ۱۵۴۰ء بھی گویا اپنی نظر تھے۔ کیونکہ سفر نامہ مطبوعہ برلن میں ان نسخوں سے حرفت مقابلہ کر کے اختلاف نسخہ حلشے پر لکھوایا گیا ہے چنانچہ میں نے ترجمہ کرتے وقت ان حواشی سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

کے مطالعے کے بعد یہ رائے قائم ہوئی کہ ناصر کے سوانح حیات کی بنیاد خود ہی کی تصانیف پر رکھی جائے اور جو کچھ میں نے لکھا ہے بقدر امکان اس کی تصدیق دوسری کتابوں سے بھی کی جائے۔ چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ جو اصول قائم کیا گیا تھا اس میں کامیابی ہوئی اور ایک سہ ماہی کی محنت میں مقدمہ مکمل ہو گیا، جو سوانح عمری کی شکل میں نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔ لیکن میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ تذکرہ مکمل ہے۔ البتہ آئندہ زلنے میں ناصر کی بقیہ قلمی تصنیفات شائع ہوں تو اس وقت حیات ناصر خسرو پر کسی قدر اضافہ ممکن ہے، لیکن یہ اضافہ بھی مذہبیات تک محدود رہے گا۔

اب انجمن ترقی اردو ہند کی جانب سے علمائے یورپ کی خدمت میں یہ ناچیز ہدیہ پیش کیا جاتا ہے۔ ع

گر قبول افتد رز ہے عز و شرف

فاتحے پر میں اپنے عزیز دوست مولوی محمد حسین محوی لکھنؤی کا فخر یہ ادا کرتا ہوں جن کی تحریک پر ترجمہ سفر نامہ بعد تکمیل شائع کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مگر می ڈاکٹر مولوی عبدالحی صاحب سکرپٹری انجمن ترقی اردو کا بھی شکر گزار ہوں جن کی ذات گرامی تمام ہندوستان میں خدمات اردو کے لئے ایک مستقل اکاڈمی کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر مولانا کی علمی قدر دانی میری دستگیر نہ ہوتی تو برسوں کے لکھے ہوئے اجزاء دیکھ کر اندر ہو جاتے، اب خدائے عز و جل سے یہ دعا ہے کہ مثل ”البراکۃ“ و نظام الملک طوسی کے الممالک ترجمہ سفر نامہ کو بھی ملک میں شرف قبولیت حاصل ہو۔ آمین۔

المرقوم ۲۰، ۲۱ شوال یوم پنجشنبہ ۱۳۵۵ھ
مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۳۵ء عیسوی۔
خاکسار: محمد عبدالرزاق مترجم و محشی سفر نامہ
ہتم تالیخ گورنمنٹ بھوپال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ دولت سلجوقیہ کا آغاز
ناصر خسرو کی ملازمت

ابو معین الدین ناصر بن خسرو قبادیانی، موزی
(خدا اس کو توبہ کی توفیق دے) عرض کرتا ہے
کہ میرا اصلی پیشہ محترمی (ملازمت و دفتر انشا)

ہو اور من جملہ ملازمان مالی و ملکی کے میں بھی (صدر) دفتر مال کا ایک عہدہ دار
تھا۔ اور عرصہ تک خدمت مقررہ (مستوفی الملک) پر متاثر رہ کر میں نے اپنے
ہم عصر میں بھی خاص شہرت حاصل کی تھی، بعد ازاں ربیع الآخر ۳۷۷ھ (اکتوبر ۱۰۲۵ء)
میں افسر مال (دعالم) ہو کر دارالحکومت مرو (شاہ جان) سے روانہ ہوا، اور
پنج دہائیہ (مضافات مرورود) میں قیام کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ابوسلیمان چغری بک
داؤد بن میکائیل بن سلجوق صوبہ خراسان کا والی (گورنر) ہے۔

میں جس روز پنج دیہ پہنچا ہوں، وہ راس منمشتیری کے قرآن کا دن تھا۔
(بخمی کہتے ہیں کہ اس ساعت میں جو مراد مانگو، باری تعالیٰ پوری کرتا ہے) لہذا میں
نے بھی ایک گوشہ میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی کہ ”خدا وندا! مجھے
بھی اصلی دولت سے مالا مال کر دے۔“

(نماز سے فارغ ہو کر) جب میں جلسہ احباب میں آیا تو ایک صاحب
فارسی شعر گنگنا رہے تھے، اس وقت مجھے بھی ایک شعر یاد آیا اور جی چاہا کہ اس

عہدہ کی تشریح ناصر خسرو کی سوانح حیات میں موجود ہے اور الفاظ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

کے پڑھنے کی فرمائش کروں اس لیے ایک کاغذ پر میں نے وہ شعر لکھا۔ لیکن ہنوز پرچہ دینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ میرے دوست نے وہی شعر پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو میں نے اپنے حق میں مبارک فال سمجھا اور خیال کیا کہ ”خداوند تعالیٰ نے میری آرزو پوری کر دی۔“ پھر میں بیچ ویسے سے جواز جانائے روانہ ہوا اور یہاں تقریباً ایک مہینہ قیام کیا۔

۲۔ ناصر خسرو کا ایک خواب | میں شراب نوشی کا عادی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
نئی زندگی کا آغاز
قُولُوا الْحَقَّ وَكُونُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ

سچی بات کہو اگرچہ وہ تمہارے حق میں مضر ہی کیوں نہ ہو۔
 ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھ سے کہ رہا ہے کہ ”ناصر! یہ شراب جو انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے، کب تک پیے جاؤ گے؟ اگر آپے میں رہو تو بہتر ہے۔“

میں نے جواباً عرض کیا کہ ”شراب کے سوا حکمانے کوئی ایسی شواہد ہی نہیں کی ہے جو غم غلط کرنے والی ہو۔“ جواب دیا کہ ”بیخودی اور بے ہوشی میں بھی کہیں راحت ملتی ہے؟ تم اُس کو حکیم مت کہو جو ہوشیاروں کو متوالا بنادے بلکہ حکیم سے ایسی شواہد مانگو جو عقل و ادراک میں اضافہ کر دے۔“ تب میں نے سوال کیا کہ ”وہ شو کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے؟“ فرمایا ”جو ڈھونڈتا ہو وہ پا ہی جاتا ہے۔“ اور قبلہ کی طرف اشارہ کر کے چُپ ہو رہا۔

جب میں خواب سے بیدار ہوا تو رات کا سماں پیش نظر تھا اس لیے

لے ناصر خسرو افسر مال ہو کر جواز جانان آیا تھا۔ لیکن خواب دیکھتے ہی وہ مکہ معظمہ کو روانہ ہوا اور ملازمت سے استعفا دے دیا۔

مجھ پر پورا اثر ہوا اور دل میں فیصلہ کیا کہ جب میں شب گزشتہ کے خواب سے جاگ
 بچکا ہوں تو خواب چنل سالہ سے بھی آنکھیں کھولنا چاہیے۔ غور کرنے سے سمجھ میں آیا
 کہ جب تک میں قدیم عادتیں نہ چھوڑوں گا، کبھی روحانی مسرت حاصل نہ ہوگی۔
 پنجشنبہ کے دن چھٹی تاریخ جمادی الثانی ۱۲۳۵ھ (دسمبر ۱۸۱۷ء)
 مطابق نصف دوم سال شیز و جردی (سنہ فارسی) کو میں نے غسل کیا اور
 مسجد میں جا کر نماز پڑھی اور دعا کی کہ:-

”اد بزرگ و برتر خدا! مجھے توفیق دے کہ واجبات ادا

کروں اور منہیات شرعیہ سے باز رہوں، کیونکہ تیرا حکم بھی یہی ہے۔“
 پھر جو زجانان سے شب بھر غان واپس ہوا، رات کو موضع باریاٹ (فاریاب)
 میں قیام کیا۔ یہاں سے سنکلاں و طالقان ہو کر مرو رود آیا اور اس منزل
 سے روانہ ہو کر مرو (شاہ جان) میں داخل ہوا۔ اور ملازمت سے استفادے کر
 جمع خرچ بچھا دیا اور پوچھنے والوں سے کہہ دیا کہ خانہ کعبہ کا عزم ہی چنانچہ اسباب
 معیشت سے بقدر ضرورت لے کر باقی سب چھوڑ دیا۔

۳۔ ناصر خسرو کی سیاحت کا آغاز | شیخوئیل شعبان ۱۲۳۵ھ (فروری
 ۱۸۱۷ء) کو سفر نیشاپور کا قصد کر کے مرو (شاہ جان) سے رخصت ہوا۔ اور
 تین فرسنگ طو کر کے سرخس میں پہنچا۔ یہاں سے نیشاپور کا فاصلہ چالیس فرسنگ
 ہے۔

۴۔ نیشاپور | شنبہ کے دن گیا رھویں شوال (اپریل) کو نیشاپور میں
 داخل ہوا۔ اس مہینہ کے آخری چار شنبہ کو سورج گہن پڑنے والا تھا۔ طغرل
 بک محمد برادر چغری بک داد بد حیثیت فرمانروا حکمران تھا۔ اور اس کے حکم
 سے بازار ستر جان کے قریب ایک نئے مدرسہ کی عمارت بن رہی تھی۔

اور وہ خود پہلی مرتبہ اصفہان کی ہم پر گیا ہوا تھا۔

قوس | دوسری ذیقعدہ (مئی) کو نیشاپور سے خواجہ موفق (متمد دارالانشا سلطان طغرل بک سلجوقی) کے ہمراہ کوٹان کے راستہ سے قوش میں آیا اور حضرت شیخ بایزید بسطامی قدس اللہ روحہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔
جمعہ کے دن ۸۔ ذیقعدہ کو قوس سے دامنقان روانہ ہوا اور غرہ ذی الحجہ ۴۳۷ھ (جون) کو آب خوری دچاشت خوران کے راستہ سے سمنان میں داخل ہوا اور یہاں عرصہ تک قیام رہا۔

علی نسائی اور ناصر خسرو کی گفتگو | سمنان میں (لطف صحبت کے لیے) اہل علم کی جستجو کرتا رہا، لوگوں نے

ایک شخص کا پتہ بتایا جو استاد علی نسائی کے نام سے مشہور تھا۔ میں اُس کی خدمت میں حاضر ہوا یہ ایک جوان آدمی تھا، کاکلیں شانہ پر پڑی ہوئی تھیں اور دہلی لہجہ میں فارسی بولتا تھا، سامنے طلبہ کا ہجوم تھا۔ ایک جماعت اقلیدس پڑھ رہی تھی، دوسری طب، تیسری حساب۔ اور دورانِ تقریر میں یہ بھی کہتا جاتا تھا کہ ”میں نے استاد ابو علی سینا رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح پڑھا ہے اور یوں ہی سنا ہے“ اس جملہ سے حضرت کی یہ غرض تھی کہ مجھے معلوم ہو کہ وہ حکیم ابو علی سینا کا شاگرد ہو۔ استاد علی نسائی سے جب میرا مباحثہ شروع ہوا، تو کہنے لگا کہ میں مطلق حساب نہیں جانتا ہوں، اس لیے آرزو ہے کہ کسی قدر حساب پڑھوں۔ یہ سن کر مجھے تعجب ہوا اور حلقہٴ درس سے اٹھ کر چلا آیا اور خیال کیا کہ جب یہ خود ہی کچھ نہیں جانتا ہے، تو وہ دوسروں کو کیا سکھائے گا؟

میرے تخمینے کے مطابق پنج^{۲۵} سے رشتے تک ساڑھے تین سو فرسنگ کی مسافت ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ رے سے سادہ تین سو فرسنگ ہے اور سادہ سے

ہمدان بھی اسی قدر ہی اور رے سے سپان (اصفہان) پچاس فرسنگ ہو اور آمل سے تین فرسنگتے ہو۔ رے اور آمل کے مابین کوہ دماوند مثل ایک گنبد کے نمایاں ہو جس کو لواسان کہتے ہیں (دماوند یا لواسان کوہ البرز کی شاخ ہے) بیان کیا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک کنواں معدنیات دماوند ہے جس سے نوشادر (نوسادر) نکلتا ہے اور گندھک

بھی۔ ملکی باشندے ہیل کا چرسہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس میں نوشادر بھور کر پہاڑ کی چوٹی سے ڈھلکا دیتے ہیں، کیونکہ پہاڑی راستہ سے اس کا لانا غیر ممکن ہے۔

پانچویں محرم ۳۲۸ھ (جولائی ۱۳۱۷ء) مطابق مژدہ ۱۳۱۷ء کو میں جانب قزوین روانہ ہوا۔ اور موضع قوشہ میں پہلی منزل ہوئی۔ اس زمانہ میں یہاں قحط تھا، پونے دو سیر جو کی ردی ڈیڑھ درہم (دھڑے آنے) کو بچتی تھی۔

یہاں سے آگے بڑھا۔ نویں محرم کو قزوین پہنچا۔ اس شہر میں باغات کی افراط ہے مگر باغوں میں چار دیواری (فصیل) کا دستور نہیں ہے۔ اور نہ کانٹوں کا جنگلہ (خار بندی) لگایا جاتا ہے، لیکن باغات کے اندر جانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی۔

قزوین خوبصورت شہر ہے جس کی فصیل مضبوط ہے اور اس پر کنگرے بنے

۱۔ اصلی جلد یہ ہے کہ ”آنجا یک من نان جو بدو درہم میدادند“ عراق عجم میں من کی مقدار ناصر خسرو کے زمانہ میں ۱۳ پونڈ (پونے دو سیر) تھی۔ اور تمام سفرنامہ میں ہزاروں من کی مقدار اسی حساب سے ہے۔ لہذا جہاں ضرورت ہو اسی معیار سے حساب لگایا جائے۔ ایران میں ایک خجریا گدھا ستوا من بوجھ لے جاتا ہے جس کو خردار، خربار یا بارخر کہتے ہیں، مشہد میں

۴۹ پونڈ، ۳۲۴ سیر یا آٹھ من ۴ سیر کے برابر ہوتا ہے۔ (از خیابان فارس)

۱۔ ایک درہم کم از کم چار آنے کا تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ فقری سکہ تھا۔

ہوئے ہیں، بازار بھی اچھے ہیں، البتہ پانی کی قلت ہو اور کاریزوں (زمین دوزنہیں) پر بہم رسی منحصر ہو۔ حاکم شہر ایک علوی تھا اور ضاعون میں سب سے زیادہ جوتے بنانے والے تھے۔

ایک بقال کی
احتمانہ گفتگو

بارھویں محرم ۳۳۸ھ کو درہیل و قبان کے راستے سے) میں قزوین سے روانہ ہوا، اور ایک موضع میں جس کو خرزویل کہتے ہیں پہنچا۔ میرا چھوٹا بھائی (خواجہ ابوسعید) اور ایک ہندوستانی چھوکر اساتھ تھا۔ سامان خوراک میں کمی ہو گئی تھی لہذا ابوسعید بقال سے کچھ چیزیں خرید کرنے کے لیے گاؤں میں گیا۔ ایک شخص نے کہا میں بقال ہوں، فرمائیے! ابوسعید نے کہا ہم مسافر ہیں، سب ہی چیزوں کی ضرورت ہے، پھر کھانے کی ایک ایک چیز کا نام لے کر دریافت کیا تو جواب دیا کہ ان میں سے تو کچھ بھی نہیں ہو۔ اس کے بعد جہاں کہیں کوئی شخص ایسی باتیں کرتا تو ہم یہی کہتے کہ یہ خرزویل کا بقال ہو۔

طارم | خرزویل سے آگے کا راستہ بہت ڈھلوان تھا، تین فرسنگ کے بعد علاقہ طارم کا ایک گاؤں ملا جس کا نام برز الخیر تھا، یہ گرم سیر مقام تھا انار و انخیر کے درخت بکثرت تھے۔ جن میں سے اکثر خود رو تھے۔ یہاں سے چل کر ایک ندی ملی، جس کا نام شاہ رود تھا اور اس ندی کے کنارے گاؤں آباد تھا، جس کو خداں کہتے تھے۔ یہاں محصول لیا جاتا تھا، یہ علاقہ ملک الملوک راز خاندان سلاطین و علم کے قبضے میں تھا۔

دریائے آبسکون کی مشہور ندیاں اور جزیرے شاہ رود، خداں سے

لے مالک ایران میں بقال بن معنی سبزی فروش ہو۔ اور ہندوستان میں غلہ فروش کو کہتے ہیں

حالانکہ اس معنی میں صحیح لفظ بڈال ہو۔

لگے بڑھ کر دوسری ندی میں مل جاتی، جس کو سپیلہ و وکتے ہیں اور یہ دونوں ندیاں مل کر ایک پہاڑی درے میں گرتی ہیں جو کوہ گیلان کے پورب جانب واقع ہے اور گیلان سے آگے چل کر یہ ندیاں دریائے آبسکون میں مل جاتی ہیں۔ مشہور ہے کہ چودہ سو ندیاں، آبسکون میں گرتی ہیں اور یہ دریا بارہ سو فرسنگ تک بہتا ہوا چلا گیا ہے جس میں جزائر بھی ہیں اور بڑی آبادی ہے۔ میں نے یہ روایتیں متعدد اشخاص سے سنی ہیں۔ (اب میں پھر اپنے سفر کی داستان شروع کر کے کام میں مصروف ہوتا ہوں)۔

شمیران | خنداں سے شمیران تک تین فرسنگ کا ایک چھوٹا سا جنگل ہے جو بالکل پتھر بلا ہے اور شمیران، علاقہ طارم کا ایک قصبہ ہے۔ آبادی کے کنارے ایک بلند قلعہ ہے، جس کی بنیاد ایک پہاڑی چٹان پر ہے اور اس کے گرد تہری فصیل ہے اور قلعہ کے وسط سے ندی کے کنارے تک آب رسانی کے لیے ایک کاریز کاٹ کر لے گئے ہیں۔ اور اس قلعہ میں سرحدی قبائل کے سرداروں کے ایک ہزار آدمی (بطور رعنا یا اول) موجود رہتے ہیں تاکہ کوئی سردار بغاوت نہ کر سکے۔ ولایت دیلم میں اس امیر کے بہت سے قلعے بیان کیے جاتے ہیں، انصاف اور امن و چین کا یہ حال ہے کہ تمام ملک میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ کسی سے جبراً کچھ وصول کر سکے اور جامع مسجد میں جس قدر نمازی آتے ہیں وہ سب مسجد کے باہر جوتے چھوڑ آتے ہیں اور کوئی جوڑا چوری نہیں جاتا۔

امیر ابراہیم ملقب بہ جستان | یہ امیر اپنا نام کاغذات سرکاری میں والی جبال طبرستان | اس طرح پر لکھتا ہے۔ قرآن الدیلم

لخہ مساجد سے جو توں کی چوری زمانہ قدیم سے جاری ہے اور ہندوستان میں یہ چوری عام طور سے ہوتی تھی بلکہ خسر کے نزدیک مسجد کے باہر سے جوتے چوری نہ جانا بہترین سیاست اور انتظام حکومت ہے

خیل جیلان ابوصالح مولیٰ امیر المومنین۔ اور امیر کا نام جتان ابراہیم ہے۔
 شیران میں ایک مرد صالح سے ملاقات ہوئی جو در بید کا باشندہ تھا
 اس کا نام ابوالفضل خلیفہ بن علی الفیلوف تھا۔ یہ بہت خلیق تھا، جس نے
 میرے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا۔ میرا اس کا مباحثہ بھی ہوا کرتا تھا اور باہم
 دوستی ہو گئی تھی، ایک دن مجھ سے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ میں نے کہا ”خانہ
 کعبہ کی نیت کر چکا ہوں“ یہ سن کر بولا ”میری آرزو ہے کہ واپسی کے وقت اسی
 راستہ سے جانا کہ دوبارہ لطف ملاقات حاصل ہو“ چھبیسویں محرم کو شیران سے
 چل کر چودہ صفر کو شہر سمرات میں داخل ہوا اور سوٹھویں صفر کو یہاں سے
 روانہ ہو کر سعید آباد کے راستے سے بیسویں صفر ۳۸۸ھ (اگست ۱۰۲۶ء)
 کو تبریز پہنچا آج شہر یوزدجری (دستبر) کی پانچویں تاریخ تھی۔

تبریز | تبریز صوبہ آذربائیجان کا ایک شہر ہے۔ اور خوب آباد ہے۔ میں نے
 اس کی پیمائش کی تو طولاً و عرضاً چودہ سو قدم تھا۔

ملک الملوک امیر ابو منصور | فرمانروائے آذربائیجان کا نام خطبہ میں
 اس طرح پڑھا جاتا ہے ”الامیر الاجل
 سیف الدولہ، شرف الملة ابو
 دہوان فرمانروا آذربائیجان

منصور دہردان بن محمد مولیٰ امیر المومنین ؑ

باشندگان شہر سے معلوم ہوا کہ پنجشنبہ کی رات میں نماز عشا کے بعد
 ستر ٹھوس تاریخ رنج الاول ۳۳۲ھ (اکتوبر ۱۰۲۶ء) کو (ایام مہترقہ
 میں) یہاں زلزلہ آیا تھا جس میں شہر کا کوئی حصہ تو تباہ ہو گیا تھا اور کوئی حصہ محفوظ
 رہ گیا تھا، تاہم بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسان ہلاک ہوئے تھے۔

۱۰ ایام مہترقہ کے لیے ڈیڑھ سہ صد یزدجری ملاحظہ ہو۔

قطران شاعر | تیرز میں قطران شاعر سے ملاقات ہوئی۔ یہ شعر تو خوب کہتا
سے ملاقات | تھا مگر فارسی زبان اچھی نہیں جانتا تھا۔ جب مجھ سے ملنے
 آیا تو دیوان منجیکٹ اور دیوان وقیقیؒ ساتھ تھا چنانچہ ان میں سے اشعار سنائے
 اور مشکل الفاظ کے معنی حل کر کے لکھ لیے اور اپنے شعر بھی سنائے۔

چودھویں ربیع الاول (ستمبر ۱۲۰۴ھ) کو مرند کے رات سے امیر ہمدان
 کی فوج کے ہمراہ روانہ ہوا اور دعویٰ پہنچ کر ایک رہ نما کے ہمراہ برکری تک آیا دعویٰ
 سے برکری تین فرسنگ ہی۔

بارھویں جمادی الاول (نومبر) کو میں برکری میں داخل ہوا دسویں آذر
 بائجان ختم ہو گیا اور یہاں سے وائ اور دستان میں پہنچ گیا۔

وائ | بازار میں بکری کے گوشت کی جگہ سور کا گوشت فروخت ہو رہا تھا اور
 شراب کی دکانوں پر مرد اور عورتیں علانیہ شراب نوشی میں مصروف تھیں، یہاں
 سے چل کر اٹھارھویں جمادی الاول کو اخلاط پہنچا۔

اخلاط | اسلامی اور ارمنی علاقہ کا اخلاط سرحدی شہر ہے۔ برکری سے یہاں
 تک انیس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اخلاط میں ایک امیر رہتا تھا جس کو نصر الدولہ کہتے
 تھے اس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی اور کثیر الاولاد تھا اور ہر لڑکے کو جدا گانہ
 شہروں کی حکومت دے رکھی تھی۔

اخلاط میں عربی، فارسی، ارمنی تینوں زبانیں بولی جاتی تھیں اور میرا
 گمان ہے کہ اخلاط زبان کی وجہ سے اس شہر کا نام اخلاط ہے، یہاں لین دین پول
 سے ہوتا ہے اور رطل کی مقدار تین سودر ہم ہے۔

بیویں جمادی الاول کو اخلاط سے چل کر ایک مہان خانہ (رباط) میں ٹھہرا
 برف گر رہی تھی اور شدت کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ شہر سے نکل کر جنگل میں تھوڑے تھوڑے

فاصلہ پر زمین میں لکڑیاں گرہی تھیں تاکہ برف باری اور کھڑکے دن مسافر اسی نشان پر چلیں۔

بَطْلِس | اخلاط سے بطلس میں آیا، یہ شہر ایک پہاڑی درے میں آباد کیا گیا ہے یہاں میں نے تین سو تین سیر شہد ایک دینار میں خرید کیا اور یہ وہ نرخ ہو جس پر میرے ہاتھ فروخت کیا گیا تھا، لوگوں کا بیان تھا کہ اس شہر میں ایک تاجر ہو جو تمام سال میں تین چار سو شکس شہد بھرتا ہے۔ پھر ہم یہاں سے روانہ ہونے راستہ میں ایک قلعہ دیکھا جس کو قَفُّ اَنْطَر کہتے تھے، یہاں سے چل کر ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک مسجد تھی اور جس کی نسبت مشہور تھا کہ وہ حضرت اولیس قرنہ قدس اللہ روحہ کی تعمیر کردہ ہے۔

عوریا سرو کوہی | اس نواح میں دیکھا کہ لوگ پہاڑوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور ایک لکڑی جو درخت سرو سے مشابہ تھی کا ٹکڑا جمع کرتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کس کام آتی ہے؟ جواب دیا کہ ہم اس کو ایک سرے سے جلاتے ہیں جس کے دوسرے سرے سے قطران (روغن جیر) نکلتا ہے جس کو اول ہم ایک حوض میں جمع کرتے ہیں پھر برتنوں میں بھر لیتے ہیں اور فروخت کے لیے) دوسرے شہروں میں لے جاتے ہیں۔

اخلاط کے بعد جن مقامات کا یہاں مختصر ذکر کیا گیا ہے وہ سب علاقہ مینا فارقین میں داخل ہے۔

ارزن | یہاں سے شہر ارزن میں آیا، یہ خوبصورت اور آباد شہر ہے۔ پانی کے چشمے، باغات اور درختوں کی کثرت ہے اور بازار بھی اچھے ہیں ماہ آذر (دسمبر) میں سالت من دو سیر انگور ایک دینار میں فروخت ہوتے ہیں۔

لہ اس کا لفظی ترجمہ فارسی میں بالیٹ ونگرو اور اردو میں ٹھیرا دیکھ۔

جس کا نام رزائے مانوش (قیصر مانوش کا انگور) ہو۔

میٹا فارقین | ازرن سے میٹا فارقین میں داخل ہوا، اخلاط سے میٹا فارقین تک اٹھائیس فرسنگ کا فاصلہ ہے اور بلخ سے میٹا فارقین جس راستے میں آیا تھا، تک پان سو باون فرسنگ کی مسافت ہے۔

جمعہ کا دن اور چھبیسویں تاریخ جمادی الاول کی تھی ان دنوں میں دفتوں کے پتے سبز تھے۔ ایک زبردست فصیل سنگ سفید کی بنی ہوئی تھی جس کا ہر پتھر وزن میں تقریباً ۱۹ من ہوگا اور ہر پچاس گز کے فاصلے پر مذکورہ بالا پتھر کا ایک بڑا برج بنا ہوا تھا اور تمام کنگروں کی کلیاں برقرار تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی معمار کام کر کے اٹھا ہے۔

شہر میں جانب مغرب آمد و رفت کے لیے ایک ہی دروازہ ہے جس میں پتھر کی ایک شاندار محراب ہے اور لوہے کا پھانک نصب ہے جس میں لکڑی کا ٹام نہیں ہے اور جامع مسجد بھی ہے۔ اگر اس کی تعریف لکھوں تو طوالت سے خالی نہیں مختصر یہ ہے کہ مسجد کا وضو خانہ اس قدر بڑا ہے جس میں چالیس سے زیادہ حجرے ہیں۔ شہر کے ہر گھر میں دو بڑی نہریں جاری ہیں ایک کا پانی اوپر کے کاموں میں صرف ہوتا ہے اور دوسری نہر زمین کے نیچے بہتی ہے جو تہ نشین اشیا اور حوضوں لے عرب اور عجم میں ہر مسجد کو جامع کہتے ہیں اور ہندوستان میں جامع مسجد سے صرف وہ مسجد مراد ہوتی ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو، لہذا مسجد آدین کا ترجمہ ہر جگہ جامع مسجد کیا گیا ہے۔

اسلامی عبارت یہ ہے ”بالجملہ متوضعات در آن مسجد ساخته اند کہ چل چل حجرہ در پیش است“ یہ وضو خانہ ایک بڑے والان کے اندر ہوگا جس میں پانی کی حفاظت کے لیے فصل خالوں کی طرح جوڑیاں چڑھی ہوں گی اور کھلا ہوا حوض ہوگا جیسا کہ جامع مسجد دہلی وغیرہ میں ہیں یا حوض بند ہوگا اور اس میں وضو کے لیے ٹونیاں لگی ہوں گی۔ بہر حال مسجد کے اندر وضو خانہ ایک مستقل عمارت کی شکل میں تھا۔ مترجم

کو صاف کرتی ہو اور فصیل کے باہر بھی سرائیں بازار اور حتام موجود ہیں اور ایک دوسری مسجد ہر جہاں جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہو اور شمال کی طرف ایک اور آبادی ہو جس کو محدثہ (نیا شہر) کہتے ہیں اور اس میں بھی خاص ترتیب سے بازار اور مسجد اور متعدد حتام موجود ہیں۔

امیر ابو نصر احمد کردی حمیدی فرماں روا کا نام خطبہ میں اس طرح پڑھا جاتا ہو: ”الامیر الاعظم عز الاسلام سعد الدین نصر الدولہ و شرف الملة

ابو نصر احمد سلطان کی عمر ستوبیس کی ہو۔ یہاں کا آٹھ ٹل، چار سو آستی درہم کے برابر ہو۔ مینا فارقین سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر سلطان نے ایک نیا شہر آباد کیا ہو جس کا نصریہ نام رکھا ہو اور آمد سے مینا فارقین تک ۹ فرسنگ کا فاصلہ ہو۔

آمدی (جنوری) کی چھٹی تاریخ کو میں شہر آمد میں پہنچا۔ یہ پورا شہر ایک پتھری چٹان پر آباد ہو جو طولاً و عرضاً دو ہزار قدم ہوگا اور فصیل سیاہ پتھر کی ہو جس میں تین من سے سنتیس من تک کے ترشے ہوئے پتھر لگے ہیں۔ اکثر یہ پتھر اس طرح وصل ہیں جن میں مٹی اور چونہ کی جوڑائی کا پتہ نہیں ہو۔

دیوار کی اونچائی بیس ہاتھ اور عرض دس ہاتھ ہو اور ہر سو گز کے فاصلہ پر ایک برج بنایا ہو، جس کا نصف دائرہ اسی گز کا ہو اور اسی سیاہ پتھر کے کنگرے بھی ہیں۔

ملہ ناصر نے ہاتھ کے منی میں آتش کا لفظ استعمال کیا ہو جس کی مقدار کہنی سے انگوٹوں تک ہو اور (ارش) عربی گز (درعہ) کے مطابق ہو۔ لیکن عمارتوں کی پیمائش میں درعہ سے مکتب مراد ہو یعنی طول، عرض و ارتفاع۔ ملاحظہ ہو تفصیل عبارات بیت المقدس۔ مترجم

شہر کے اکثر مقامات پر پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، جن کے ذریعہ سے فصیل پر چڑھ سکتے ہیں۔ اور ہر برج پر لڑائی کے مورچے تعمیر ہیں۔ شہر میں چار دروازے ہیں جن میں خالص لوہے کے پھانک نصب ہیں اور ہر دروازہ کا رخ جنوب میں سے ایک سمت کی طرف ہو۔ چنانچہ شرقی دروازہ کا نام باب الدجلہ، مغربی کا باب الروم، شمالی کا باب الامن۔ اور جنوبی کا باب القتل ہو۔ اور اس دیوار کے باہر دوسری فصیل بھی اسی پتھر کی موجود ہو، جس کی اونچائی دس گز ہو۔ پوری دیوار پر کنگورے ہیں۔ اور پھر کنگوروں کے اندر سے ایسا راستہ بنایا ہو۔ جس میں سے مسلح سپاہی نکل جاتا ہو۔ اور کھڑا ہو کر آسانی سے لڑ سکتا ہو۔

اس دوسری بیرونی دیوار میں بھی لوہے کی جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں جس کے دروازے اندرونی دروازوں کے مخالف سمت پر نصب ہیں لہذا جب پہلی دیوار کے دروازوں سے داخل ہوں تو اول فصیل کے ایک حصہ کو طر کرنا پڑتا ہو اس کے بعد دوسری دیوار کے دروازہ تک پہنچتے ہیں اور اس فصیل کی چوڑائی پندرہ گز ہو۔ شہر کے اندر پائی کا ایک خوش نما چشمہ ہو جو ایک چٹان سے نکلتا ہو جس کا محیط پانچ چکیوں کے برابر ہو گا دیکھو کہ اس میں پانچ چکیاں چل سکتی ہیں اگر کسی کو علم نہیں ہو کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہو اور شہر کے تمام باغات کا نشوونما اسی چشمہ سے ہو۔

امیر نصر الدولہ مذکور کا ایک لڑکا شہر کا حاکم ہو۔ میں نے عرب، عجم،

ملہ اکثر ایشیا کے شہروں کی آبادی اس طرح پر پختی کہ ایک شہر فصیل کے اندر آباد ہوتا تھا اور دوسرا فصیل کے باہر اور فصیل کہیں ایک ہوتی تھی اور کہیں دو تین اور ہر ایک کے اندر جداگانہ آبادی ہوتی تھی جس کی تصدیق اس سفر نامہ سے بھی ہوتی ہو۔

ملہ اصل عبارت یہ ہو۔ ”چشمہ الیست کہ از سنگ خارہ بیرون می آید مقدار پنج آسیا گر دابے“

ہندوستان اور ترکستان کے بکثرت شہر و قلعے دیکھے ہیں لیکن اطراف عالم میں آمد سے بہتر کوئی شہر نظر نہیں آیا۔ اور نہ کسی سیاح نے مجھ سے بیان کیا کہ آمد جیسا شہر کہیں اور بھی ہو۔

آمد کی مسجد | مسجد بھی اسی سیاہ پتھر کی ہے جس سے زیادہ سڈول اور مضبوط ہونا غیر ممکن ہے۔ اس مسجد میں کچھ ادیر دو تلو پتھر کے ستون ہیں اور ہر ستون ایک ڈال پتھر کا ہے، پھر ہر ستون پر سنگی محراب ہے اور پھر ان سنگی محرابوں پر بھی چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جو پہلی قطار سے چھوٹے ہیں، اس کے بعد بڑی محراب پر ایک دوسری قطار اور ہے اور یہ دو منزله مسجد (باستثنائے پشتہ) پٹی ہوئی ہے اور مسجد میں جس قدر کٹڑی دپتھر کا کام ہے وہ سب نقش و روغنی ہے۔ صحن مسجد میں ایک بڑا پتھر رکھا ہوا ہے جس کے اوپر ایک بہت بڑا گول سنگین حوض تراش کر رکھ دیا ہے جس کی اونچائی ایک قد آدم اور محیط دس گز ہے اور وسط حوض میں پتل کی ٹوٹی لگی ہوئی ہے جس سے صاف ستھرا پانی بذریعہ فوارہ نکلتا رہتا ہے۔ اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے اور کدھر جاتا ہے۔ مسجد کا وضو خانہ نہایت وسیع ہے اور ایسا خوبصورت بنایا ہے کہ اس سے بہتر ہونا مشکل ہے، ہاں یہ بات ضرور ہو کہ آمد کی تمام عمارتیں سنگ سیاہ کی ہیں اور میتا فارقین کی سنگ سفید کی۔

آمد کا کلیسا | مسجد کے قریب ایک بڑا گرجا ہے جس کی پوری شاندار عمارت پتھر کی ہے اور فرش بھی سنگ مرمر کا ہے جس پر نقاشی کی گئی ہے اور قربان گاہ

(محل عبادت) پر لوہے کا ایک جالدار دروازہ لگایا ہے جس سے زیادہ خوبصورت دروازہ میں نے کہیں نہیں دیکھا ہے۔ شہر آمد سے حران کو دو سڑکیں جاتی ہیں، ان میں سے ایک تو بالکل ویران ہے جس کی مسافت چالیس فرسنگ ہے اور دوسری

سلاخ دو منزله مسجد ہوگی جس طرح بمبئی وغیرہ میں دو منزله مساجد موجود ہیں۔

آباد ہو جس کے کنارے بکثرت مواصلات ہیں اور ان میں اکثر عیساتیوں کی آبادی ہو۔ اس سڑک کا طول ساٹھ فرسنگ ہو۔ میں اسی آباد راستہ سے ایک قافلہ کے ہمراہ گیا تھا۔ جگل تو ہموار تھا مگر پتھروں کی یہ کثرت تھی کہ بار برداری کے جانور ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔

حَـرَّان | جمعہ کے دن پچیسویں جمادی الآخر ۳۸۵ھ کو حَـرَّان میں داخل ہوا۔ دو جنوری کی دوسری تاریخ تھی، لیکن پھر بھی یہاں ایسی ہوا چل رہی تھی جیسے فراسان میں بزمانہ نوروز چلا کرتی ہے۔

قِرْدِی | حَـرَّان سے رخصت ہو کر شہر قِرْدِی میں پہنچا اور ایک فیاض شخص کا مکان ہوا۔ یہاں ایک بددی عرب میرے پاس آیا جو ساٹھ برس کا بوڑھا ٹرانٹ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ قرآن پڑھا دو۔ میں اس کو ”قتل عوذ برب الناس“ پڑھاتا تھا اور وہ میرے الفاظ دہراتا تھا۔ جب میں نے کہا ”من الجنة والناس“ تو کہنے لگا کہ ”اس کے بعد ادایت الناس بھی کہوں“ میں نے کہا کہ یہ سورۃ صرف اسی قدر ہے۔ پھر پوچھا کہ ”نقالتہ الحطب“ کون سورۃ ہے؟ کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ سورۃ تبت میں حَمَلَةُ الحطب ارشاد ہوا ہے، نہ کہ نقالتہ الحطب۔ چنانچہ تمام رات میں یہ ساٹھ برس کا بوڑھا بدو سورۃ قل اعوذ برب الناس یاد نہ کر سکا۔

(۵) ناصر خسرو ملک شام میں | جمعہ کے دن دوسری رجب ۳۸۵ھ (۲ جنوری ۱۹۸۵ء) کو شہر سرژدج میں داخل ہوا۔

سروج و منج | اور دوسرے دن دریائے فرات سے پار اتر کر منج پہنچا۔ شام کے شہروں میں یہ سب سے پہلا شہر ہے، بہن فردی کا ابتدائی زمانہ تھا، ہوا

نہایت خوشگوار تھی، شہر کے باہر کسی قسم کی عمارت نہ تھی، منج سے حلب کو روانہ ہوا۔
میاں فارقین سے حلب تک سو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

حلب حلب مجھے خوبصورت نظر آیا، اس کی فصیل زبردست ہے جس کی بلندی تقریباً پچیس ہاتھ ہوگی۔ اور ایک زبردست قلعہ پہاڑی چٹان پر ہے، حلب چھاؤنی بلخ کی طرح خوب آباد ہے اور عمارتیں گنجان ہیں۔ ممالک شام، روم، دیار بحر، اور عراق کا یہ شہر پرٹ خانہ (کسٹم ہاؤس) ہے اور ان جملہ ممالک سے سوداگر یہاں آتے ہیں۔ حلب میں چار دروازے حسب ذیل ہیں۔ باب الیہود، باب اللہ باب الجنان، باب الناکیہ۔ یہاں کا بازاری باٹ یعنی طلل ظاہری چار سو آسمی درہم (تقریباً ۱۳ پونڈ) کا ہے۔ اور حلب سے جب جنوب کی طرف جاؤ تو میں فرسنگ پر حماۃ ملتا ہوں، بعد ازاں حمص اور حلب سے دمشق تک پچاس فرسنگ کا فاصلہ ہے اور حلب سے الناکیہ بارہ فرسنگ ہے اور اسی قدر طرابلس (ٹری پولی) ہے۔ کہتے ہیں کہ حلب سے قسطنطنیہ دو سو فرسنگ ہے۔

سمرین گیارھویں رجب (۱۱ جنوری) کو میں شہر حلب سے روانہ ہوا، تین فرسنگ کی مسافت پر ایک گاؤں ملا جس کو جند قنسرین کہتے ہیں۔ دوسرے دن چھ فرسنگ چل کر شہر سمرین میں پہنچا، جس میں فصیل نہ تھی۔

پھر چھ فرسنگ آگے بڑھ کر معرۃ النعمان ملا، جس کی فصیل پختہ تھی، یہ آباد شہر ہے۔

معرۃ النعمان شہر کے دروازہ پر ایک پتھر کا ستون نصب ہے جس پر کچھ لکھا ہوا تھا، مگر رسم خط عربی نہ تھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کو طلسم گشردمی کہتے ہیں جس کی وجہ سے

لے دفتر سائر، چونگی اور کرد گیری بھی کہتے ہیں۔

پچھو اس سہریں ہمیں اتنا ہو اور اگر باہر سے لاکر یہاں چھوڑ دیں تو بھاگ جاتا ہو اور پھر پلٹ کر شہر میں نہیں آتا۔ اس پتھر کا طول تقریباً دس ہاتھ ہو گا۔ بازار بہت آباد ہیں، جامع مسجد وسط شہر میں بلندی پر واقع ہو جس میں ہر سمت سے نمازی داخل ہوتے ہیں، تیرہ سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ صرف گیہوں کی کاشت ہوتی ہو اور افراط سے پیدا ہوتا ہو۔ انجیر، زیتون، پستہ، بادام، اور انگور بکثرت ہوتا ہو۔ شہر والے برسات (حوضوں میں جمع کیا ہوا) اور کنوؤں کا پانی پیتے ہیں۔

نامور ادیب و شاعر | اس شہر میں ایک نابینا تھا جس کو ابو العلامہ معری کہتے تھے، اور وہی شہر کا حاکم تھا۔ مال و دولت غلام اور کارندے بکثرت تھے، بلکہ یوں کہنا

چاہیے کہ سارا شہر اس کا غلام تھا، درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا، لباس میں ایک کملی تھی، اور غذا میں تین پاؤ (قدرے زائد) جو کی روٹیاں۔ اس کے سوا کچھ نہ کھاتا تھا، اور گھر میں بیٹھا رہتا تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے مکان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہو، نائب اور نوکر شہر کا انتظام کرتے ہیں صرف اہم معاملات میں مشورہ کر لیتے ہیں۔ اس کی دولت وقف عام ہو، اور ذاتی حالت یہ ہو کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات عبادت کرنا اور دنیا کے کسی کام میں مشغول نہ ہونا۔

ابو العلامہ فن شعر اور ادب میں کامل ہو۔ شام، مغرب اور عراق کے نامور علما مُقر ہیں کہ اس عہد میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہوا اور نہ اُن وقت موجود ہو اس کی ایک کتاب الفصول والغايات ہو جس میں رمز و اشارات ہیں اور فصیح و غریب الفاظ میں مثالیں بیان کی گئی ہیں اور ہر شخص برائے نام مسائل کتاب سے واقف ہو سکتا ہو اور کل کتاب پر عبور نہیں ہو سکتا، البتہ وہ شخص کہ جو خود اس سے پڑھے۔

اور اسی وجہ سے ابو العلاء پر اتہام لگایا گیا ہو کہ اس نے یہ کتاب قرآن پاک کے جواب میں لکھی ہو۔ ابو العلاء کے درس میں دو سوطلبہ اطراف و جوانب سے اگر علم ادب اور فن شعر کی تکمیل کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہو کہ ایک لاکھ سے زیادہ اس کے اشعار ہیں۔ ابو العلاء سے کسی نے پوچھا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اس قدر دولت و نعمت دے رکھی ہو پھر اس کا کیا سبب ہو کہ اوروں کو دیتے ہو اور خود نہیں کھاتے ہو؟ جواب دیا کہ جس قدر کھاتا ہوں اس سے زیادہ میری قیمت میں نہیں ہو۔ جب میں معرہ پہنچا ہوں اس وقت ابو العلاء زندہ تھا۔

پندرہویں رجب ۳۳۸ھ (۱۵ جنوری ۱۰۴۲ء) کو میں معرۃ النعمان سے کویمات میں داخل ہوا اور یہاں سے حمّۃ پہنچا یہ بہت آباد شہر ہو۔

حمّۃ اور نہر عاصی (اوران ش) کے کنارے آباد ہو اور عاصی (گنہ گار) اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نہر روم کی طرف بہتی ہو۔ یعنی بلاد اسلام سے نکل کر کفرستان میں جاتی ہو۔ اس نہر کے کنارے بکثرت رہٹ چلتے ہیں۔ حمّۃ سے دوسرئیں جاتی ہیں، ایک مغربی شام کو (جانب بحر الروم) اور دوسری دمشق کو (یہ جنوب کے رخ ہو) میں نے بحر الروم کے راستہ سے سفر کیا تھا۔ پہاڑیں ایک چشمہ دیکھا جس کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال نصف شعبان کے بعد پانی جاری ہوتا ہو اور صرف تین دن بہتا ہو پھر دوسرے سال تک ایک قطرہ نہیں نکلتا۔ اس چشمہ کی زیارت کے لیے لوگ بکثرت آتے ہیں اور تقرب الہی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اس پہاڑ پر متعدد دحوض اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

عرقہ حمّۃ سے چل کر ایک ایسے جنگل میں گزر ہوا جہاں نرگس کے تختے کھلے ہوئے تھے اور سارا جنگل ان پھولوں سے سفید نظر آتا تھا۔ چنانچہ میں

صحرا سے نکل کر میں اس شہر میں پہنچا جس کو عرقہ کہتے تھے اور جب عرقہ سے دفرنگ آگے بڑھا تو بحر الروم کے کنارے پر تھا اور ساحل سے دکھن کی طرف پانچ فرسنگ طو کیے تھے کہ شہر طرابلس آگیا۔ جس راستہ سے میں آیا ہوں یہاں سے حلب چالیس فرسنگ ہے۔

طرابلس | پنجشنبہ کے دن پانچویں شعبان (۴۹ فروری) کو میں طرابلس پہنچا۔ حوالیہ شہر میں کھیت، باغات اور ہر قسم کے درخت تھے۔ مگر اچھے (گنایا پونڈا) کے کھیت بہت زیادہ تھے۔ نابرج (نارنگی) چکوتڑہ، کیلہ، بیوں اور کھجور کے بھی درخت تھے اور اس زمانہ میں ایکھ کارس نکالا جاتا تھا۔

شہر طرابلس اس طرح آباد کیا گیا ہے جس کے تین جانب بحر الروم ہے، اس لیے جب دریا بڑھتا ہے تو کسی قدر پانی فصیل شہر پر چڑھ جاتا ہے اور جس طرف خشکی ہو اُدھر ایک زبردست خندق ہے اور اس پر لوہے کا ایک مضبوط پھانک ہے۔ مشرقی دیوار پتھر تراش کر بنائی گئی ہے جس پر گنگرے اور تولوپوں کے بھوکے ہیں اور برجیوں پر عوامے دایک قسم کی چھوٹی منجینق (چڑھے ہوئے تھے کیونکہ رڈوم والوں (ملک اٹلی) کی طرف سے خطرہ رہتا ہے، جو جہازوں کے ذریعہ سے حملہ کرتے ہیں۔ شہر کی پیمائش ہزار مربع گز ہے۔ (جملہ مکانات) چو منزلہ، بلکہ چھو منزلہ ہیں۔ گلیاں اور بازار ایسے صاف ستھرے ہیں، گویا ایک سجا ہوا محل ہے۔ ہر قسم کی غذائیں، میوے اور ماکولات جو میں نے ایران میں دیکھے تھے وہ سب یہاں موجود ہیں، بلکہ اس سے تنو گنا زیادہ ہیں اور وسط شہر میں جامع مسجد بہت ہی خوبصورت اور مضبوط موجود ہے اور صحن مسجد میں ایک بڑا قلعہ بنایا ہے جس کے نیچے سنگ مرمر کا حوض ہے اور وسط حوض میں ایک پتیل کا قرارہ ہے۔

بازار میں ایک سیل (مشرع) ہو جس میں پانچ ٹونٹیوں سے بکرت پانی نکلتا ہو۔ جو لوگوں کے کام آتا ہو۔ اور زائد پانی زمین کے اندر ہی اندر سمندر میں چلا جاتا ہو۔ شہر کی مردم شماری بیس ہزار بیان کی جاتی ہو اور طرابلس میں قصبات و دیہات بہت ہیں۔ یہاں شل سمرقند کے کاغذ اچھا بنتا ہو، بلکہ اس سے بہتر ہوتا ہو۔ طرابلس سلطان مصر کا مقبوضہ ہو۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں روپیوں نے طرابلس پر حملہ کیا تھا اور یہاں کے مسلمانوں نے لڑکر رومی فوج کو شکست دی تھی۔ اس صلہ میں سلطان نے خراج معاف کر دیا تھا اور ہمیشہ سلطانی فوج یہاں رہتی ہو جس پر ایک افسر ہوتا ہو تاکہ شہر کو دشمن سے محفوظ رکھے۔ یہ پرمٹ خانہ ہو کیونکہ یونان، فرنگ، اندلس (اسپین) اور ملک مغرب سے جس قدر تجارتی جہاز آتے ہیں وہ سلطان کو عشر (دسواں حصہ) ادا کرتے ہیں اور اس آمدنی سے فوج کی تنخواہ ادا ہوتی ہو۔ اور سلطان کے ذاتی جہاز بھی ہیں جو روم (جزیرہ صقلیہ رسیلی) اور ملک مغرب کو تجارتی سامان لے جاتے ہیں۔

باشندگان شہر عموماً شیعہ ہیں اور شیعوں نے ہر شہر میں خوبصورت مسجدیں تعمیر کی ہیں اور ہر مسجد کے ساتھ مثل رباط کے مکانات بھی ہیں، لیکن وہاں کوئی ٹھہرتا نہیں ہو اور ان مکانات کو مشہد کہتے ہیں۔ شہر کے باہر کوئی مکان نہیں ہو مگر دو تین مشہد، جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

طرابلس | پھر میں نے طرابلس سے مثل سابق بحر الروم کے کنارے کنارے سفر شروع کیا، چنانچہ جنوب کی طرف ایک فرسنگ کے

لے اب نوشی کے لیے خاص خاص مقامات پر آبدار خانے بنائے جاتے تھے اس پر گہ ہوتا تھا، یہ آبدار خانہ چونکہ بحر الروم کے کنارے تھا لہذا نزل کے ذریعہ سے پانی آتا تھا۔ اور ہندوستان کی اصطلاح کے مطابق ہم نے مشرع کا سیل ترجمہ کیا ہو۔

فاصلے پر ایک قلعہ دیکھا جس کو قلمون^{۱۶} کہتے ہیں۔ اس کے اندر پانی کا چشمہ تھا۔ یہاں سے میں طرا بڑن کو روانہ ہوا۔ طرابلس سے اس کا فاصلہ پانچ فرسنگ ہو۔
جَبیل | دہاں سے شہر جبیل^{۱۷} میں داخل ہوا۔ یہ شہر پتھریل مثلث (ستہ گوشہ) واقع ہو جس کا ایک گوشہ بحر اُردم کی طرف ہو اور اس کے گرد ایک بہت بلند اور مضبوط دیوار کھچی ہوئی ہو۔ اطراف شہر میں کھجور اور دوسری قسم کے گرم سیر درخت بکثرت ہیں۔ ایک لڑکے کو میں نے دیکھا کہ سرخ اور سفید گلاب کا پھول لیے پھرتا ہو، حالانکہ ماہ اسفندارند (مارچ) کی پانچویں تاریخ تھی اور قدیم سنہ فارسی یزدجردی^{۱۸} السکہ تھا۔

بیروت | جبیل سے بیروت^{۱۹} آیا، پتھر کی ایک محراب اس قدر بڑی نظر آئی جس کے اندر سے سڑک جاری تھی، اونچائی اس محراب کی میں نے پچاس گز اندازہ کی اور محراب کی بلندی دیواروں میں سنگ سفید کی سلیں نصب تھیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک کا وزن تقریباً کچھ اوپر ستیئیس^{۲۰} من ہوگا۔ سطح زمین سے بیڑ گز تک اینٹوں کی دیوار ہو جس کے اوپر سنگ مرمر کے ستون کھڑے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کا دور آٹھ گز ہو جن کو دو آدمی پھٹکال ہاتھوں کے حلقے میں لے سکتے ہیں، پھر ان ستونوں پر دونوں جانب سڈول پتھر کی محرابیں ہیں جس میں چونہ اور مٹی کا میل نہیں ہو۔ پھر ان ستونوں کے اوپر وسط میں ایک بڑی محراب اور ہو جس کی اونچائی پچاس ہاتھ ہو اور پتھر کی ہرسل جو محراب میں لگی ہوئی ہو قیاساً اس کا طول آٹھ ہاتھ اور عرض چار ہاتھ ہو اور ہر ایک پتھر وزن میں تقریباً دو سو بائیس^{۲۱} من ہوگا اور ان پتھروں میں اس درجہ گُل کاری و نقاشی کی گئی ہو جو لکڑی میں بھی اس حُسن کے ساتھ کمتر ہی ہو سکتی ہو۔ اس نواح میں اب صرف یہی ایک محراب باقی رہ گئی ہو۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون مقام ہو؟ لوگوں نے کہا

ہم یوں سنتے آئے ہیں کہ یہ فرعون کے باغ کا دروازہ ہو اور نہایت قدیم ہو۔ اس نواح کے جنگل میں سنگ مرمر کے ایسے ستون بافراط بکھرے پڑے ہیں جن کے سر بند اور تنے سب منقش ہیں اور ان میں گول، چوکھٹے، چھوگوشتے اور ہشت پہل ہر قسم کے پتھر ہیں اور اس قدر سخت ہیں کہ لوہے کے آلات بھی اس پر کام نہیں دیتے اور اس نواح میں کسی جگہ پہاڑ نہیں ہو جس پر یہ گمان کیا جائے کہ یہ پتھر وہاں سے تراش کر لائے گئے ہیں اور دوسرے پتھر بھی تھے جو مجموعی رنگ یعنی لوہے کے رنگ سے ملتا جلتا نظر آتے تھے اور نواح شام میں اس قسم کے پانچ لاکھ ستون مع سر بند اور ڈالوں کے بکھرے پڑے ہیں اور کسی مخلوق کو خبر نہیں ہو کہ وہ کیا تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

صیدا | بیروت سے میں شہر صیدا میں آیا۔ بحر الروم کے کنارے ایکہ کے کھیت تھے، فضیل سنگین و مضبوط ہو جس میں تین پھاٹک ہیں، جامع مسجد بھی بڑی دکش ہو جس کے اندر پھول دار چٹانیاں بچی ہوئی ہیں۔ بازار خوب سجا ہوا ہو، اس آرائش کو دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ شاید سلطان کی آمد آمد ہو جس کے اعزاز میں شہر کی آئینہ بندی کی گئی ہو، جب لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ بات نہیں ہو بلکہ یہ شہر ہمیشہ یوں ہی سجا رہتا ہو، پھولاریاں اور باغ لیسے تھے گویا کسی بادشاہ نے اپنے دلی شوق سے لگائے ہیں اور اس میں محل بنایا ہو۔

صُور | صیدا سے پانچ فرسنگ چل کر میں صُور میں پہنچ گیا۔ یہ شہر بھی بحر الروم کے کنارے ہو اور ایک نوکیلی چٹان پر اس طرح آباد کیا گیا ہو کہ شہر بنی کی دیوار تنوگر سے زیادہ خشکی پر ہو اور باقی پانی میں ڈوبی ہوئی ہو اور پتھروں سے بنائی گئی ہو جس کی درزوں کو قیر سے وصل کیا ہو، تاکہ پانی اثر نہ کرے۔ شہر کی پیمائش قیاساً ہزار مرتبہ تھو۔ تمام عمارتیں پانچ چھو منزل کی ہیں، فوارے بکثرت

ہیں، خوبصورت بازار مال سے پٹے پڑے ہیں۔ شہر صور شام کے ساحلی شہروں میں دولت مندی کے لحاظ سے ضرب المثل ہے۔ باشندے اکثر شیعہ ہیں، قاضی شہر سنت و جماعتہ تھا جو ابو عقیل کا بیٹا کہلاتا تھا۔ یہ ایک وجیہ اور مال دار شخص تھا۔

دروڑہ شہر پر ایک مشہد ہے جس کو شیعوں نے بنایا ہے اور اس کو فرش، قذیل اور طلائی اور نقرئی فیتل سوزوں سے آراستہ کیا ہے۔ شہر بلندی پر آباد ہے اور پانی شہر میں پہاڑ سے آتا ہے۔ شہر کے دروازہ پر سنگین محرابیں ہیں جس کی پشت پر سے (نہر کی طرح) شہر میں پانی آتا ہے۔ اس پہاڑ میں شہر کے سامنے ایک ڈرہ ہے اگر اس کی سیدھ سے جانب مشرق چلیں تو اٹھارہ فرسنگ کی مسافت پر شہر دمشق آجاتا ہے یہ درہ دراصل وادی بظاف ہے۔

عکہ جب میں صور سے سات فرسنگ چلا تو شہر عکہ میں پہنچ گیا۔ اس ملک والے مدینہ عکاکھتے ہیں۔ عکہ بلندی پر آباد ہے۔ کچھ زمین اتار چڑھاؤ کی ہے، باقی ہموار ہے۔ سمندر کے کنارے جب تک بلندی نہ ہو کوئی شہر آباد نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ پانی کی طغیانی اور لہروں کی ٹکڑ سے کناروں کو ہر وقت خدشہ رہتا ہے۔ جامع مسجد وسط شہر میں ہے اور یہ شہر کا سب سے بلند حصہ ہے۔ مسجد کے تمام ستون سنگ مرمر کے ہیں اور قبلہ کے دائیں ہاتھ پر مسجد کے باہر صلیح پیغمبر علیہ السلام کی قبر ہے اور مسجد کے صحن کے ایک حصہ میں سنگی فرش ہے اور کھلی ہوئی زمین میں بنری ہوتی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کی تھی۔ میں نے شہر کی پیمائش کی، طول دو ہزار ہاتھ اور عرض پانسو ہاتھ تھا۔ فیصل بہت مضبوط ہے۔ عکہ کے مغرب اور جنوب میں بحر الرمد ہے اور جنوب کی طرف ^{۱۵}ملینا (بندر گاہ) ہے۔

بندر گاہ تمام ساحلی شہروں میں مینا ہوتا ہے اور مینا اس جگہ کا نام ہے جو جہازوں کے قیام کے لیے مش صطبل کے بنائی جاتی ہے جس کی پشت شہر کی طرف

اور لغلی دیواریں سمندر کی جانب ہوتی ہیں۔ مینا کی دیواریں سمندر کے کنارے تک ہیں اور ایک دروازہ پچاس گز بلند بنا کر چھوڑ دیا ہے اور کوئی دیوار نہیں ہے اور ایک دیوار سے دوسری دیوار تک ایک زنجیر کھینچی ہوئی ہے چنانچہ جب جہاز کو مینا میں لانا چاہتے ہیں تو زنجیریں ڈھیلی کر دیتے ہیں تاکہ وہ پانی کے نیچے چلی جائیں اور جہاز زنجیروں کے اوپر ہی اوپر پانی سے گزر جاتا ہے۔ پھر زنجیریں کھینچ لی جاتی ہیں تاکہ مخالف ان جہازوں پر قبضہ نہ کر سکے۔

چشمہ عین البقر | شرقی دروازہ کے بائیں ہاتھ پر ایک چشمہ ہے جس میں مھنڈیں سیڑھیاں اُترنے کے بعد پانی ملتا ہے۔ اس چشمہ کا عین البقر نام ہے۔ روایت ہے کہ یہ چشمہ حضرت آدم علیہ السلام کا نکالا ہوا ہے اور آپ اسی چشمہ سے اپنے بیلوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ اسی لیے اس چشمہ کو عین البقر کہتے ہیں۔

جب عکہ سے مشرق کی طرف سفر کریں تو ایک پہاڑ ملتا ہے جس میں انبیا علیہم السلام کے مزارات ہیں۔ لیکن رملہ جانے والوں کو عام راستے سے یہ مقام ذرا ہٹ کر پڑتا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان متبرک مزاروں کو جا کر دیکھوں اور خداوند تعالیٰ سے دعاں کے برکات کا خواستگار ہوں، مگر عکہ والوں نے کہا کہ راستہ میں مفسدوں کی آبادی ہے جو مسافروں کو چھیڑتے ہیں اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ چھین لیتے ہیں چنانچہ میں نے اپنا زادراہ مسجد عکہ میں رکھ دیا اور شرقی دروازہ سے روانہ ہوا۔

شنبہ کے دن تیسویں شعبان ۱۳۳۸ھ (۲۲ فروری ۱۹۲۰ء) کو اوّل وقت عک (ازنسل عدنان) کی قبر کی زیارت کی جو شہر عکہ کا بانی ہے اور جس کا شمار صلحا میں کیا جاتا ہے۔

دامن کوہ عکہ کے

مشہور و

مقدس مقامات

میرے ہمراہ کوئی رہ نما نہ تھا اس لیے میں متحیر تھا کہ
یکایک بفضلہ تعالیٰ اسی دن ایک عجیب سے ملاقات
ہوئی جو آذربائجان کا باشندہ تھا اور اس سے قبل

بھی ایک مرتبہ وہ ان مقدس مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا تھا اور
اب بقصد زیارت یہ اس کا دوسرا سفر تھا۔ اس عطیہ خداوندی پر میں نے
دو رکعت نماز پڑھی اور شکر کا سجدہ ادا کیا کہ جس ارادہ سے نکلا تھا، اس
کی خدانے مجھے توفیق دی اور وہ پورا ہوا۔

ایک گانو میں پہنچا جس کا نام بروٹ تھا۔ وہاں عبّیٰؑ اور ثمنونؑ علیہما السلام
کی قبر کی زیارت کی۔ پھر یہاں سے میں ایک غار میں داخل ہوا جس کو داتونؑ
کہتے تھے، یہاں ذوالکفلؑ علیہ السلام کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس
جگہ سے موضع اعلیٰ میں آکر مزار ہودؑ علیہ السلام پر فاتحہ خوانی کی، اس حظیرہ
کے اندر خر توت کا ایک درخت تھا جس کے نیچے عزیز نبیؑ علیہ السلام کی قبر تھی۔
(اس زیارت سے فارغ ہو کر) جنوب رو یہ چل کر میں ایک دوسرے موضع میں پہنچا
جس کو حظیرہ کہتے تھے اور اس گانو کے مغرب میں ایک درہ تھا جس کے
اندر صاف پانی کا چشمہ تھا جو ایک پتھر سے نکلا تھا اور چشمہ کے متصل ایک
مسجد تعمیر کی گئی ہے جس میں دو سنگی حجرے تھے اور چھت بھی پتھر کی تھی اور ایک
کھڑکی نصب تھی جس میں سے آدمی بہ شکل نکل سکتا تھا اور اس کے اندر برابر
برابر دو قبریں ہیں جن میں سے ایک شعیبؑ علیہ السلام کی ہے اور دوسری
آپ کی بیٹی (صفورہ) کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ گانو
والے مزار اور مسجد کی اچھی خدمت کرتے ہیں دیہی جھاڑ دیتے ہیں اور چراغ

لے (غروت) شہوت کی ایک خاص قسم ہے جو ملک شام سے مخصوص ہے اور یہ بہت بڑا ہوتا ہے۔

جلاتے ہیں)۔

خطیرہ سے چل کر موضع اربل^{۱۱۷} (اردب) میں پہنچا، اس گاؤ کے قبلہ رخ ایک پہاڑ ہو اور اس کے اندر خطیرہ (سنگی کٹہرہ) ہو جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی چار قبریں ہیں۔

اربل سے آگے بڑھ کر ایک ٹیلہ نظر آیا، جس کے نیچے غار تھا اور اس میں والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر تھی۔ اس زیارت سے مشرف ہو کر میں آگے بڑھا۔ ایک درہ ملا اس کے اخیر میں ایک چھوٹی سی جھیل (بحیرہ طبریہ) نظر آئی، جس کے کنارے شہر طبریہ آباد ہو، اس کا طول تقریباً چھو فرسنگ اور عرض تین فرسنگ ہو اور پانی بھی خوشگوار ہو۔

شہر طبریہ کی آبادی جھیل کے مغربی جانب ہو، تمام شہر کے حمام اور ان کا **طبریہ** مستعمل پانی جھیل میں گرتا ہو اور شہر و مضافات کے باشندے (جو کنارے پر آباد ہیں) اس جھیل کا پانی پیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں کے ایک حاکم نے حکم دیا تھا کہ شہر کا جس قدر گندہ پانی اس جھیل میں گرتا ہو اس کا رخ پھیر دیا جائے چنانچہ تعمیل حکم کی گئی، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جھیل کا پانی گندہ ہو گیا اور پینے کے قابل نہیں رہا مجبوراً حکم دیا کہ گندے نالے بدستور گر لائے جائیں۔ چنانچہ جھیل کا پانی اصلی ذائقہ پر آ گیا۔

شہر طبریہ کی دیوار مستحکم ہو جو جھیل کے کنارے سے شروع ہو کر تمام شہر کے گرد پھیلی ہوئی ہو، البتہ پانی کی طرف دیوار نہیں ہو اور اکثر عمارتیں پانی کے اندر ہیں کیونکہ زمین پتھر ملی ہو اور سنگ مرمر کے ستونوں پر خوش نما عمارتیں قائم ہیں اور یہ تمام ستون پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور طبریہ میں جھیل کی افراط ہو۔ وسط شہر میں جامع مسجد ہو اور مسجد کے دروازہ پر ایک چشمہ ہو اور چشمہ کے اوپر حمام بنایا ہو

جس کا پانی اس قدر گرم ہو کہ جب تک ٹھنڈا پانی نہ ملائیں بدن پر ڈالنا دشوار ہے، یہ
 تمام حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں نے
 بھی اس حمام میں غسل کیا تھا۔

طبریہ کی مسجد یا سمن | طبریہ میں ایک مسجد ہے جس کو مسجد یا سمن کہتے ہیں۔ مسجد
 کے مغرب جانب ایک بلند چوڑا ترہ ہے جس پر محرابیں
 گنج شہیدال اور بنی ہوئی ہیں اور اس کے چاروں طرف یا سمن

(جنیل) کے درخت لگائے گئے ہیں اور اسی بنا پر اس کو مسجد یا سمن کہتے ہیں۔
 اور مسجد کے جانب مشرق ایک برآمدہ ہے جس میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام
 کی قبر ہے جس کے چوڑے کے نیچے ستر پیغمبروں کے مرقد ہیں، جن کو بنی اسرائیل نے
 شہید کیا تھا۔ شہر کے جنوب میں دریائے لوط (بحر المیت) ہے جس کا پانی تلخ ہے۔
 دریائے لوط بھیل طبریہ کے جنوب میں ہے اور بھیل طبریہ بھی دریائے لوط میں آکر
 گرمی ہے اور شہر لوط اسی کے کنارے آباد ہے جس کے نشانات بھی اب باقی نہیں
 ہیں۔ میں نے ایک شخص سے سنا ہے کہ دریائے لوط کے پھین سے ایک سیاہ چیز پیدا
 ہوتی ہے جو شکل و صورت میں گیند سے مشابہ ہوتی ہے۔ بظاہر مثل پتھر کے ہے مگر
 حقیقت میں سخت نہیں ہے۔ (اور دریا میں تیرتی رہتی ہے) لوگ اس کو جمع کرتے
 ہیں اور ٹکڑے کر کے شہروں شہروں لے جاتے ہیں، جس کی تاثیر یہ ہے کہ اگر اس کا
 ایک ٹکڑا کسی درخت کے نیچے دفن کر دیں تو پھر کبھی اس میں کیرا نہیں لگتا ہے،
 اور نہ یہ کیڑے درختوں کی جڑوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور باغ ہر قسم کے
 کیڑوں (حشرات الارض) سے محفوظ رہتے ہیں، مگر اس جھوٹ سچ کا راوی دوتا
 ہے، اس کو عطار بھی خرید کرتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ شربت وغیرہ میں جو کیڑ
 پڑ جاتا ہے اور جس کو فقرہ یا نکتہ کہتے ہیں وہ بھی دفع ہو جاتا ہے۔

طبریہ میں چٹائی بناتے ہیں جو مصلے کا کام دیتی ہے اور جس کو باشندگان طبریہ پانچ دینار مغربی (تیس روپی) میں خرید کرتے ہیں۔ شہر کے جانب مغرب ایک پہاڑ ہے جس پر سنگ خارا کی دیوار ہے اور دیوار پر عبرانی خط میں لکھا ہے کہ ”اس تحریر کے وقت ثریا، برج حمل میں تھا“

مزار ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ | شہر کے باہر قبلہ رخ ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ لیکن کوئی شخص زیارت کو نہیں جاتا ہے، کیونکہ یہ آبادی شیعوں کی ہے، جب کوئی زیارت کو جاتا ہے تو لڑکے شور و غل کر کے پریشاں کرتے ہیں اور پتھر پھینکتے ہیں۔ اس لیے میں بھی زیارت سے محروم رہا۔ یہاں سے پلٹ کر میں موضع کفر کثہ میں پہنچا، جس کے جنوب میں ایک پہاڑی ہے اور اس کے اوپر عیسائیوں کی ایک خوبصورت خانقاہ بنی ہوئی ہے جس کا دروازہ مضبوط ہے اور حضرت یونس علیہ السلام کی قبر اس کے اندر ہے اور خانقاہ کے دروازہ پر ایک کنواں ہے جس کا پانی میٹھا ہے۔ اس زیارت سے فارغ ہو کر میں عکہ کو واپس آیا خانقاہ سے عکہ چار فرسنگ ہے۔ چنانچہ عکہ میں ایک دن ٹھیکر موضع حیفامیں آیا، یہاں تک راستہ میں بالو بکثرت تھی۔ غم میں سناروں کے لیے یہ کار آمد شے ہے جس کو ریگ مکی کہتے ہیں۔

حیفام | حیفام بحر الروم کے کنارے آباد ہے جس میں نخلستان اور دوسرے درخت بافراط ہیں۔ یہاں کشتی ساز رہتے ہیں جو بڑی کشتیاں

لے کوئی ماہر فن حساب کر کے یہ بتا سکتا ہے کہ آج تک کس قدر مدت ہوئی اور ثریا برج حمل

میں کس مدت کے بعد آتا ہے۔ مترجم

لے یہ قدیم قلعہ تھا جس کے آثار باقی ہیں۔ اب عرب اس کو ”قصر بنت الملک“ کہتے ہیں۔ ترجمہ

انحریزی سیاحت شام ناصر خسرو۔

بناتے ہیں اور ان سمندری کشتیوں کو خودی کہتے ہیں۔

الکنیسیہ ^{۱۲۹} ایک فرسنگ کی مسافت طو کر کے میں حیفہ سے دوسرے گاؤں میں پہنچا جس کا کنیسہ نام تھا، یہاں سے دریائی سڑک (یعنی وہ سڑک جو بحر الروم کے کنارے کنارے گئی ہو) گھوم کر جانب مشرق ایک پہاڑ کے اندر چلی گئی ہو، یہ حصہ جنگل و پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے جس کو وادی تما سچ (گھٹریال) کہتے ہیں۔ دو فرسنگ کے بعد پھر دریائی سڑک آگئی ہو جس کے کنارے جبری جانوروں کی ہڈیاں بکثرت نظر آئیں جو مٹی میں گھل مل کر پتھر کی طرح سخت ہو گئی تھیں اور یہ لہروں سے ٹکرانے کا نتیجہ تھا۔

قیساریہ ^{۱۳۰} وادی مذکور طو کر کے میں قیساریہ پہنچا جس کا فاصلہ عکہ سے سات فرسنگ ہو، قیساریہ خوبصورت شہر ہے جس میں نہر جاری ہے، نخلستان (کھجوروں کے درخت) نارنگی اور ترنج کے درختوں کی افراط ہو۔ فصیل مستحکم ہے، دروازہ آہنی ہے، شہر میں پانی کی نہریں جاری ہیں، جامع مسجد خوبصورت ہے اور صحن مسجد میں بیٹھ کر بحر الروم کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اس مسجد میں سنگ مرمر کا ایک منکرا رکھا ہوا تھا جس کا منہ چینی کے مرتبان کی طرح تنگ تھا جس میں تین من سے زیادہ پانی آتا تھا۔

شنبہ کا دن اور شبان کی اخیر تاریخ (۲۹ فروری) تھی کہ قیساریہ سے روانہ ہوا۔ ایک فرسنگ تک برابر ریگ مکی پر چلنا پڑا، اس مرتبہ بھی انجیر اور زیتون کے درخت بکثرت نظر آئے۔ پہاڑ اور جنگل کا تمام راستہ درختوں سے

لے کسی زمانہ میں یہاں بحر الروم ہوگا جو زلزلہ سے غائب ہو گیا ہو اور زمین برآمد ہو گئی ہو جس میں سے گہڑیاں کی ہڈیاں نکلتی ہیں اور یہی وجہ تسمیہ وادی کی ہو۔ اب اس جگہ ہزار ذوق (نہر نیلگوں) رواں ہے۔
پلینی کے نقشہ میں یہ وادی درج ہے۔

گھرا ہوا تھا۔

کفرسابا | چند میل چل کر ایک شہر میں پہنچا، جس کو کفرسابا^{۱۳۲} اور کفر سلام کہتے تھے، یہاں سے رملہ تین فرسنگ تھا۔ تمام راستہ درختوں سے بھرا پڑا تھا جیسا کہ اول لکھ چکا ہوں۔

کفر سلام

رملہ یا فلسطین | ایک شنبہ غرہ رمضان (یکم مارچ) کو رملہ میں داخل ہوا، قیساریہ سے رملہ کا فاصلہ آٹھ فرسنگ ہے۔ رملہ بہت بڑا

شہر ہے، جس کی اونچی اور مستحکم فصیل پتھر اور چونہ سے بنائی گئی ہے اور لوہے کے پھاٹک لگے ہوئے ہیں۔ شہر سے بحر الروم تین فرسنگ ہے۔ رملہ کے باشندے برساتی پانی پیتے ہیں۔ ہر مکان میں حوض موجود ہے جس میں بارش کا پانی بھر لیتے

ہیں، جامع مسجد میں بھی ایک بڑا حوض ہے، جب یہ لبریز ہوتا ہے تو جس کا دل چاہے پانی بھر لے جائے۔ مسجد کا رقبہ تین سو قدم سے دو سو قدم تک ہے۔

(۲۰۰ × ۳۰۰) ایک برآمدہ پر لکھا ہوا تھا کہ ۱۵ محرم ۴۲۵ھ (۱۰ دسمبر

۳۳۳ء) کو یہاں ایک بڑا زلزلہ آیا تھا جس نے بکثرت عمارتیں ڈھادی تھیں

لیکن کسی شخص کو صدمہ نہیں پہنچا تھا، اس شہر میں سنگ مرمر با فراط ہے، اکثر

عمارتیں اسی پتھر کی ہیں جس میں تکلفات اور نقاشی سے کام لیا گیا ہے۔ یہ نرم

سنگ مرمر آہ سے تراشا جاتا ہے جس میں دانٹے نہیں ہوتے اور ریگ کی درزوں

میں ڈالتے جاتے ہیں اور لکڑی کی طرح طول کی جانب سے آہ کو کھینچتے ہیں۔

اور عرض کو چھوڑ دیتے ہیں اور پتھر کے تختے بنا لیتے ہیں، میں نے یہاں رنگ

برنگ کے پتھر دیکھے۔ سبز، سرخ، سیاہ، سفید لیکن یہ سب مصنوعی رنگ تھے۔

یہاں ایک خاص قسم کا انجیر پیدا ہوتا ہے جس سے بہتر اور کہیں نہیں ہوتا

اور ملکوں ملکوں جاتا ہے۔ رملہ کو مالک شام اور مغرب میں فلسطین کہتے ہیں۔

تیسری رمضان (۳۰ مارچ) کو رملہ سے چل کر موضع لثرون^{۱۳۴} پہنچا، اور یہاں سے قَرْيَةُ الْعَنْبِ (انگور کا گاؤں) میں آیا۔ راستہ میں خود روسلاب (دودینہ کی طرح کی ایک گھاس کا نام ہے) بکثرت دیکھنے میں آئی جو پہاڑ اور جنگل میں اُگی ہوئی تھی۔ اس گاؤں میں ایک خوبصورت چشمہ پانی کا دیکھا جو ایک چٹان سے نکلا تھا اور یہاں لوگوں نے (سیاحوں کے قیام کے لیے) مختصر مکانات بنا دیے ہیں۔ یہاں سے سامنے کے رُح پر چلے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں اور جب نیچے اتریں گے تو کوئی شہر ملے گا لیکن ذرا بلندی پر چل کر ایک بڑا جنگل ملا جس کی زمین کہیں سخت اور کہیں نرم تھی اور پہاڑ کی چوٹی پر شہر بیت المقدس آباد ہے، ساحل طرابلس سے بیت المقدس تک چھپن فرسنگ اور بلخ سے بیت المقدس تک آٹھ سو چھتر فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

۶۔ بیت المقدس

سیاحت کا دوسرا سال | پانچویں رمضان ۳۳۵ھ (۵ مارچ ۹۴۷ء) کو بیت المقدس میں داخل ہوا۔ گھر سے نکلے ہوئے آج پوراشمش سال ہو گیا تھا اور روزمرہ کے سفر سے کسی جگہ قیام و آرام نصیب نہیں ہوا تھا۔

شامی اور اس نواح کے باشندے بیت المقدس کو قدس کہتے ہیں، شامیوں میں سے کوئی حج کو نہیں جاتا ہے بلکہ ایام حج میں یہ لوگ قدس شریف میں حاضر ہوتے ہیں اور موقف میں ٹھہر کر دستور کے مطابق عید کی قربانی کرتے

اصل نسخہ میں خاتون ہے۔ یہ غلط ہے صحیح نام لثرون ہے۔ نوٹ ملاحظہ ہو۔

۱۳۴ ناہر خرداد ۳۳۵ شعبان ۳۳۵ھ کو مرو شاہ جان سے روانہ ہوا تھا اور سلخ شعبان ۳۳۵ھ میں قیام سے قدس کو روانہ ہوا۔ اس حساب سے سیاحت کا ایک سال ختم ہوا اور رمضان ۳۳۵ھ سے دوسرا سال شروع ہوا۔

ہیں۔ کسی سال ذی الحجہ کی ابتدا میں بیس ہزار سے زیادہ زائرین یہاں آتے ہیں اور اپنے بچوں کے ختنے کراتے ہیں اور ممالک روم اور دیگر مقامات سے بکثرت عیسائی اور یہودی یہاں کے گرجاؤں اور ہیکلوں کی زیارت کو آتے ہیں۔ بیت المقدس کے بڑے گرجا کے حالات اپنے موقع پر تحریر ہوں گے۔

شہر بیت المقدس اور اس کے فواح کا علاقہ کوہستانی ہو۔ تمام زراعت اور زیتون و انجیر کے درخت آبپاشی سے محروم ہیں۔ تاہم اشیا کی افراط ہو اور نرخ ارزاں ہو، دولت مندوں میں سے بعض ایک ہزار آٹھ سو پچتر من (تقریباً ۶۸۰۰ گیلن) روغن زیتون حوض اور چالٹ میں بھر لیتے ہیں۔ پھر اس کو دوسرے ملکوں میں (تاجرانہ حیثیت سے) لے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہو کہ ملک شام میں کبھی قحط نہیں پڑا ہو اور ثقہ لوگوں سے میں نے سنا ہو کہ ایک بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا تھا کہ ”یا رسول اللہ معاش میں ہماری اعانت فرمائیے“ ارشاد ہوا کہ ”روٹی اور روغن زیتون میرے ذمہ ہو“ اب میں شہر بیت المقدس کا حال لکھتا ہوں۔ یہ شہر پہاڑ پر آباد ہو اور اس میں صرف بارش کا پانی رہتا ہو البتہ دیہات میں پانی کے چشمے ہیں۔ شہر میں کوئی چشمہ نہیں ہو کیونکہ شہر پہاڑ پر آباد کیا گیا ہو اور شہر کے گرد پتھر اور چٹان کی مضبوط دیوار ہو اور لوہے کے پھاٹک ہیں۔ آبادی میں کسی درخت کا پتہ نہیں ہو۔ بیت المقدس بڑا شہر ہو اور فی زمانہ (عہد سیاحت ناصر خسرو) اس کی مردم شماری بیس ہزار ہو۔ بازار خوبصورت اور عمارات بلند ہیں۔ شہر میں تھر کے چوکوں کا فرش ہو۔ اور جہاں پہاڑ تھا اس کو کاٹ کر ہموار کر دیا ہو۔ بناچہ بارش ہونے پر تمام شہر دھل کر صاف ہو جاتا ہو۔

شہر میں دستکاروں کی افراط ہو اور ہر پیشہ ور (صناع) کے بازار

جدا گاہ ہیں، فصیل شہر کی جو مشرقی دیوار ہو، وہی جامع مسجد کی دیوار ہو۔
سآہرہ | جب جامع مسجد سے آگے بڑھو تو مسلسل ایک بڑا جنگل ملتا ہے جس کو
 سآہرہ کہتے ہیں اور مشہور ہے کہ یہی میدان قیامت ہو اور یہی محشر خلافت ہوگا۔
 اور محض اسی خیال سے اطراف عالم سے اگر لوگ یہاں قیام کرتے ہیں تاکہ اس
 مقدس سرزمین میں اُن کا انتقال ہو۔ اور جب خدا کا وعدہ پورا ہو تو مقام
 موعود پر حاضر ہو جائیں۔ خدا وندا! بندوں کو اس دن تو اپنی پناہ میں
 رکھنا اور ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ آمین یا رب العالمین۔

اس جنگل کے کنارے ایک بڑا مقبرہ ہو اور بکثرت مقدس مقامات
 ہیں جہاں حاضر ہو کر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور حاجت براری کی دعائیں
 مانگتے ہیں اور خدا ان کی دعائیں پوری کرتا ہے۔ اللهم تقبل حاجاتنا واغفر
 ذنوبنا وسعیاتنا وادرحمنا برحمتک یا ارحم الراحمین۔ دای خدا!
 ہماری مرادوں کو پورا کر اور ہمارے گناہوں اور بد اعمالیوں کو معاف فرما! اور
 اے سب سے بڑے رحم کرنے والے اپنی رحمت سے ہم پر رحم کر۔

مسجد اور دشت سآہرہ کے باہن نشیب میں ایک وادی ہو اور پھر اس
 وادی میں جو بطور خندق کے ہو قدیم طرز کی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ ایک
 مکان کے اوپر میں نے دیکھا کہ پتھر کا ترشا ہوا گنبد رکھا ہے جو بالکل ہی عجیب
 و غریب تھا اور سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اپنی جگہ سے وہ کیونکر اُٹھایا گیا ہے۔ لیکن
 یہ روایت زباں زد ہے کہ یہ فرعون کا محل تھا۔ اور وادی مذکور یہی وادی
 جہنم ہے۔

وادی جہنم | میں نے دریافت کیا کہ اس جگہ کا یہ نام کس نے رکھا ہے؟
 لوگوں نے بیان کیا کہ امیر المومنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ

کے عہد خلافت میں یہاں (دشت ساہرہ) فوج کا قیام ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وادی کو دیکھ کر اس کا نام وادی جہنم رکھا تھا۔ عوام کا بیان ہے کہ جو شخص اس وادی کے سرے تک جائے تو اس کو دوزخیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ میں آخر تک گیا لیکن میں نے تو کچھ نہیں سنا۔ شہر سے جنوب کی طرف نصف فرسنگ چلنے پر جب نشیب میں اتریں تو چشمہ

عین سلوان ملتا ہے۔ یہ چشمہ ایک پتھر سے نکلا ہے جس کے کنارے بکثرت عمارات ہیں اور اسی چشمہ سے گائیں پانی جاتا ہے۔ یہ آباد موضع ہے جس میں باغات لگائے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس چشمہ میں غسل کرنے سے امراض کہنہ دور ہو جاتے ہیں اور اس چشمہ کے متعلق کثرت سے اوقاف ہیں۔

بیت المقدس | بیت المقدس کا شفا خانہ (بیمارستان) اچھا ہے اور مصارف کے لیے بڑی جاہلاد وقف ہے اور بکثرت لوگوں کو ہر قسم کی دوائیں اور مشربیت مفت ملتے ہیں اور شفا خانہ کے طبیب وقف کی آمدنی سے تنخواہ پاتے ہیں۔ اور شہر کے مشرقی کنارہ پر جامع مسجد (مسجد اقصیٰ) ہے، جس کی ایک دیوار وادی جہنم کے کنارے ہے۔ جب مسجد کے بیرونی رخ سے اس دیوار کو دیکھیں تو وہ تقریباً سو گز کی معلوم ہوتی ہے جو بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہے اور جس میں مٹی اور چونہ کی جوڑائی نہیں ہے اور صحن مسجد سے تمام دیواروں کی چوٹیاں ایک سیدھ میں نظر آتی ہیں اور یہ مسجد اقصیٰ محض سنگ صخرہ کی وجہ سے بنائی گئی ہے۔

لہ شفا خانہ کا نام بیمارستان اس لیے ہے کہ اس میں مریضوں کے قیام کے لیے وارڈ ہوتے تھے اور یہ ایرانیوں کی ایجاد ہے۔

صخرہ مبارک

اور مسجد اقصیٰ

یہ سنگ صخرہ وہی ہے جس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ تم اس کو اپنا قبلہ بناؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمان خداوندی کے مطابق اس کو قبلہ بنایا تھا، لیکن اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ کا انتقال ہو گیا اور عمر نے دفنانہ کی، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک یہی سنگ صخرہ قبلہ بنا رہا لہذا اس کے گرد مسجد تعمیر ہوئی۔ چنانچہ صخرہ وسط مسجد میں آگیا اور وہی مخلوق کا قبلہ قرار پایا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو قبلہ جانتے تھے اور اسی طرف سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایزد تبارک تعالیٰ کا فرمان صادر ہوا کہ تمہارا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ (تفصیلی بیان اپنے موقع پر آتا ہے) میں مسجد کی پیمائش کرنا چاہتا تھا پھر خیال آیا کہ اول غور سے مسجد کی شکل و صورت دیکھ لوں اس کے بعد پیمائش کر لی جائے گی۔ چنانچہ اس خیال سے مدتوں مسجد میں چل پھر کر دیکھتا رہا تو جانب شمال، قبة یعقوب علیہ السلام کے قریب ایک محراب میں کتبہ ملا جس میں لکھا تھا کہ طول اس مسجد کا سات سو چار ہاتھ اور عرض چار سو پچیس ہاتھ ہے۔ یہ پیمائش گز ملک کے مطابق ہے اور یہ وہی گز ملک ہے جس کو خراسان میں گز شامگاں کہتے ہیں اور یہ گز پیمائش میں ڈیڑھ ہاتھ سے کچھ ہی کم ہوتا ہے۔ (نومٹی، ابن حوقل)۔

مسجد کا فرش سنگین ہے اور پتھر کی درزوں کو رنگ سے بند کیا ہے اور مسجد شہر و بازار کے مشرق جانب واقع ہے، کیونکہ جب بازار سے مسجد میں داخل ہوں تو مشرق سامنے پڑتا ہے، ایک بڑا خوبصورت دروازہ ہے جو بیس گز اونچا اور بیس گز چوڑا ہے جس میں دو بغلی کھڑکیاں نکالی ہیں، چنانچہ دروازہ اور کھڑکیاں او ایوان طرح طرح کے نقش و نگار اور مینا (شینے پر سبز لاجوردی کام کو مینا کہتے ہیں) کے کام سے آراستہ ہیں اور یہ کام پلاستر کے اوپر بنایا گیا ہے جس کے دیکھنے

سے آنکھوں کو چکا چوند ہوتی ہے اور دروازے پر جو کتبہ لگا یا ہے وہ بھی مینا کار ہے جس پر سلطان مصر کا لقب لکھا ہوا ہے جب سورج کی کرنیں اس دروازے پر پڑتی ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اور سڈول پتھر کا ایک گنبد اس دروازہ کے اوپر ہے۔

اور دروازے پر تکلف ہیں جس کے اوپر دمشق کا میٹل دجو بعینہ سونا معلوم ہوتا ہے) جڑا ہوا ہے، جس پر سونا گھوٹ کر بے شمار بیل بوٹے بنائے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پندرہ گز اونچا اور آٹھ گز چوڑا ہے اور اس دروازہ کا نام باب داود ہے۔ جب اس دروازہ سے نکلیں تو داسٹے ہاتھ پر دو بڑے دالان ملتے ہیں جن میں سے ہر ایک میں انتیس ستون سنگ مرمر کے ہیں اور ہر ستون کا بالائی جُڑ یعنی سر بند اور نیچے کے پائے (گُرسیاں) رنگین سنگ مرمر کے ہیں اور درزوں کو قلعی سے بند کیا ہے اور ستون کے اوپر پتھر کی محرابیں ہیں جس میں گارے اور چونہ کا نام نہیں ہے بلکہ تلے اوپر پتھر رکھ دیے گئے ہیں۔ چنانچہ کسی محراب میں چار پانچ پتھر سے زیادہ نہیں ہیں اور یہ سلسلہ عمارت مقصورہ تک ہے۔ جب اس دروازہ سے بائیں ہاتھ پر جائیں (یہ مسجد کا شمالی حصہ ہے) تو ایک لائبا دالان ملتا ہے جس میں چونسٹھ محراب ہیں اور سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہیں۔ اور اس دیوار کے قریب ایک دوسرا دروازہ ہے جس کو باب السقر کہتے ہیں اور طول مسجد اقصیٰ کا شمال سے جنوب کی طرف ہے اور چونکہ اس رخ سے مقصورہ تراش لیا ہے، لہذا صحن مرتفع ہو گیا ہے اور قبلہ جنوب کی طرف پڑتا ہے اور شمال کی طرف یکے بعد دیگرے دروازے ہیں جن میں سے ہر ایک سات گز چوڑا اور بارہ گز اونچا ہے اور اس دروازہ کو باب الاسباط کہتے ہیں۔

اس مسجد کے اس حصہ کو مقصورہ کہتے ہیں جو کثیرہ لگا کر خلفاء، سلاطین اور عابدین ملک کے نماز پڑھنے کے لیے محدود کر دیا جاتا ہے اور یہ ایک امن کی جگہ ہوتی ہے۔

اور جب اس دروازے سے مسجد کے صحن کی طرف چلیں جو جانب مشرق ہو تو پھر ایک بڑا دروازہ ملتا ہو جس میں تین در ہیں، اور اسی قدر بڑے ہیں جیسا کہ باب الاسباط ہو۔ ان دروازوں پر لوہے اور پتیل کا ایسا کام بنایا گیا ہو جس سے زیادہ خوبصورت ہونا غیر ممکن ہو۔ اس دروازہ کو باب الابواب کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اور پچھلے دو در کے ہیں اور یہ سہ درہ ہو اور ان دو شمالی دروازوں کے مابین اس دالان پر جس کی محرابیں ستونوں پر ہیں ایک قبة ہو اور یہ قبة اونچے ستونوں پر قائم ہو جو قدیل اور چراغ والوں سے آراستہ ہو۔ اور اس کو قبة یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے اور صحن مسجد پر ایک عمارت ہو جس کی دیوار پر ایک دروازہ نصب ہو جس کے باہر صوفیوں کے لیے دور یا صنت گاہیں بنی ہوئی ہیں جن کے اندر خوبصورت مصلے اور محرابیں بنی ہیں اور اس جگہ ہمیشہ صوفیوں کے جھگٹے رہتے ہیں اور وہ اسی جگہ نماز پڑھتے ہیں لیکن جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہیں اور تکبیر کی آواز بالا خانے تک پہنچ جاتی ہو اور مسجد کے رکن شمالی پر دوسری خوبصورت عمارت ہو جس پر ایک شاندار اور خوبصورت قبة بنا ہوا ہو اور اس پر تحریر ہو "هذه المحراب شکس یا"۔ روایت ہو کہ حضرت زکریا علیہ السلام ہمیشہ اس جگہ نماز پڑھا کرتے تھے اور مشرقی دیوار پر مابین مسجد ایک بڑا دالان ہو جس کو سڈول پتھر سے گویا ایک ڈال تراش لیا ہو۔ اس کی اونچائی پچاس گز اور چوڑائی تیس گز ہو جس میں نقاشی اور منبت کاری کی گئی ہو اور اس دالان میں دس خوبصورت دروازے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر دو دروازوں کے مابین ایک پایہ ہواں دروازوں میں بہت کچھ تکلف کیا گیا ہو جس میں لوہے اور دمشق پتیل کے کڑے اور گل میخیں جڑی ہوئی ہیں۔ روایت ہو کہ اس عمارت کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے

بنایا تھا، جب اس کے اندر مشرق سے داخل ہوں تو ان دروازوں میں سے جو دائیں ہاتھ پر ہیں ایک باب الرحمتہ اور دوسرے کو باب التوبہ کہتے ہیں اور یہی وہ دروازہ ہے جہاں خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول کی تھی۔ اس دروازہ پر ایک خوبصورت مسجد ہے۔ کسی زمانہ میں یہ ایک اندرونی دالان تھا جس کو اب مسجد کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس مسجد میں طرح طرح کے فرش بچھے ہوئے ہیں اور اس کے خدام بھی جدا گانہ ہیں، یہاں ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے جو نماز اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ اسی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، اسی بنا پر ہر شخص معافی گناہ کا امیدوار ہے۔

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جیسے ہی چوکھٹ کے اندر قدم رکھا ہے، ویسے ہی بذریعہ وحی قبولیت توبہ کی خوش خبری آگئی اور آپ اسی جگہ ٹھہر گئے اور عبادت میں مشغول ہوئے اور ناصرنے بھی (یعنی میں نے) اس جگہ نماز پڑھی اور خدا سے مناجات کی کہ اس کو گناہوں سے بچنے اور عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خداوند عالم تمام بندوں کو ایسی توفیق دے جس میں رضائے الہی ہے۔ اور اپنے حبیب اور آل اطہار کے صدقہ میں گناہوں سے توبہ نصیب کرے۔ مشرقی دیوار کا جو جنوبی گوشہ ہے اسی سمت پر کعبہ ہے اور شمالی دیوار کے سامنے ایک زمین دوز مسجد ہے (بطور تہ خانہ) جس میں بہت سی سیڑھیاں اُتر کر داخل ہوتے ہیں۔ یہ مسجد طول میں ۲۰ گز اور عرض میں ۱۵ گز ہے اور سنگ مرمر کے ستونوں پر سنگین چھت قائم ہے۔

مہدی عیسیٰ علیہ السلام | اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ (پالنا)

اسی جگہ رکھا ہوا ہے۔ یہ پتھر کا ہے اور اس قدر بڑا ہے جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے بھی اس میں نماز پڑھی ہے اور اس کو زمین میں ایسا نصب کر دیا ہے کہ جنبش نہ کر سکے۔ یہ وہی ہندولہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں جھولا کرتے تھے اور لوگوں سے باتیں کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ گہوارہ مسجد میں بجائے محراب کے قائم ہے۔

اور اسی مسجد میں جانب مشرق محراب مریم علیہا السلام ہے اور دوسری محراب حضرت زکریا علیہ السلام کی ہے۔ کلام مجید میں حضرت زکریا اور حضرت مریم کی شان میں جس قدر آیات نازل ہوئی ہیں وہ ان محرابوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ روایت ہے کہ یہ مسجد مولد عیسیٰ علیہ السلام ہے اور پتھر کے ایک ستون پر دو انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس کو پکڑا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت مریم نے وضع حمل کے وقت اس ستون کو دو انگلیوں سے دبایا تھا اور یہ مسجد مہدی عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔ پتیل اور چاندی کی بکثرت قندیلیں آویزاں ہیں جو تمام رات جلتی ہیں جب اس مسجد کے دروازہ سے آگے بڑھیں اور مشرقی دیوار سے بڑی مسجد تک پہنچیں تو ایک دوسری مسجد ملتی ہے جو اس مسجد (مہدی عیسیٰ) سے دو چاند بڑی ہے اور اس کو مسجد الاقصیٰ کہتے ہیں۔

مسجد الاقصیٰ | یہ وہی مسجد ہے جس میں خدائے عز و جل نے نبی کریم کو شب معراج میں مکہ معظمہ سے یہاں تک پہنچایا تھا۔ اور پھر آپ یہاں سے آسمان پر تشریف لے گئے تھے جس کا تذکرہ کلام مجید کی اس آیت میں ہے: **سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى** اس جگہ خوشنما

(بلکہ وہ خدا عجز اور در ماندگی کے عیب سے پاک ہے) جو اپنے بندے محمد کو راتوں رات مسجد حرام (مکہ معظمہ)

سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا ہے)

عمارتیں بنی ہوئی ہیں جن میں پاکیزہ فرش بچھے ہوئے ہیں۔ اور جس کی خدمت کے لیے ہمیشہ خدام دست بستہ حاضر رہتے ہیں۔

جب (جنوبی مشرقی) دیوار کی طرف لوٹو تو اس گوشہ سے تقریباً ۲۰۰ گز تک کوئی عمارت نہیں ہے بلکہ مسجد اقصیٰ کے صحن کا ایک حصہ ہے اور مسجد کی صدر عمارت (یعنی بڑی محراب کا وہ دالان جس پر گنبد ہوتے ہیں) کا طول چار سو آٹھ ہاتھ ہے جس کے داہنے ہاتھ پر رقبہ حرم کے اندر جنوبی اور غربی دیوار کے گوشہ میں مقصورہ واقع ہے۔ اور مجموعی حیثیت سے چھت کا طول (مغربی ضلع کی لمبائی) ۲۲۰ ہاتھ اور عرض ۱۵۰ ہاتھ ہے۔ اور مسجد الاقصیٰ میں جملہ دو توائسی سنگ مرمر کے ستون ہیں اور ان پر پتھر کی محرابیں ہیں اور ان ستونوں کے سر بند اور تنے منقش ہیں۔ اور درزوں کو رانگ سے ایسا بند کر دیا ہے جس سے زیادہ مستحکم ہونا غیر ممکن ہے۔ اور ہر دو ستونوں کے مابین چھو ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ اور تمام فرش رنگین سنگ مرمر کا ہے، اور ان پتھروں کی درزوں پر رانگ کی ٹیپ ہے۔

مسجد الاقصیٰ کا مقصورہ
مقصورہ (مسجد و رقبہ حرم کی) جنوبی دیوار کے وسط میں ہے اور بہت بڑا ہے جس میں سولہ ستون ہیں اور قتبہ بھی بہت بڑا ہے جس پر مینا کاری کی گئی ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

مقصورہ کے اندر مغربی چٹائیوں کا فرش ہے۔ قندیلیں اور چراغ دان جدا جدا زنجیروں میں لٹکے ہوئے ہیں اور بڑی محراب مینا کار بناتی ہے، جس کے ہر دو جانب سنگ مرمر کے ستون عقیق سرخ کی طرح ہیں۔ اور مقصورہ کی چاروں طرف کی دیوار سنگ مرمر کی ہے اور دائیں ہاتھ پر امیر معاویہ کی محراب ہے اور بائیں ہاتھ پر حضرت عمرؓ کی محراب ہے۔

اس مسجد کی چھت لکڑیوں سے پٹی ہوئی ہے جو نقش و نگار سے آراستہ ہے،

مقصودہ کے صحن کی جانب پندرہ دروازے ہیں جس میں خوبصورت جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں اور ہر ایک دروازہ دس گز اونچا اور چھ گز چوڑا ہے۔ چنانچہ منجملہ پندرہ کے دس دروازے اس دیوار میں ہیں جس کا طول ۴۲۰ فٹ ہے اور پانچ دروازے اس دیوار میں ہیں جس کا طول ۱۵۰ فٹ ہے اور منجملہ ان دروازوں کے ایک خاص پیتل کا ہے جو نہایت خوبصورت اور پر تکلف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا طلائی ہو کیونکہ خالص و نرم چاندی سے زمین تیار کر کے اس پر نقش و نگار بنائے ہیں۔ اور خلیفہ مامون الرشید عباسی کا نام اس پر منقش ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مامون الرشید نے اس دروازہ کو بغداد سے بھیجا تھا۔ جب مسجد کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں اس وقت اس مسجد کا اندرونی حصہ ایسا روشن ہو جاتا ہے گویا ایک کھلا ہوا صحن ہے جس میں چھت نہیں ہے۔ البتہ ہوا اور بارش کے زمانہ میں دروازے بند رہتے ہیں اور مسجد کے اندر روشنی روزوں سے آتی ہے اور صدر عمارت کے ہر چار جانب باشندگان ممالک شام اور عراق کی طرف سے صندوق رکھے ہیں (خیرات کے لیے) اور مجاور بیٹھے رہتے ہیں جیسا کہ مسجد الحرام مکہ معظمہ میں دستور ہے اور مسجد الاقصیٰ کے باہر بڑی دیوار پر جس کا ذکر ہو چکا ہے، ایک عمارت ہے جس میں بیالیس محراب ہیں اور تمام ستون رنگین سنگ مرمر کے ہیں اور یہ عمارت مغربی عمارت سے جا کر مل جاتی ہے اور اندرونی حصہ مسجد میں ایک حوض ہے کہ جب اس پر ڈھکنا رکھ دیا جاتا ہے تو زمین کے برابر نظر آتا ہے۔ یہ حوض برساتی پانی کے لیے ہے۔ اور دیوار جنوبی پر ایک دروازہ ہے، وہاں ایک وضو خانہ ہے اور پانی بھی رہتا ہے کہ اگر کسی کو وضو کی ضرورت ہو تو اسے وضو کرے کیونکہ اگر کوئی وضو کے لیے مسجد سے باہر جائے تو پھر نماز نہیں مل سکتی ہے۔ اس لیے کہ حرم مسجد بہت

طویل ہو اور تمام عمارتوں کی چھت پر رانگ کی ٹیپ کی گئی ہو اور مسجد میں حوض اور تالاب بہت ہیں جو زمین کھود کر بنائے گئے ہیں، کیونکہ کل مسجد پہاڑی چٹان پر ہو چنانچہ برساتی پانی کا کوئی حصہ ضائع نہیں جاتا ہو بلکہ تالابوں میں جمع ہوتا ہو۔ اور یہی پانی لوگ بھر کر لے جاتے ہیں اور رانگ کے پرنا لے ہیں جن کے ذریعہ سے پانی بہتا ہو اور پرنا لوں کے نیچے سنگین حوض بنے ہوئے ہیں، جن کے پیندے میں سوراخ ہیں جن کے اندر سے پانی بہ کر نالیوں کے ذریعہ سے حوض میں چلا جاتا ہو، جو آمیزش سے پاک و صاف ہوتا ہو اور اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہوتی ہو۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر میں نے ایک بہت بڑا تالاب دیکھا جس میں پہاڑ سے آکر پانی جمع ہوتا ہو اور اس میں ایسی نالیاں بنائی ہیں جن کے ذریعہ سے شہر کی مسجد میں پانی آتا ہو۔ اور تمام شہر میں سب سے زیادہ پانی کی افراط مسجد میں رہتی ہو۔ شہر کے جملہ مکانات کے اندر حوض بنے ہوئے ہیں جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا ہو، کیونکہ برساتی پانی کے علاوہ اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا ہو۔ اور ہر شخص وہ پانی (جو برسات میں) پھتوں سے بہ کر گرتا ہو جمع کر لیتا ہو اور حمام وغیرہ میں یہی پانی خرچ ہوتا ہو۔ جس قدر حوض مسجد میں ہیں ان میں کبھی مرمت کی ضرورت نہیں ہوتی ہو کیونکہ یہ سب سنگِ خارا کے بنے ہوئے ہیں اور اگر کسی میں درز پڑ جاتی ہو یا سوراخ ہو جاتا ہو تو اس کو ایسا مضبوط بنا دیتے ہیں کہ پھر کبھی خراب نہیں ہوتا۔ روایت ہو کہ ان حوضوں کو سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کرایا ہو اور حوض کے دہانے اس قسم کے ہیں جیسے تنور اور کنویں کا منہ ہوتا ہو اور ہر حوض کے اوپر ایک پتھر رکھا ہوا ہو تاکہ کوئی چیز اس میں نہ گرے۔ شہر بیت المقدس کا پانی اور سب جگہ سے صاف ستھرا ہو اور اگر تھوڑی سی بھی بارش ہو جاتی ہو تو دو تین دن تک پرنا لوں سے پانی بہا کرتا ہو جب ہوا صاف

ہو جاتی ہو اور بادلوں کا نشان نہیں رہتا تب بھی پانی کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں۔ میں کہ چکا ہوں کہ شہر بیت المقدس پہاڑ کی چوٹی پر ہو اور زمین ہموار نہیں ہو لیکن مسجد الاقصیٰ کی زمین برابر اور ہموار ہو اور مسجد کے باہر دیگر مقامات کے مقابلہ میں جہاں نشیب ہو، مسجد کی دیوار بہت اونچی ہو، کیونکہ بنیاد نشیبی حصہ پر رکھی گئی ہو اور جہاں بلندی ہو وہاں دیوار بہت چھوٹی ہو لہذا جن مقامات میں شہری آبادی اور محلے نشیب میں ہیں، وہاں مسجد میں صحن کے جانب سرنگ لگا کر زمین دوز دروازے نکالے ہیں، ان دروازوں میں سے ایک کو "باب اللہی" کہتے ہیں جو قبلہ رو یعنی جنوب کی طرف ہو۔ اس دروازہ کی چوڑائی دس گز ہو اور بلندی سیرطھیوں کے مقابلہ میں کسی جگہ پانچ گز رہ گئی ہو، یعنی سرنگ کی چھت کسی جگہ بیس گز بلند ہو جس پر مسجد کی عمارت ہو اور سرنگ کی چھت اس قدر مضبوط ہو جس کے اوپر مسجد اقصیٰ جیسی بڑی عمارتیں بناتی ہیں اور پھر اس پر کوئی مدہ نہیں پہنچتا۔ اور ایسے بھاری پتھر لگائے ہیں کہ عقل میں نہیں آتا کہ قوت بشری نے ان کو اٹھا کر کس طرح یہاں تک پہنچایا ہو۔

روایت ہو کہ یہ عمارت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں اسی راستہ سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تھے۔ یہ دروازہ مکہ معظمہ کی سڑک پر ہو اور اس دروازہ کے قریب دیوار پر ایک بڑی پیر کے برابر نشان ہو جس کی نسبت مشہور ہو کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب (عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس جگہ قیام فرمایا تھا اور چونکہ آپ بیٹھ لگا کر بیٹھے تھے لہذا سپر کا پورا نقش دیوار پر بن گیا ہو اور مسجد کے اس دروازہ پر یعنی زمین دوز دروازہ کی چھت پر، ایک در میں دو کوڑ لگائے ہیں۔ مسجد کی دیوار باہر سے تقریباً پچاس گز بلند ہو اور اس دروازے کی تعمیر سے یہ غرض تھی

کہ اس محلہ کے باشندوں (جس میں مسجد کا یہ ضلع شامل ہے) کو مسجد میں چکر کاٹ کر آنا پڑے۔ اور مسجد کے داہنے ہاتھ پر دیوار میں ایک پتھر ہے جس کا طول گیارہ ہاتھ اور عرض چار ہاتھ ہے، چنانچہ اس سے بڑا کوئی دوسرا پتھر مسجد میں نہیں ہے۔ البتہ چوگڑے اور تھچ گڑے پتھر بافراط دیوار میں نصب ہیں جو سطح زمین سے تیس اور چالیس گز کی بلندی پر ہیں اور عرض مسجد میں ایک شرقی دروازہ ہے جس کا نام باب العین ہے۔ جب اس دروازہ سے نکل کر نشیب کی طرف اترتے ہیں تو چشمہ سلوان ملتا ہے۔

اور اسی قسم کا ایک دوسرا زمین دوز دروازہ ہے جس کا نام باب الحطہ ہے۔ روایت ہے کہ یہ وہ دروازہ ہے جس کی نسبت خدائے عزوجل نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی دروازہ سے مسجد میں داخل ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ”ادخلوا الباب سجداً و قولوا حطّۃ نخضر لکم خطیبکم و سنزید المحسنین“ ایک تیسرا دروازہ اور ہے جس کو باب السکینہ کہتے ہیں جس کے اندرونی دالان میں ایک مسجد ہے، جس میں بکثرت محرابیں ہیں اور اس کا پہلا دروازہ بند ہے جس میں کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں تابوت سکینہ (جس کا تذکرہ کلام مجید میں ہے) رکھا ہوا ہے جس کو فرشتے اٹھایا کرتے تھے اور جامع بیت المقدس میں اوپر اور نیچے کل نو دروازے ہیں، جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔

چبوترہ صخرہ کا بیان

مسجد الاقصیٰ کے صحن میں ایک چبوترہ ہے۔ سنگ صخرہ جو اسلام سے پہلے

لے دروازے میں داخل ہونا چکے جھکے اور کہتے جانا کہ توبہ ہے، ہم معاف کر دیں گے تمہاری خطائیں اور ابھی ابھی مزید برآں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔

قبلہ تھا، اسی چوترہ کے وسط میں رکھا ہوا ہے۔ اور چوترہ بنانے کا یہ سبب ہے کہ صخرہ بلند تھا اور اس پر عمارت بنانی غیر ممکن تھی، اس لیے چوترہ تعمیر کیا ہے جس کی پیمائش طولاً تین سو تینسٹ ماٹھ اور عرضاً تین سو ماٹھ اور بلندی بارہ گز ہے اور صحن مسطح خوبصورت سنگ مرمر کا ہے اور دیواریں بھی اسی پتھر کی ہیں جس کی درزیں لاٹک سے بند ہیں۔ اور اطراف چوترہ کو سنگ مرمر کے چوکوں سے بطور خطیرہ گھیر لیا ہے اور اس کی ساخت اس قسم کی ہے کہ بجز مقررہ راستوں کے کسی دوسرے راستے سے اس پر چڑھ نہیں سکتے ہیں۔ اور جب چوترہ پر چڑھ جائیں تو مسجد قصی کی چھت سے قریب ہو جاتے ہیں۔ صحن چوترہ میں ایک زمین دوز حوض ہے جس میں اس جگہ کا برساتی پانی نالیوں سے جا کر جمع ہو جاتا ہے۔ اس حوض کا پانی مسجد کے تمام حوضوں کے پانی سے بدرجہا پاک و صاف ہے۔ اس چوترہ پر چار ٹنبے ہیں جن میں سب سے بڑا قبہ صخرہ ہے جو قبلہ رہ چکا ہے۔

قبہ صخرہ کا بیان

مسجد الاقصیٰ کی بنیاد اس طرح پر ڈالی گئی ہے کہ چوترہ مذکور صحن میں آگیا ہے اور چوترہ کے وسط میں قبہ صخرہ ہے اور صخرہ ہٹیک قبہ کے اندر ہے اور عمارت صخرہ ہشت پہل ہے، جس کا ہر ضلع تینتیسٹ ماٹھ ہے۔

چار سمت میں چار دروازے ہیں، یعنی مشرقی، مغربی، شمالی، جنوبی۔ اور دو دروازوں کے مابین ایک ضلع ہے۔ تمام دیواریں ترشے ہوئے پتھر کی ہیں، جس کا طول بیس ماٹھ ہے اور صخرہ کا محیط سٹو گز ہے۔ صخرہ شکل و صورت میں خوشنما نہیں ہے یعنی نہ چوکور ہے نہ گول، بلکہ پہاڑی پتھروں کی طرح ایک بے ڈول پتھر ہے۔ صخرہ کے چاروں طرف چار مرتب ستون قائم ہیں جو

اونچائی میں دیواروں کے برابر ہیں، پھر ہر دو ستونوں کے درمیان (مُجملہ چار) سنگ مرمر کے دوہرے گول ستون اور ہیں، جو بلندی میں بڑے ستونوں کے برابر ہیں۔ اور ان بارہ ستونوں اور اسطوانوں پر گنبد کی بنیاد قائم ہو جس کے نیچے صخرہ ہو اور جس کا محیط ایک سو بیس ہاتھ ہے۔ اس عمارت میں جو ستون اور اسطوانہ ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو کھمبے چوکور (مربع) ہیں، میں ان کو ستون کہتا ہوں اور جو ستون ایک ڈال پتھر کے گول (مدور) ہیں اُن کو اسطوانہ سے تعبیر کرتا ہوں۔

بعد ازاں ان ستونوں اور دیوار مکان کے مابین خوش نما پتھروں سے چھ ستون اور بنائے گئے ہیں۔ پھر ہر دو ستونوں کے مابین تین عمود رنگین سنگ مرمر کے برابر فاصلہ دے کر قائم کیے گئے ہیں۔ جس طرح پہلی صف میں دو ستونوں کے مابین دو عمود تھے، اسی طرح یہاں دو ستونوں کے درمیان میں تین عمود ہیں اور ہر ستون کا بالائی حصہ چوگوشہ ہے، جن میں سے ہر ایک گوشہ ایک محراب کا پایہ ہے اور ہر عمود کے دو گوشے ہیں، چنانچہ ہر عمود پر دو محرابیں ہیں۔ اور اس حساب سے ہر ستون پر چار محرابیں ہوتی ہیں۔ اس وقت یہ بڑا گنبد، جو بارہ ستونوں پر صخرہ کے نزدیک قائم ہے ایک فرسنگ سے پہاڑ کی چوٹی کی طرح نظر آتا ہے، کیونکہ گنبد چڑ سے چوٹی تک تیس ہاتھ ہے۔ اور پھر میں گز کی بلندی پر دیوار اور ستون اٹھائے گئے ہیں، جو دراصل خانہ صخرہ کی دیوار ہے اور مکان صخرہ بارہ گز اونچے چبوترہ پر ہے۔ اس حساب سے سطح مسجد سے گنبد کی چوٹی تک باسٹھ گز ہوتے ہیں اور اس مکان کی (اوپر اور نیچے) چھت لکڑی کی ہے۔ اور ان جملہ ستونوں پر ایسی صنعت سے دیوار

اصل عبارت ہے ”وہام و نصف این خانہ تجارت پوشیدہ است“ ہماری رائے میں بام سے مٹی چھت ملاوہی اور سقف سے چوٹی چھت گیری مقصود ہے جس کے نو ذہنی وغیرہ کی عمارتوں میں ہنوز موجود ہیں۔ دانہ بام کھلی ہوئی چھت کو کہتے ہیں اور سقف وہ حصہ ہے جو پٹا ہوتا ہے۔

اُٹھاتی ہو کہ جس کی نظیر کہیں اور نہیں ملے گی۔

صحفرہ قد آدم زمین سے بلند ہو اور سنگ مرمر کا ایک ٹحجر اس کے گرد ہو تاکہ کوئی اس کو چھو نہ سکے۔ سنگ صحفرہ نیلگوں ہو اور کسی نے آج تک اس پر قدم نہیں رکھا ہو۔ اور جانب قبلہ ایک طرف گرہا سا ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ کوئی شخص اس پر سے گزرا ہو، جس کے پاؤں پتھر میں دھس گئے ہیں اور وہ ایسی نرم مٹی تھی جس میں پاؤں کی انگلیوں کے نشان بن گئے ہیں۔ علاوہ بریں قدم کے سات نشان بھی اس پر موجود ہیں اور میں نے یوں سنا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں تشریف رکھتے تھے اور حضرت اسحق علیہ السلام کا بچپن تھا یہ ان کے قدم کے نشان ہیں۔

صحفرہ مبارک میں ہمیشہ محاور اور درویش (عابد) رہا کرتے ہیں، اور یہ مکان ریشی فرش وغیرہ سے آراستہ رہتا ہو اور صحفرہ کے عین وسط میں ایک نقری قندیل، چاندی کی زنجیریں لٹکی ہوئی ہو۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چاندی کی قندیلیں آویزاں ہیں، جن پر ہر ایک کا وزن لکھا ہوا ہو۔ اور یہ قندیلیں سلطان مصر کا عطیہ ہیں۔ میں نے حساب لگایا تو سینتیس من چاندی کی مختلف اشیاء وہاں موجود تھیں۔

یہاں میں نے ایک شمع دیکھی جس کا طول ساٹھ ماٹھ اور جس کی جسامت تین بالشت کی تھی، جس میں کافور رُباحی اور عنبر وغیرہ کی آمیزش تھی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان مصر سالانہ بکثرت شمعیں بھیجا کرتا ہو۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ بڑی شمع بھی ہو (جس کے نیچے) طلائی حروف میں سلطان مصر کا نام لکھا ہوا تھا خدا کے گھروں میں سے یہ (صحفرہ یا بیت المقدس) تیسرا مکان ہو۔ کیونکہ علمائے دین میں مشہور ہے کہ جو نماز بیت المقدس میں پڑھی جائے وہ پچیس ہزار اور جو مدینہ طیبہ

میں پڑھی جاتے وہ پچاس ہزار اور جو خانہ کعبہ میں پڑھی جاتے وہ ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ خداوند عالم اپنے سب بندوں کو یہاں تک پہنچنے کی توفیق دے۔ یہ میں کہ چکا ہوں کہ تمام چھتوں اور گنبدوں کی پشت پر رانگ کی ٹیپ کی گئی ہے۔ اور حرم کے چاروں طرف بڑے دروازے قائم ہیں، ہنجلہ ان کے دو دروازے چوب ساچ کے ہیں۔ مگر یہ دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔

قبة سلسلہ | عمارت صخرہ کے بعد (چبوترہ پر) ایک اور قبة ہے جس کو قبة سلسلہ کہتے ہیں اور یہ وہ مقام ہے جہاں داعی علیہ السلام کی زنجیر لٹک رہی ہے۔ اور علماء میں مشہور ہے کہ ہجر راستباز کے کسی ظالم اور غاصب کا ہاتھ اس زنجیر تک نہیں پہنچتا ہے۔ اور یہ قبة آٹھ عمود اور چھ سنگین ستونوں پر قائم ہے، جن کے سب رخ کھلے ہوئے ہیں، البتہ قبلہ رخ اوپر تک بند ہے اور اس جگہ ایک خوبصورت محراب بنائی ہے۔ اور نیز اس چبوترہ پر ایک دوسرا قبة بھی ہے جو سنگ مرمر کے چار ستونوں پر قائم ہے۔ اور اس کا بھی قبلہ والا رخ بند ہے۔ اور یہاں بھی ایک خوبصورت محراب ہے جس کو قبة جبرئیل علیہ السلام کہتے ہیں۔

قبة جبرئیل علیہ السلام | اس قبة میں سنگی فرش نہیں ہے، بلکہ یہاں کی زمین خود پتھر لی ہے، جس کو سہوار کر لیا ہے۔ روایت ہے کہ شب معراج میں اس مقام تک براق آیا تھا اور اسی جگہ سے حضور سرور عالم براق پر سوار ہوئے تھے۔

قبة الرسول | قبة جبرئیل کی پشت پر دوسرا قبة ہے جس کو قبة رسول کہتے ہیں اور ان دونوں قبوں میں بینا ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ یہ قبة بھی سنگ کے چار ستونوں پر قائم ہے۔ روایت ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول قبة صخرہ میں نماز پڑھی اور صخرہ پر ہاتھ رکھا۔ اور جب آپ قبة سے باہر

تشریف لائے تو صخرہ ٹھیلما اپنی جگہ سے بلند ہوا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا ہاتھ صخرہ پر رکھا تب وہ اپنی جگہ پر آکر ٹھیر گیا۔ اور آج تک اسی طرح معلق ہے۔ رسول مقبول اسی قبہ میں تشریف لائے تھے، بدین وجہ یہ حضور سے منسوب ہے۔ اور اسی جگہ براق پر سوار ہوئے تھے اور یہی اس قبہ کی عظمت کا سبب ہے صخرہ کے نیچے ایک بڑا غار ہے، جس میں ہمیشہ شمع روشن رہتی ہے۔ روایت ہے کہ جب صخرہ بلند ہونے لگا تو حصّہ زیرین خالی رہ گیا اور جب ٹھیرا تو بحال خود قائم رہا۔

چبوترہ کی سیڑھیوں کا بیان

صحن مسجد الاقصیٰ پر چڑھنے کے لیے چھ راستے ہیں اور ہر ایک کا نام جدا گانہ ہے چنانچہ قبلہ کی طرف دو راستے ہیں جس کو سیڑھیوں سے طے کرتے ہیں، جب چبوترہ کے وسط میں ٹھیریں تو سیڑھیوں کا ایک سلسلہ دائیں ہاتھ پر ہے اور دوسرا بائیں پر، پہلے سلسلے کو مقام النبی اور دوسرے کو مقام غورہی کہتے ہیں۔

اس لیے کہتے ہیں کہ شب معراج میں حضور انور انھی سیڑھیوں سے گزر کر چبوترہ پر تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے قبہ صخرہ میں اور حجاز کی سڑک بھی اسی سمت میں ہے۔ ان سیڑھیوں کی موجودہ چوڑائی بیس ہاتھ ہے، جو سب سڈول پتھر تراش کر بنائی گئی ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ہر سیڑھی میں ایک یا دو درجے پتھر کے چوکے نصب ہیں۔ اور اس انداز سے سیڑھیاں بنائی ہیں کہ اس پر مع سواری کے بھی چڑھ سکتے ہیں۔ اور سیڑھیوں کے اوپر سبز سنگ مرمر کے چار ستون ہیں جو بعینہ زمر کے معلوم ہوتے ہیں اور ان پر ہر رنگ کے بکثرت نقشے ہیں۔ ان میں سے ہر عمود کی بلندی دس ہاتھ ہے اور گولائی اس قدر ہے کہ دو آدمیوں کے ہاتھوں کے حلقہ میں آجائیں۔ پھر چار ستونوں پر تیز

محراب ہیں، چنانچہ ایک محراب دروازہ کے مقابل ہو اور دو دائیں بائیں واقع ہیں اور پچھلا رخ محرابوں کا سیدھا ہو، جس پر کنگرے بنے ہوئے ہیں اور یہ کنگرے مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اور یہ عمود اور محرابیں طلا اور مینا کے کام سے منقش ہیں، جس سے زیادہ خوبصورت ہونا مشکل ہو اور چوتراہ پر جس قدر میکیے بنائے ہیں، وہ تمام وکمال سبز مرمر کے ہیں اور منقط ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ وادی میں پھولوں کے تختے کھلے ہوئے ہیں۔

مقام غوری | اور مقام غوری کا یہ نقشہ ہو کہ اس پر جانے کے لیے تین زینہ ہیں۔ ایک مقابل چوتراہ اور دو پہلو میں، چنانچہ تین جگہ سے لوگ اس پر چڑھتے ہیں۔ اور یہاں بھی تینوں زینوں کے اوپر دیسے ہی ستون ہیں، جن پر محراب اور کنگرے ہیں اور پتھر کی سیڑھیاں بھی اسی ترتیب سے تراش کر لگائی ہیں۔ اور ہر سیڑھی دو یا تین بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہو۔ اور ایوان کی پیشانی پر خوبصورت طلائی حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی :-

”امیر علی امیر لیلث الدولہ نوشتگین خودی“ (یعنی یہ عمارت امیر لیلث الدولہ نوشتگین کے حکم سے تعمیر ہوئی ہو)

کہتے ہیں کہ لیلث الدولہ سلطان مصر کا غلام تھا جس نے یہ راستے اور سیڑھیاں بنائی ہیں۔ اور چوتراہ کے مغربی طرف بھی دو جگہ سیڑھیاں بنوا کر راستہ نکال دیا ہو اور ویسا ہی خوشنما جیسا کہ بیان کر چکا ہوں۔

مقام شرقی | اسی طرح مشرقی جانب بھی ایک راستہ ایسے ہی تکلف سے بنایا ہو۔ اور اس پر عمود قائم کر کے محراب بنائی ہیں، جس پر

لہ امیر لیلث الدولہ قاطی خلیفہ الناصر بنائے (۱۰۶۸ھ لغایت ۱۰۷۳ھ) کے عہد میں تعمیر ہوئی (سپہ سالار اعظم) تھا۔

کنگرے ہیں۔ اور اس کا نام مقام شرقی ہے۔

اور شمالی جانب بھی ایک راستہ ہے جو بہت اونچا اور چوڑا ہے۔

مقام شامی

اور اس پر بھی ویسے ہی عمود اور محرابیں ہیں۔ اور اس کو مقام شامی (شمالی) کہتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ ان چھ راستوں کی تعمیر میں ایک لاکھ دینار (سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ) لاگت آئی ہوگی۔

صحن مسجد (چبوترہ پر نہیں) پر ایک جگہ ہے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد (بطوہ خظیرہ) جانب شمال پتھر تراش کر بنائی ہے، جس کی دیوار قد آدم سے زیادہ نہ ہوگی اور اس کو محراب داؤد کہتے ہیں۔

خظیرہ کے قریب ایک قد آدم نامہوار (ٹول) پتھر رکھا ہوا ہے اور اس کا اگلا حصہ اس قدر چوڑا ہے کہ جس پر ایک چھوٹا سا مصلیٰ بچھ سکتا ہے کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی ہے، جس پر آپ بزمانہ تعمیر ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ مضمون میں نے جامع بیت المقدس میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔ اور اسی جگہ میں نے اپنے روزنامے میں لکھ لیا تھا، مسجد کے نوادرات سے یہ ہے کہ میں نے وہاں درخت خور^{۱۲} دیکھا۔

بیت المقدس سے میں نے مشہد حضرت ابراہیم خلیل الرحمن کی زیارت کا قصد کیا۔ چہار شنبہ غزہ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ ہجری (۲۹ اپریل ۱۹۷۰ء)

بیت المقدس سے مدینۃ الخلیل کی روانگی

کو منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ بیت المقدس سے حبرون یعنی مشہد خلیل تک چھ فرسنگ کا فاصلہ ہے اور راستہ دکن کی طرف جاتا ہے۔

۱۲۔ بطوری لکھا ہے کہ عمارت بیت المقدس میں محراب داؤد سب سے پہلی عمارت ہے جو ترکہ سے چل کر نظر آتی ہے۔ یہ عمارت ۵۰ گز طول اور ۳۰ گز عرض میں ہے۔ اور اس مسجد کی ہر ایک محراب بمقرون کے نام سے منسوب ہے۔

راہ میں مواضع کی کثرت ہی، کھیت اور باغات افراط سے ملتے ہیں، انگور، انجیر، زیتون اور خود روساق کے درخت بے شمار ہیں اور یہ سب جنگلی ہیں، ان کو پانی نہیں ملتا ہے۔

شہر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر چار گاونوں کا ایک کھیڑا آباد ہے، یہاں پانی کا چشمہ ہے اور باغات بہت ہیں۔ اور موزونیت مقام کے اعتبار سے اس مقام کا نام فرادیس (جمع فردوس) ہے۔

شہر بیت المقدس سے ایک فرسنگ پر عیسائیوں کا ایک مقدس مقام ہے جس کو بیت اللحم کہتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ عیسائیوں کا جمع رہتا ہے۔ اور بکثرت زائرین آتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں۔ اور یونان سے عیسائی بہت آتے ہیں بیت المقدس سے چل کر رات کو میں نے اسی جگہ قیام کیا تھا۔

صفت مشہد خلیل صلوات اللہ علیہ

ملک شام اور بیت المقدس کے باشندے اس مشہد کو صرف خلیل کہتے ہیں اور موضع مطلون کا جہاں یہ مشہد واقع ہے نام نہیں لیتے ہیں۔ اور علاوہ مطلون کے مصارف کے لیے متعدد دیہات وقف ہیں۔ مطلون میں پتھر سے ایک چشمہ نکلا ہے، جس سے تھوڑا پانی نکلتا ہے۔ اور ذرا آگے بڑھ کر ایک نہر نکالی ہے جس کو گاونوں کے قریب پہنچا دیا ہے اور گاونوں کے باہر ایک حوض بنایا ہے جس کا منہ بند رہتا ہے اور اس میں پانی جمع کرتے ہیں تاکہ ضائع نہ ہو اور زائرین اور باشندگان موضع کا اسی پانی پر گزارہ ہے۔

لے جبرون یا مطلون۔ مرصون، بیت عینون اور بیت ابراہیم، یہ چاروں مواضع متصل ہیں جہاں میں مطلون بہت مشہور ہے۔ (از سیاحت نامہ قدسی انگریزی)

مشہد حضرت ابراہیم خلیل اللہ | مشہد خلیل گانو کے کنارے جنوبی سمت میں ہے۔ اور یہاں جنوبی سمت حقیقت میں مشرقی سمت ہے۔ مشہد کی چاروں دیواریں ترشے ہوئے پتھر کی ہیں، جس کا طول اسٹی ماٹھ اور عرض چالیس ماٹھ اور ارتفاع بیس ماٹھ ہے اور دیوار کی چوٹی کا اتار دو ماٹھ ہے۔ اور عمارت کے عرض میں محراب و مقصورہ بنایا ہے۔ اور پھر مقصورہ میں خوبصورت محراب جداگانہ ہیں مقصورہ کے اندر دو قبریں ہیں، جن کے سر ہانے قبلہ رخ ہیں۔ دونوں قبریں قد آدم اونچی ہیں اور ترشے ہوئے پتھر کی ہیں۔ ان میں سے جو دائیں ماٹھ پر ہے وہ حضرت اسحاق بن ابراہیم کی ہے۔ اور دوسری قبر آپ کی بی بی (رہلقہ) کی ہے اور ان دونوں قبروں میں دس ماٹھ کا فاصلہ ہے۔

مشہد کی زمین اور دیوار قیمتی فرش اور مغربی چٹائیوں سے آراستہ ہے، یہ چٹائیاں حریر (دیبا) سے زیادہ نفیس ہیں، یہاں میں نے چٹائی کا ایک مصلى دیکھا جس کو امیر الجیوش (سپہ سالار) نے بھیجا تھا، یہ امیر سلطان مصر کا غلام ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مصر میں اس مصلى کی قیمت تیس دینار مغربی (دو سو پچیس یا ہندہ پونڈ) ہے، اگر دیبائے رومی (بقدر مصلى) خرید کیا جاتا تو اس سے کم دام میں آجاتا، میں نے ایسا مصلى کہیں نہیں دیکھا ہے۔

جب مقصورہ سے برآمد ہوں تو صحن مشہد میں دو عمارتیں ملتی ہیں، جو قبلہ رخ ہیں، چنانچہ دائیں ماٹھ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مزار مبارک ہے۔ اور یہ بڑی عمارت ہے جس کے اندر ایک اور مکان ہے مگر اس کے گرد طواف نہیں کر سکتے ہیں، اس میں چار کھڑکیاں (دیا جالدار کھڑے) ہیں۔ اور زوار انھیں کھڑکیوں سے مزار کی زیارت کرتے ہیں۔ اس مکان کی زمین اور دیواریں دیبا سے آراستہ ہیں۔ اور قبر پتھر کی بنی ہوئی ہے، جو تین گز لائیں ہو۔ قندیلیں اور چراغدان چاندی

کے بکثرت آویزاں ہیں۔

دوسرا مکان جو قبلہ کے بائیں ہاتھ پر ہے، اس میں حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور اس مکان کے مابین ایک راستہ ہی (بطور دالان) جس سے دونوں طرف جاسکتے ہیں۔ یہاں بھی قذیل اور چراغدان بکثرت آویزاں ہیں۔ ان مزارات سے نکل کر قریب ہی دو مقبرے اور ملتے ہیں۔ چنانچہ دائیں ہاتھ پر یعقوب علیہ السلام کی قبر ہے اور بائیں ہاتھ پر ان کی بی بی (لیا) مدفون ہیں۔ بعد ازاں جو مکانات ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان خانے میں۔ اور اس مشہد (درگاہ) میں جملہ چھو قبریں ہیں اور چار دیواری کے باہر ایک غار ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مقبرہ ہے جس کا گنبد خوبصورت اور قبر سنگین ہے۔ اور (مابین قبر یوسف علیہ السلام اور مشہد) جنگل کی جانب ایک بڑا قبرستان ہے جہاں دور دور سے مردے لاکر دفن کیے جاتے ہیں۔ اور مقصود کی چھت پر جو حجرے ہیں اس میں مہمان ٹھہرا کرتے ہیں۔ مشہد خلیل کے متعلق بہت سے دیہات وقف ہیں جس میں بیت المقدس کی آمدنی والی جائیداد بھی شامل ہے۔ یہاں گیہوں کم اور جو زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ زیتون کی بھی افراط ہے۔ مہانوں مسافروں اور زائرین کو دکھانے کے ساتھ) روغن زیتون بھی دیا جاتا ہے پچھلا بکثرت ہیں، جن میں بیل اور خچر چلتے ہیں۔ اور تمام دن آٹا پساکرتا ہے اور لونڈیاں دن بھر روٹیاں پکایا کرتی ہیں۔ ان روٹیوں میں سے ہر ایک کا وزن ڈیڑھ سیر ہوتا ہے۔

ہر مہمان کو لنگر خانہ سے ایک کلچہ روٹی اور ایک پیالہ مسور کی **خوان خلیل** دال کا ملتا ہے۔ اور دال روغن زیتون میں بگھاری جاتی ہے اور منقہ (انگور خشک) بھی دیے جاتے ہیں، اور مہمان داری کا یہ دستور

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانہ سے آج تک جاری ہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہو کہ ایک دن میں پانچ سوزائے آجاتے ہیں اور سب کی دعوت ہوتی ہو۔ بیان کیا جاتا ہو کہ اس مشہد میں دروازے نہ تھے، کوئی اس کے اندر نہیں جاسکتا تھا، بلکہ باہر سے زیارت کرتے تھے، جب مصر میں خلیفہ المہدی (بانی خاندان فاطمیہ) حکمران ہوا تو اس نے حکم دیا کہ مشہد میں دروازے لگائے جائیں اور بہت سا سامان بھیج دیا اور فرش وغیرہ سے آرائش کے علاوہ عمارت بھی بڑھادی گئی۔ اور یہ جدید دروازہ مشہد کی شمالی دیوار میں لگایا گیا ہو، جو زمین سے چار گز اونچا ہو۔ اور دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنائی ہیں جس پر ایک طرف سے چڑھتے ہیں اور دوسری جانب سے اتر جاتے ہیں اور (راستہ کی روک کے لیے اس جگہ) لوہے کا ایک چھوٹا سا دروازہ بھی ہو۔

ناصر خسرو کا پہلا حج
براہ بیت المقدس ۳۲۸ھ

الغرض میں مشہد خلیل سے بیت المقدس کو واپس آیا اور جو قافلہ جاز کو جا رہا تھا اس کے ہمراہ پیدل ہولیا۔ ہمارا راہ نما ایک تیز رفتار اور خوبصورت آدمی تھا، جس کو ابو بکر ہمدانی کہتے تھے۔

ذی قعدہ ۳۲۸ھ کی پندرھویں تاریخ (۱۴ مئی ۹۴۰ء) کو میں بیت المقدس سے روانہ ہو کر تین دن کی مسافت طح کر کے بعد اس منزل میں پہنچا جس کو اعر (عرع) کہتے ہیں۔ یہاں بھی پانی کے چشمے اور درخت تھے۔ دوسری منزل میں پہنچا جس کو وادی القریٰ کہتے ہیں۔ پھر تیسری منزل میں آیا جہاں سے دس دن میں مکہ معظمہ پہنچا۔

اس سال کہیں سے قافلہ نہیں آیا تھا اور قحط پڑ رہا تھا۔ کوچہ عطاران میں جو باب النبی کے متصل ہو میں نے قیام کیا۔ اور دو شنبہ کے دن عرفات کو

گیا، لیکن عربوں کی جانب سے خطرہ تھا، عرفات سے لوٹ کر مکہ معظمہ میں دوایوم قیام کیا اور شام کے راستہ سے بیت المقدس کو واپس آگیا۔

سیاحت کا تیسرا سال | پانچویں محرم ۳۹ھ (۲ جولائی ۶۰۰ء) کو بیت المقدس میں داخل ہوا، مکہ معظمہ اور حج کا تذکرہ فی الحال ملتوی کرتا ہوں، اخیر

حجوں کے بعد تفصیل سے بیان کروں گا۔

بیعتہ القمامہ | بیت المقدس میں عیسائیوں کا ایک گرجا ہو جس کا نام بقیۃ القمامہ ہو، یہ مقدس گرجا ہو۔ اور ہر سال مالک یونان سے بکثرت

تازہ یہاں آتے ہیں۔ اور روم کا بادشاہ (امپرو آف برنطائن) بھی مخفی طور پر آیا کرتا ہو جس کی عموماً خبر نہیں ہوتی ہو، چنانچہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے عہد میں بھی یہ بادشاہ آیا تھا۔ لیکن الحاکم اس کی آمد سے واقف تھا۔ اور اس نے اپنے اردنی کے ایک سوار کو قیصر کے پاس بھیجا اور پتہ بتا دیا کہ اس شکل و صورت کا ایک آدمی جامع بیت المقدس میں بیٹھا ہوا ہو، تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ حاکم بامر اللہ نے مجھے بھیجا ہو اور پیام دیا ہو کہ "تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری آمد سے غافل ہوں، لیکن اطمینان رکھو تمہارے ساتھ کوئی مخالفانہ کارروائی نہیں کی جائے گی۔" پھر حاکم نے اس کلیسا کو برباد کر دیا جو مدت تک دیران پڑا رہا۔ جب قیصر روم نے سفارتوں کے ذریعہ تحائف بھیجے اور صلح کا طالب ہوا اور معذرت کی تب دوبارہ گرج کی تعمیر کی اجازت ہوئی اور از سر نو بنایا گیا۔

یہ گرجا وسیع رقبہ میں ہو، جس میں آٹھ ہزار آدمی آسکتے ہیں۔ اور رنگین سنگ مرمر سے نہایت پر تکلف بنایا گیا ہو، جس میں نقش و نگار کے ساتھ تصویریاں بھی ہیں۔ اور گرجا کے اندر دینی حصے کو دیباے رومی سے آراستہ کیا ہو۔ اور

دیواروں پر طلا کا رتھا دیر بنائی ہیں۔ جن پر بکثرت سونا چاندی صرف کیا ہو۔ اور مسیح علیہ السلام کی تصویر کئی جگہ بنائی ہو، جس میں آپ خچر پر سوار ہیں۔ علاوہ بریں حضرت ابراہیم، اسمعیل، اسحق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کے بیٹوں کی بھی تصویریں ہیں، جس پر روغنِ سنדר و س کی وارفتی کی گئی ہو۔ اور ہر تصویر کے اوپر ایک باریک و شفاف شیشہ چڑھا ہوا ہو، جس میں ہر تصویر کا چہرہ صاف نظر آتا ہو۔ یہ انتظام اس لیے ہو کہ قصا دیر گرد و غبار سے محفوظ رہیں اور خدام روزانہ ان شیشوں کو صاف کیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مقامات ہیں جو پر تکلف ہیں، جس کے کھنے میں طوالت ہو۔

اس گرجا میں بہشت اور دوزخ کا بھی منظر دکھایا گیا ہو، چنانچہ ایک حصہ میں جنت اور جنت والوں کا نقشہ ہو۔ اور دوسرے حصہ میں دوزخ اور دوزخیوں کا خاکہ کھینچا گیا ہو، اور ایسے ہی اور بھی مناظر ہیں۔ اور یہ وہ مرتع ہو جس کی نظیر ساری دنیا میں نہ ہوگی۔ اس گرجا میں دن رات علمائے نصاریٰ اور راہب انجیل مقدس پڑھا کرتے ہیں اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

ناصر خسرو بیت المقدس سے براہ خشکی مصر جاتا ہو،

اول میں نے قصد کیا تھا کہ بیت المقدس سے براہ دریا (بحر الردم) مصر اور پھر مصر سے مکہ منظمہ کو روانہ ہوں، مگر ہوا مخالف چل رہی تھی اس لیے براہ دریا نہ جاسکا اور خشکی کے راستہ سے چل کر ملہ ہوتا ہوا اس شہر میں پہنچا جس کو عسقلان کہتے ہیں۔ عسقلان کی مسجد اور بازار بہت خوبصورت تھے۔

یہاں ایک پرانی محراب نظر آئی، لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایک مسجد تھی اور اسی مسجد کی یہ بڑی سنگی محراب باقی ہو۔ اگر کوئی شخص اس محراب کو گرانا چاہے تو بڑی رقم صرف کرنے پر گر سکتی ہو۔

یہاں سے روانہ ہو کر راستہ میں بکثرت دیہات اور شہر نظر آئے جس کی تفصیل میں طول ہی لہذا اختصار کر دیا گیا۔

۱۲۵ طینہ | پھر میں طینہ میں پہنچا یہ بندرگاہ تھا اور یہاں سے تینس ^{۱۲۶} کو جہاز روانہ ہوتے تھے لہذا تینس تک میں جہاز میں گیا۔

جزیرہ تینس | تینس ایک جزیرہ ہے اور خوبصورت شہر ہے۔ اور چونکہ خشکی سے فاصلہ پر ہے اس لیے شہر کی چھتوں سے ساحل نظر نہیں آتا ہے۔ گنجان شہر ہے، بازار اچھے ہیں۔ اور دو مسجدیں ہیں۔ شہر میں تقریباً دس ہزار دکان ہوں گی۔ اور دس سو دکانیں عطاروں کی تھیں۔ گرمی کے زمانہ میں بازاروں میں کشکاب (جو کا حریرہ یا فالودہ) بکتا ہے۔ کیونکہ شہر گرم سیر ہے، بیماری بہت رہتی ہے۔ یہاں رنگین قصب (ایک قسم کا ریشمی اور سوتی مشروع) بنا جاتا ہے، جس کے عمامے، نقاب (روپوش) اور عورتوں کے پہننے کے کپڑے بنے جاتے ہیں۔ تینس سے بہتر رنگین قصب کسی اور ملک میں نہیں بنا جاتا ہے۔ اور جو سپید ہوتا ہے وہ دمیاط میں بنا جاتا ہے۔ اور کارخانہ سلطانی میں جس قدر قصب تیار ہوتا ہے وہ نہ تو فروخت ہوتا ہے اور نہ کسی کو دیا جاتا ہے۔

میں نے سنا ہے کہ شاہ فارس نے بیس ہزار دینار تینس میں بھیجے تھے کہ اس کی ذات خاص کے واسطے ایک ہاتھ کپڑا کارخانہ سلطانی کا بنا ہوا اہل جائے چنانچہ کئی سال تک کارندے پڑے رہے، لیکن کپڑا خرید نہ کر سکے۔ تینس میں اس کام کے پیشہ ور مشہور ہیں، جو خاص قسم کے کپڑے بنتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی صنّاع نے بادشاہ مصر کے لیے ایک دستار تیار کی تھی، جس کا صلہ پانچ سو دینار مغربی دیا گیا تھا۔ میں نے خود اس دستار کو دیکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چار ہزار دینار مغربی اس کی قیمت ہے۔

شہر تینس میں بوقلمون (زرین دھوپ چھاں) بنا جاتا ہے۔ اور یہ وہ کپڑا ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔ یہ بوقلمون دراصل ایک زرین لباس ہے جو دن میں رنگ بدلتا رہتا ہے اور مشرق و مغرب میں یہ کپڑا اسی شہر سے جاتا ہے۔ روایت ہے کہ قیصر روم نے ایک سفیر بھیج کر سلطان مصر سے استدعا کی تھی کہ شہر تینس مجھ کو دے دیا جائے۔ اور ممالک روم کے سوشہر اس کے معاوضے میں لے لیے جائیں، لیکن سلطان مصر نے منظور نہیں کیا۔ اور اس تبادلہ سے قیصر کی یہ غرض تھی کہ بوقلموں و قصب حاصل ہو۔

دریائے نیل جب طغیانی پر آتا ہے تو حوالی تینس سے کھاری پانی بہا لے جاتا ہے۔ اور شہر سے دس فرسنگ تک پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ تمام جزیرہ تینس اور خاص شہر میں زمین دوز مستحکم حوض بنے ہوئے ہیں۔ جس کو اس شہر میں مصلخ (جمع مصلح) کہتے ہیں۔ جب نیل چڑھاؤ پر آتا ہے اور شہر کے کھاری پانی کو بہا لے جاتا ہے اس وقت یہ حوض بھرے جاتے ہیں۔ اور حوض بھرنے کی ترکیب یہ ہے کہ ”نالیاں کھول دی جاتی ہیں اور دریا کا پانی حوضوں میں بھر جاتا ہے“ چنانچہ تمام شہر میں انھیں حوضوں کا پانی خرچ ہوتا ہے۔ جو طغیانی نیل کے زمانے میں بھر لیے جاتے ہیں اور دوسرے سال تک ان ہی حوضوں سے پانی خرچ ہوتا رہتا ہے۔ اور جس کے پاس بمقدار کثیر ہوتا ہے وہ دوسروں کے ہاتھ بیچ بھی ڈالتا ہے۔ علاوہ بریں وقفی حوض بھی موجود ہیں، جن سے غرابا مستفید ہوتے ہیں۔ شہر تینس کی مردم شماری پچاس ہزار ہے۔ حوالی شہر (گھاٹ) میں ہمیشہ ایک ہزار کشتیاں موجود رہتی ہیں۔ یہ کشتیاں تجارتی اور سرکاری دونوں قسم کی ہیں بلکہ سرکاری زیادہ ہیں۔ اور جزیرہ میں کچھ نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ شہر ایک جزیرہ ہے لہذا تمام کاروبار کشتیوں سے ہوتا ہے اور شہر میں احتیاطاً

مسلح فوج رہتی ہو، تاکہ فرنگ اور یونان کی سلطنتیں اس پر حملہ آور نہ ہو۔
میں نے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ روزانہ ایک ہزار دینار مغربی (کشتیوں کا
محصول) مصری خزانہ میں داخل ہوتا ہے، یہ یومیہ محصول ہے جس کا وصول کنندہ
(مہتمم) صرف ایک ہی شخص ہے جس کو شہر والے ادا کر دیتے ہیں۔ اور یہ مہتمم پوری
رقم (بغیر کسی قسم کی کمی کے) تاریخ معینہ پر داخل خزانہ کرتا ہے۔ اور کسی شخص سے
جبریہ کچھ نہیں لیا جاتا ہے۔

قصب (مشروع) اور بوقلموں جو خاص سلطان کے واسطے تیار کیا
جاتا ہے اس کی پوری قیمت دی جاتی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ کارگیر دل سے سلطان
کا کام کرتے ہیں۔ اور ملکوں کی طرح نہیں ہے کہ جہاں دزیر بادشاہ کی طرف سے
کارگروں پر سختیاں ہوتی ہیں۔ اونٹوں کے عمارے کے پردے اور گھوڑوں
کے زین کے نمدے بھی سلطان مصر کے لیے بوقلمون سے بٹنے جاتے ہیں۔

میوہ اور اشیاء خوردنی (ہر قسم کے غلے) مصر کے دیہات سے آتے
ہیں۔ البتہ لوہے کی چیزیں مثلاً مقراض و چاقو وغیرہ بنتے ہیں۔ میں نے مصر کے
بازار میں یہاں کی بنی ہوئی ایک قینچی دیکھی، جس کا مول پانچ دینار مغربی تھا اس
کی ساخت اس قسم کی تھی، کہ جب کیل نکال لیتے تھے تو کھل جاتی تھی اور جب کیل
جڑ دیتے تھے تو چلنے لگتی تھی۔ یہاں عورتوں کو ایک بیماری ہو جاتی ہے، کہ صرع
والیوں (عارضہ مرگی) کی طرح دو تین بار چیخ کر بے ہوش ہو جاتی ہیں، پھر بعد میں
ہوش آ جاتا ہے۔ میں نے خراسان میں سنا تھا کہ ایک جزیرہ ہے جہاں کی عورتیں تلبوں
کی طرح چلاتی ہیں۔ اور یہ وہی شکل ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔

لے عوام قینچی کے دو پلے ہوتے ہیں اور ایک کیل سے جڑے رہتے ہیں۔ لہذا مصری قینچی میں کوئی ندرت نہ تھی۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ساخت خراسان کی قینچیوں کے خلاف ہوگی جب اس کو ناصر خسرو نے بنظر تعجب لکھا ہے۔

تینس سے قسطنطنیہ کو بیس دن میں کشتی پہنچتی ہے، میں یہاں سے مصر کو روانہ ہوا۔ جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو رودیل میں کشتی بلندی پر جباتی تھی، نیل، بحر الروم کے قریب پہنچ کر چند شاخوں میں بھیل جاتا ہے، اور اسی طرح سمندر میں گرتا ہے۔ میں جس راستہ سے سفر کر رہا تھا اس دھار کا نام روش یا ہرس تھا اور کشتی بلندی آب پر آرہی تھی الغرض میں سفر کرتا ہوا صالحیہ میں پہنچا۔

صالحیہ | یہ شہر اشیاء خوردنی اور مال و اسباب سے پٹا پڑا تھا، یہاں کشتیاں بکثرت بناتے ہیں۔ اور ہر کشتی میں دس سو خردار مال بھرا جاتا ہے اور مصر کو لے جاتے ہیں، یہاں بقال خرید کر لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کاروبار میں سخت دقت ہوتی، کیونکہ جانوران بار برداری کے ذریعہ سے مصر میں خوراک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں صالحیہ میں کشتی سے اترا اور رات ہی کو شہر میں چلا گیا۔

۷۔ ناصر خسرو کا قاہرہ میں داخلہ | یک شنبہ ساتویں صفر (ستمبر ۱۲۲۹ء) یورماہ یزدجردی کا پہلا دن (رمز تھا) اور شوال ۶۲۲ء تک قیام کو میں قاہرہ میں داخل ہو گیا تھا۔

شہر اور صوبہ مصر کا بیان

مصر کا جغرافیہ | دریائے نیل جنوب و مغرب سے نکل کر مصر ہوتا ہوا بحر الروم (بحر ابیض) میں گرتا ہے۔ اور نیل جب طغیانی پر آتا ہے تو دو مرتبہ چڑھاؤ پر آتا ہے۔ اور اس کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو نہر جیحون کی شہر ترمذ میں۔

نیل ولایت نوبیہ سے گزر کر مصر میں آتا ہے (ولایت نوبیہ کو ہستانی

لہ اول مرتبہ جب نیل طغیانی پر آتا ہے تو اس کا پانی تین چار دن تک سبز رہتا ہے۔ اس کے بعد ہی پھر جوش پر آتا ہے اب اس کا پانی خون کی طرح سرخ ہوتا ہے۔ یہ حالت تقریباً دس دن تک رہتی ہے۔ گویا پندرہ یوم کے اندر دو مرتبہ چڑھاؤ پر آتا ہے۔

ملک ہی، اور صحرائے نوبیا طے کرنے کے بعد مصر کا علاقہ آجاتا ہو۔ اور پہلا سرحدی شہر اُسوان ملتا ہو۔ یہ کل مسافت تین سو فرسنگ کی ہو۔ نیل کے کنارے تمام شہر اور ملک آباد ہیں۔ اور اس حصہ ملک کو صُغْدِ الاعلیٰ کہتے ہیں۔

اُسوان (دیا آبشارستان) پہنچ کر کشتی آگے نہیں بڑھتی کیونکہ پانی تنگ دروں سے مکمل کر بہت تیزی سے بہتا ہو، اُسوان کی بلندی پر جانب جنوب نوبیا ہو، جس کا فرمانروا دوسرا ہو۔ نوبیا کے باشندوں کا چمڑا سیاہ ہوتا ہو، یعنی حبشی ہیں اور مذہباً عیسائی۔

سوداگر کوڑیاں لنگھیاں اور مرجان (مونگا) اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور نوبیا سے غلام خرید کر لاتے ہیں۔ مصر میں غلام عموماً حبشی ہوتے ہیں یا رومی۔ نوبیا کی پیداوار میں گندم اور ارژن میری نظر سے گزرا دونوں کا رنگ سیاہ تھا۔

نیل کا منبع | اس وقت تک دریائے نیل کا منبع فی الحقیقت دریافت نہیں ہوا ہو، اور میں نے سنا ہو کہ سلطان مصر نے تحقیق کی غرض سے

ایک معتمد کو روانہ کیا تھا جو ایک سال تک نیل کے کنارے کنارے چلتا رہا اور منبع کی تحقیقات ہوتی رہی، لیکن کوئی شخص اس کی حقیقت کو دریافت نہ کر سکا، مگر ہاں یہ کہتے ہیں کہ دریائے نیل جبل القمر کے جنوب سے نکلتا ہو۔

نیل کی طغیانی | جب آفتاب برج سرطان میں داخل ہوتا ہو تو نیل میں طغیانی ہوتی ہو۔ اور موسم سرما کے مقابلہ میں (یہ زمانہ نیل کے سکون کا ہو) اس وقت پانی بیس ماہ تک اونچا ہوتا ہو اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہو۔

لے ارن ایک قسم کا لونی درجہ کا غلہ ہے جس کو چینا کہتے ہیں اور جو کبوتر دل کو دیا جاتا ہو۔
 ۱۵۰۰ میل سے مصب تک تقریباً ۶۵۰۰ کیلو میٹر (روٹن کی تاریخ مصر)
 ۱۵۰۰ یعنی طغیانی ایک دم سے نہیں ہوتی، بلکہ انچوں کے حساب سے پانی بڑھتا ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۔ اگر بلند ہوتا ہو۔ پیمائش بڑی احتیاط سے درج رجسٹر ہوتی ہو۔ علی پاشا مبارک نے تاریخ مصر میں صدیوں کی پیمائش درج کی ہو۔

شہر میں پانی کی پیمائش کے لیے پیمانے بنے ہوئے ہیں۔ اور نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر ہے۔ جس کی ایک ہزار دینار تنخواہ ہے۔ چنانچہ یہ افسر دیکھتا رہتا ہے کہ پانی کس قدر بڑھا۔ اور جس دن طغیانی شروع ہوتی ہے، اسی دن سے منادی کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے دریائے نیل میں اس قدر طغیانی کر دی اور آج اتنے انگل پانی بڑھ گیا اور جب یہ کسر بڑھ کر ایک گز ہو جاتی ہے اس وقت لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اور عام خوشی مناتے ہیں، یہاں تک کہ پانی اٹھارہ ہاتھ بلند ہوتا ہے اور یہ مقررہ پیمائش ہے، یعنی جب اس مقدار سے کم طغیانی ہوتی ہے تو باعث نقصان سمجھتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، مت مانگتے ہیں اور ننگین ہو جاتے ہیں۔ اور جب یہ مقدار بڑھ جاتی ہے تو جوش مسرت میں جلسے کرتے ہیں۔ اور جب تک یہ طغیانی اٹھارہ ہاتھ تک نہ پہنچے، سلطان مصر کو رعایا پر تخصیص مالگزار ہی کا حق نہیں ہے۔ نیل سے بکثرت نہریں اطراف میں کاٹ کر لے گئے ہیں۔ اور پھر ان نہروں سے رعبہ نکالے ہیں جس کے کنارے شہر و قصبات آباد ہیں۔ اور ان نہروں کے کنارے اس قدر (رہٹ) چلتے ہیں کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔

مصر کے تمام مواضعات بلندی پر آباد ہیں (تاکہ غرق نہ ہوں) اور طغیانی کے وقت تمام ملک زیر آب ہوتا ہے۔ اور ایک موضع سے دوسرے موضع تک ڈونگی میں جلتے ہیں۔ اور مصر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مٹی کے بند بنے ہوئے ہیں، جس کے اوپر سے آمد و رفت جاری ہے (یعنی دریائے نیل کے پہلو سے)۔

سالانہ دس ہزار دینار مغربی خزانہ سلطانی سے ایک معتمد کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ اور اس رقم سے نئے بند باندھے جاتے ہیں۔ ملکی باشندے ان چار مہینوں میں جب کہ مصر کی زمین تہ آب ہوتی ہے۔ اپنے ضروری کاموں سے

فائع ہو لیتے ہیں۔ اور شہر و دیہات میں ہر شخص اس قدر روٹیاں بچا کر رکھ لیتا ہے کہ جو چار مہینے کے لیے کافی ہوں۔ اور یہ روٹیاں سکھا کر رکھتے ہیں کہ خراب نہ ہو جائیں۔

دریائے نیل کی طغیانی کا یہ اصول ہے کہ پہلے دن سے چالیس دن تک بڑھتا ہے۔ اور اٹھارہ ماہ بلند ہو کر ٹھہر جاتا ہے، پھر چالیس یوم تک ایک حالت پر رہتا ہے (یعنی نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے)۔ بعد ازاں چالیس دن تک آہستہ آہستہ گھٹا کرتا ہے۔ اور اس حالت پر آ جاتا ہے جو موسم سرما میں ہوتی ہے (اصلی مقدار پر) جس قدر زمین برآمد ہو کر خشک ہوتی جاتی ہے کاشتکار اس کو دیکھ بھال کر کھیتی کرتے ہیں۔ مصر والوں کی خریف اور ربیع (موسم گرما و سرما کی زراعت) کی کاشت اسی اصول پر ہوتی ہے اور پھر ان کو دوسرے پانی کی حاجت نہیں ہوتی ہے شہر مصر (قاہرہ) دریائے نیل اور بحر الروم کے مابین آباد ہے۔

دریائے نیل جنوب سے نکل کر شمال کی طرف بہتا ہے۔ اور بحر الروم میں گرتا ہے۔ مصر سے اسکندریہ تک تیس فرسنگ کی مسافت سمجھی جاتی ہے۔ اسکندریہ^{۱۵۱} بحر الروم اور دریائے نیل کے کنارہ آباد ہے۔ اسکندریہ سے کشتیوں میں باغیچہ میوہ مصر کو جاتا ہے۔

اسکندریہ میں ایک منارہ ہے جس کو میں نے خود دیکھا ہے اور اس وقت تک صحیح و سالم تھا، اس منارہ پر ایک آتش شیشہ لگا ہوا تھا، جب قسطنطنیہ سے کوئی جہاز آتا اور آئینہ کے مقابل پہنچتا تو شیشہ سے آگ کے شعلے نکل کر جہاز کو جلا دیتے تھے۔ رومیوں نے بڑی جدوجہد اور فریب سے اپنے آدمی بھیج کر اس شیشہ کو توڑ دیا۔ حاکم بامر اللہ فاطمی کے عہد حکومت میں ایک صنّاع نے حاضر ہو کر درخواست

اسکندریہ کا مینارہ
اور
آئینہ حراقہ

کی بھتی کہ ”میں اس کو سابق کی طرح بنا دوں گا“ حاکم بامر اللہ نے جواب دیا کہ ”مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ روم والے (یونانی) اب خود سالانہ خراج بھیجا کرتے ہیں۔ اور وہ رضا مند ہیں کہ میری فوجیں علاقہ میں جائیں“

اسکندریہ میں برساتی پانی پیا جاتا ہے۔ اسکندریہ کے تمام جنگل میں دھنگلی ستون بکھرے پڑے ہیں، جس کا میں اول بیان کر چکا ہوں۔ بحر الروم قیردان^{۱۵۹} تک بہتا چلا گیا ہے۔ اور مصر سے قیردان تک ڈیڑھ سو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

قیردان ایک ولایت ہے جس کا سب سے بڑا شہر سلجماسہ^{۱۶۰} ہے اور جس کے چار فرسنگ پر بحر الروم ہے۔

سلجماسہ و مہدیہ | سلجماسہ بڑا شہر ہے اور جنگل کے کنارے آباد ہے جس کی فصل مضبوط ہے، سلجماسہ کے پہلو میں شہر مہدیہ^{۱۶۱} ہے، یہ

وہ شہر ہے جس کو امیر المومنین حسین ابن علیؑ کی اولاد میں سے مہدی نے ملک مغرب اور اندلس فتح کرنے کے بعد آباد کیا تھا۔ مہدیہ آج کل سلطان مصر کے قبضہ میں ہے، یہاں برف گرتی ہے، مگر ٹھیرتی نہیں ہے (دبگل کر رہ جاتی ہے) بحر الروم اندلس سے دائیں ہاتھ پر جانب شمال پھر جاتا ہے۔ اندلس اور مصر میں ایک ہزار فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور یکل اسلامی آبادی ہے۔

اندلس | اندلس (اسپین) ایک وسیع ولایت ہے، مگر کوہستانی علاقہ ہے۔ برف گر کر جم جاتی ہے۔ باشندے گورے چٹے ہیں، بال سرخ

ہیں۔ اور کرنچی آنکھ والے زیادہ ہیں۔ جیسے صقلائیہ^{۱۶۲} کے باشندے ہوتے ہیں اندلس بحر الروم کے نشیب میں ہے۔ اور آبادی سے بحر الروم جانب مشرق پڑتا ہے جب اندلس سے دست راست پر شمال کی طرف چلیں تو سمندر کا کنارہ روم سے متصل ہو جاتا ہے۔ اندلس سے عزہ^{۱۶۳} اور روم تک بکثرت آمد و رفت جاری

اور اگر چاہیں تو جہاز اور سمندری راستہ سے بھی قسطنطنیہ جاسکتے ہیں لیکن خلیج ہندو (شاخیں) بہت پڑتی ہیں، جن میں سے ہر ایک دو یا تین سو فرسنگ تک چلی گئی ہو۔ الغرض بغیر کشتی (جہاز) کے سفر نہیں ہو سکتا ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے اکثر سنا ہے کہ بحر الروم کا دور چار ہزار فرسنگ ہو۔ اور ایک شاخ اس سمندر کی ظلمات میں ہو جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حصہ سمندر کا منجمد ہو، کیونکہ یہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی ہے۔

منجملہ اُن جزائر کے جو اس سمندر میں ہیں، ایک جزیرہ صقلیہ ^{۱۶۴} جزیرہ صقلیہ (سسی) بھی ہے۔ مصر سے صقلیہ تک بیس دن میں کشتی پہنچتی ہے۔ علاوہ بریں اور بھی بہت سے جزیرے ہیں۔ کہتے ہیں صقلیہ کا رقبہ اسی فرسنگ مربع ہے۔ اور سلطان مصر کی حکومت ہے، جہازوں کے ذریعہ ہر سال صقلیہ کا مال مصر میں آتا ہے۔ اور باریک کتاں کی تجارت ہوتی ہے جس کا ایک ہتھان مصر میں دس دینار مغربی (ساتھ روپیہ) کو فروخت ہوتا ہے۔

مصر سے جانب مشرق چل کر بحر قلزم میں پہنچتے ہیں اور قلزم ^{۱۶۵} شہر قلزم سمندر کے کنارے ایک شہر ہے جو مصر سے تیس فرسنگ ہے۔ بحر قلزم ^{۱۶۶} دریائے نیل کی ایک شاخ ہے جو عدن سے پھٹ کر شمال کی طرف جاتی ہے، اور قلزم میں جا کر پھر یہ شاخ مل کر الگ ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ عرض اس خلیج کا دو سو فرسنگ ہے۔ دریائے قلزم اور مصر کے مابین ایسا پہاڑی اور جنگلی علاقہ ہے جس میں پانی اور گھاس تک نہیں ہے۔ جو شخص مصر سے

لے بحر الکاہل (انٹارک اوشن) بحر ظلمات (پاسفک اوشن) بحر ہند (انڈین اوشن) بحر نجد شمالی اراکٹک اوشن) اور بحر نجد جنوبی انٹارک اوشن کے مجموعہ کو متقدمین دریائے نیل کہتے تھے۔ اور ناصر خسرو دریائے نیل سے اس کی مشرقی شاخ بحر آئبند، بحر فارس، اور مغربی شاخ جو بلاد بربر اندلس، افریقہ، مصر و شام تک گئی ہو مراد لیتا ہے۔

مکہ، کیونکہ مصر جنوب میں ہے اور اس کو قاہرہ معزیہ کہتے ہیں اور قدیم نام فسطاط ہے۔ فسطاط کا ترجمہ (شکر گاہ یا چھاؤنی ہے) اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر المومنین حسین بن علی صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اولاد میں سے ایک شخص نے جس کا نام المعز لدین اللہ تھا (متوفی سنہ ۳۶۵ھ) ملک مغرب سے اندس تک فتح کر لیا تھا اور مغرب سے براہ نیل مصر پر فوج کشی کی تھی اور دریائے نیل کو کوئی شخص عبور نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ اول تو یہ دریا بہت بڑا ہے، دوسرے اس میں گھڑیالوں کی افراط ہے، جو جانور پانی میں گرتے ہیں یہ اس کو فوراً نگل جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ حوالی شہر میں (گھاٹ پر) ایک طلسم بنایا ہے کہ یہ گھڑیاں آدمی اور جانوروں کو نگل نہ جائیں۔ اور شہر سے ایک تیر کے فاصلہ پر پانی کے اندر بحر مقررہ گھاٹ کے کسی اور راستے سے کوئی شخص نہیں جاسکتا ہے۔

روایت ہے کہ المعز لدین اللہ نے اس مقام تک فوج بھیجی تھی جہاں آج شہر قاہرہ آباد ہے اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ”جب تم وہاں پہنچو گے تو ایک کالا کتا تم سے پہلے پانی میں کود جائے گا۔ تم اس کے پیچھے چلے جانا، بلا کھٹکے پار اتر جاؤ گے“ بیان کیا جاتا ہے کہ تیس ہزار سوار یہاں پہنچے تھے جو سب خلیفہ کے غلام تھے۔ چنانچہ وہ کالا کتا فوج کے آگے ہو لیا، اور فوج اس کے پیچھے پیچھے چلی اور دیا سے پار ہو گئی۔ اور کسی کا بال بھی بریکانہ ہوا۔ کسی مورخ نے آج تک اس کا حوالہ نہیں دیا ہے کہ کوئی سوار رود نیل سے پار اترتا ہو۔ یہ واقعہ ۳۶۳ھ کا ہے۔ خلیفہ خود براہ دریا کشتی پر آیا تھا۔ جن کشتیوں پر خلیفہ مصر میں آیا تھا، یہ کشتیاں قاہرہ پہنچ کر خالی کی گئیں اور پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دی گئی تھیں جس طرح عموماً چیزیں پھینک دی جاتی ہیں۔ اس قصہ کے راوی نے ان کشتیوں کو خود دیکھا تھا، جو شمار میں سات تھیں، ہر ایک کشتی طول میں ڈیڑھ

ہاتھ اور عرض میں ستر ہاتھ تھی۔ اور انشی برس تک یہ کشتیاں اس جگہ ٹری رہیں اس قصہ کا راوی ۱۳۴۵ھ میں مصر میں داخل ہوا تھا۔

جس زمانہ میں المغرلین اللہ مصر میں داخل ہوا ہو، اس وقت ملک مصر خلافت عباسیہ کے ماتحت تھا اور عباسی گورنر نے مغز کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی تھی۔ اور مغربہ اپنی فوج کے اس جگہ اتر اٹھا۔ جہاں آج قاہرہ آباد ہے۔ چنانچہ اس چھاؤنی کا نام قاہرہ رکھا گیا۔

جب فوج کا قیام ہو گیا تب سختی سے یہ حکم قاہرہ کی ابتدائی آبادی نافذ ہوا کہ قدیم شہر میں ایک سپاہی بھی نہ

جانے پائے، نہ کسی کے گھر میں ٹھیرے بلکہ اسی جنگل میں شہر آباد ہو۔ اور خدام دولت کو بھی حکم دیا کہ ہر ایک اپنے لیے ایک مکان محل بنائے چنانچہ ترقی کر کے یہ آبادی شہر کے درجہ پر پہنچ گئی جس کی نظیر نہیں ہو سکتی۔ میں نے اندازہ کیا کہ قاہرہ میں بیس ہزار دوکانوں سے کم نہ ہوں گی اور یہ سب شاہی ملکیت تھیں اور بکثرت ایسی دکانیں تھیں جن کا ماہواری کرایہ دس دینار فی ہوا کوئی دکان دو دینار سے کم کرایہ کی نہ تھی۔ سرائے، حمام اور دیگر جائداد اس قدر ہو کہ جس کا شمار و قیاس نہیں، یہ سب شاہی ملکیت تھی۔ اور بجز سکونت مکان کے دیا جو اس کا تعمیر کردہ ہو کوئی شخص کسی جائداد کا مالک نہ تھا۔ میں نے سنا ہے کہ قاہرہ اور قدیم مصر میں آٹھ ہزار مکانات ہیں جو خلیفہ کی جانب سے کرایہ پر دیے جاتے ہیں۔ اور ماہوار کرایہ لیا جاتا ہے۔ اور باہمی رضامندی پر دکانیں دی جاتی ہیں اور واپس لی جاتی ہیں اور کسی کے ساتھ جبری کارروائی نہیں کی جاتی۔ ایوان خلافت وسط قاہرہ میں ہے جس کے اطراف کھلے ہوئے ہیں۔ اور کوئی عمارت محل سر کے قریب نہیں ہے۔

ہندسوں (سروے پارٹی) نے پیمائش کی تو یہ محلات شہر متیا فارفین

کے برابر تھے۔ محل کے چاروں طرف میدان ہو جس میں رات کو ایک ہزار آدمی پہرہ دیتے ہیں۔ یعنی پانچ سو سوار اور پانچ سو پیادے، نماز مغرب کے وقت سے قرنا، ڈھول اور جھانجھ بجاتے ہیں اور محلات کے چاروں طرف صبح تک گشت لگاتے ہیں۔ شہر کے باہر سے جب قصر خلافت کا نظارہ کریں تو وہ مثل ایک پہاڑ کے نظر آتا ہو۔ کیونکہ اس میں بکثرت بلند عمارتیں ہیں، اور شہر کے اندر سے کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ محل کی دیواریں اونچی ہیں۔

کہتے ہیں کہ محل میں بارہ ہزار تنخواہ دار ملازم ہیں اور عورتوں و کنیزوں کی تعداد کس کو معلوم ہو سکتی ہو؟ ہاں یہ کہتے ہیں کہ تین ہزار آدمی قصر خلافت میں رہتے ہیں حرم شاہی بارہ محلات پر تقسیم ہو۔ اور حرم کے دس دروازے ہیں جو سب سطح زمین پر ہیں۔ اور زمین دوز دروازے اس کے علاوہ ہیں۔ بیرونی دروازوں کے نام حسب ذیل ہیں :-

باب الذهب - باب البی - باب السیم - باب الزھومہ - باب السلام
باب الترجید، باب الفتوح، باب العید، باب الذلّاقہ - باب السربہ -
زمین کے نیچے (سُرنگ) ایک دروازہ ہو جس میں سے خلیفہ سوار ہو کر نکلتا ہو۔ شہر سے باہر ایک محل بنایا ہو جس کا راستہ سُرنگ کے اندر سے ہو اور اس راستہ کی چھت بہت مضبوط بنائی ہو، حرم سراسے محل تک اور محل کی دیواریں سب ایک ڈال پتھر کی ترشی ہوئی ہیں، جس کے اندر بلند ایوان اور خوبصورت مناظر ہیں اور صحن کے اندر جھوترے بنائے ہیں۔ تمام ارکان دولت اور خادم حبشی اور رومی ہیں۔ وزیر ایسا شخص مقرر کیا جاتا ہو جو زہد، پارسائی، امانت، صداقت اور علم و فضل میں سب سے بڑھ کر ہو۔ عہد المعز لدین اللہ میں شراب نوشی کی رسم نہیں تھی اور کوئی خشک انگوروں کا بھی شربت (بنیذ) نہیں بناتا تھا کہ کشید شراب کا شک کیا جائے اور کسی

کی طاقت نہیں ہو کہ شراب پیے۔ اور جو کی ہلکی شراب بھی نہیں پیتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہو کہ یہ بھی متوالا کر دیتی ہو کیونکہ کھنچ کر دوسرے قالب میں آئی ہو اور کوئی عورت بھی گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔

شہر قاہرہ کے تفصیلی حالات | قاہرہ کے پانچ دروازے ہیں۔ باب النصرا
باب الفتوح، باب القنطرہ، باب الزبدیہ
باب الخلیج۔

قاہرہ میں فصیل نہیں ہو، لیکن عمارتیں ایسی اونچی ہیں جو فصیل سے کہیں زیادہ مضبوط اور بلند ہیں، ہر مکان اور محل ایک قلعہ کا درجہ رکھتا ہو۔ اکثر عمارتیں پنج منزلہ اور چھو منزلہ ہیں۔ اور دیائے نیل کا پانی پیا جاتا ہو۔ بہشتی اونٹوں پر پانی لے جاتے ہیں، جو کنویں نیل سے قریب ہیں ان کا پانی میٹھا ہوتا ہو اور جو دور ہیں وہ کھاری ہیں۔ مصر و قاہرہ میں پچاس ہزار اونٹ ہیں، جو آب کشی کرتے ہیں۔ اور ان ہو کے ذریعہ سے بہشتی پانی لاتے ہیں۔ اور جو بہشتی خود پانی بھرتے ہیں (مشک اٹھاتے ہیں) وہ جدا گانہ ہیں۔ ان تنگ گلیوں میں جہاں اونٹ نہیں جاسکتا ہو پتیل کے گگروں اور مشکوں میں پانی لے جاتے ہیں۔ شہر میں مکانوں کے اندر بارہ اور چہن ہیں، جن کی آبپاشی کنوؤں سے ہوتی ہو۔ حرم شاہی میں ایسے باغ ہیں جو سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو سکتے۔ رہٹ کے ذریعہ سے باغوں میں پانی د جاتا ہو۔ پھتوں پر بھی درخت لگاتے ہیں اور سیرگاہ (پارک) بناتے ہیں۔ جو زمانہ میں میرا قیام قاہرہ میں تھا، ایک مکان جو طول میں بیس گز اور عرض میں بارہ گز تھا ماہانہ پندرہ دینار مغربی پر کرایہ دیا گیا تھا۔ یہ چھ منزلہ عمارت تھی۔ تیر منزلیں کرایہ پر اٹھی ہوئی تھیں اور سب سے اوپر کا درجہ مالک مکان سے پارہ دینار مغربی (ماہوار) پر مانگا جاتا تھا، مگر اس نے نہیں دیا، اور کہا کہ شا

مجھے خود کبھی قیام کی ضرورت ہو۔ چنانچہ ایک سال تک میں قاہرہ میں رہا لیکن مالک مکان ایک دو مرتبہ بھی نہ آیا (کہ اس کمرہ پر ٹھیرتا) یہ مکانات پاکیزگی اور لطافت میں ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا جو اہرات سے بنائے گئے ہیں، اینٹ، پتھر، گارے کا کیا ذکر ہو۔ قاہرہ کا ہر مکان جداگانہ تعمیر ہوا، یعنی کسی غیر شخص کے دیوار پر نہ تو درخت ہو نہ عمارت (دو چر دیوار مراد ہو) جو شخص چاہتا ہو اپنا مکان تو ذکر نئی عمارت بناتا ہو اور ہمسایہ کو صدمہ نہیں پہنچتا جب قاہرہ سے جانب مغرب چلیں تو ایک بڑی نہر ملتی ہے جس کو خلیج کہتے ہیں۔ یہ نہر خلیفہ کے باپ نے نکالی ہے اور اس نہر کے کنارے تین سو مواضعات خالصہ آباد ہیں یہ نہر مصر قدیم سے نکل کر قاہرہ میں آئی ہے، پھر قاہرہ سے گھوم کر قصر خلافت کے سامنے سے گزرتی ہے، نہر کے کنارے دو محل بنائے گئے ہیں جس میں سے ایک کو لولو (موتی محل) اور دوسرے کو جوہرہ (جوہر منزل) کہتے ہیں۔ قاہرہ میں چار جامع مسجد ہیں اور سب میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے جس میں سے ایک کا نام جامع الہرہ ہے، دوسری جامع التورہ ہے، تیسری جامع حاکم بامر اللہ، چوتھی جامع معز لدین اللہ ہے۔ یہ جامع مسجد شہر کے باہر دریائے نیل کے کنارے ہے۔ مصر سے جب قبلہ کی طرف رخ کریں تو مطلع محل (نام برج) سامنے پڑتا ہے۔ مصر قدیم (فساط) سے قاہرہ تک ایک میل سے بھی کم فاصلہ ہوگا۔ مصر جنوب میں ہے اور قاہرہ شمال میں، دریائے نیل مصر سے گزر کر قاہرہ میں پہنچتا ہے۔ دونوں شہروں کے باغ اور عمارتیں متصل ہیں، موسم گرما میں تمام دشت اور جنگل مثل دریا کے نظر آتا ہے۔ شاہی باغ کا بیرونی حصہ جو بلندی پر ہے وہ نہیں ڈوبتا باقی کل حصہ تہ آب ہو جاتا ہے۔

افتتاحِ خلیج کا بیان

افتتاحِ خلیج کے تفصیلی حالات | دریائے نیل جب چڑھاؤ پر آتا ہے تو شامانہ جلوس کا نظارہ

طغیانی اٹھارہ گز تک ہوتی ہے، (اس مقدار سے جو معمولاً موسمِ سرما میں ہوا کرتی ہے) اور اس وقت تک تمام ملک کی نہروں کے دہانے بند رہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ نہر جس کو خلیج کہتے ہیں۔ اور جو مصر قدیم کے سامنے سے شروع ہو کر قاہرہ تک جاتی ہے (یہ نہر شاہی ہے) اس کے افتتاح کے لیے خلیفہ محل سے سوار ہو کر آتا ہے اور نہر کا دروازہ کھولتا ہے۔ اس رسم کے بعد تمام ملک کی خلیجوں اور نہروں کا پانی کھول دیا جاتا ہے۔ یہ سب سے بڑے جشن کا دن ہے۔ اور اس تقریب کا نام ”رکوب افتتاح الخلیج“ (افتتاحِ خلیج کا جلوس) ہے۔

جب شامانہ سواری کے نکلنے کا زمانہ قریب ہوتا ہے، تو نہر کے کنارے ایک نہایت ہی شاندار شامیانہ خلیفہ کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے جو دیباے رومی کا ہوتا ہے اور اس پر زرد دوزی کا کام بنایا جاتا ہے۔ اور جو اہرات سے سجایا جاتا ہے (یعنی جہاں تک سامان آرائش بہم پہنچ سکتا ہے) اور ایک تسو سوار اس شامیانہ کے سایہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ پھر اس وسیع راستہ کے سامنے بو قلوئی خیمہ لگا کر دوسری بار گاہ سجاتے ہیں۔

اصلی جلوس نکلنے سے تین دن پہلے صطبل میں ڈھول، نقارے اور قرنا بجاتے ہیں، تاکہ گھوڑے ان باجوں کی آواز سے مانوس ہو جائیں (یہ نقلی جلوس ہے جس کو Rehearsal کہتے ہیں)

جس دن خلیفہ کی سواری نکلتی ہو، دس ہزار گھوڑے جن کے زین اور طوق سنہرے اور باگ ڈوریں جڑاؤ ہوتی ہیں، اور زین کے مندرے دیبائے رومی اور بوقلمون کے ہوتے ہیں، یہ خاصکر ایک ہی انداز کے سرکاری کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں جن میں نہ سلائی ہوتی ہو، نہ کسی جگہ جوڑ ہوتا ہو، اور حاشیہ پر خلیفہ کا نام کر دھا ہوا ہوتا ہو۔ ہر کوتل گھوڑے پر زرہ یا جوشن پڑا ہوتا ہو۔ اور زین کے ابھرے ہوئے حصے پر (سامنے کی طرف) خود رکھ دیتے ہیں۔ یا اسی قسم کے اور اٹھ۔ اسی طرح اونٹ کجاؤن سے اور خچر عماریوں سے آراستہ اور زرد جواہر سے سجے ہوئے (اور جھولوں پر موتی ٹکے ہوئے) نکلتے ہیں، رسم افتتاح خلیج کی اگر تعریف کی جائے تو طوالت ہوگی۔

اس جلوس کے ہمراہ تمام شاہی لشکر ہوتا ہو۔ اور ہر فوج جداگانہ ہوتی ہو۔ اور ہر ایک کے پتے اور نام الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک فوج کو کتامیہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ قیرواں سے المعز الدین اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ بیٹل ہزار سوار ہیں۔ اور دوسری فوج کا نام باطلیان ہو، یہ مغربی ہیں، جو خلیفہ مصر کی آمد سے پہلے مصر میں آگئے تھے۔ یہ پندرہ ہزار سوار ہیں۔ اسی طرح پیادہ فوج مضاعف کی تھی، یہ حبشی ملک مصمودیان کے باشندے تھے۔ یہ بھی بیس ہزار تھے۔ ایک فوج مشارقہ، (اہل مشرق) کی تھی، یہ قوی الجبہ ترکی اور عجمی تھے۔ اور مشارقہ اس لیے کہلاتے ہیں کہ یہ عربی النسل نہیں ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر مصر میں پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا نام اصل لفظ (مشرق) سے مشتق ہو، یہ دس ہزار تھے۔ ایک فوج کا نام عبید الشرا ہو۔ یہ زرخیز غلام تھے۔ جو تعداد میں تیس ہزار تھے۔ ایک گروہ نیزہ بردار بدویوں کا تھا، یہ مجازی باشندے ہیں۔ جو پچاس ہزار تھے۔ ایک جماعت کا نام استادان (کھڑے رہنے والے) ہو

یہ کالے اور گورے غلام تھے، جو خاص خدمت کی غرض سے خریدے گئے ہیں۔ یہ تیس ہزار ہیں۔ ایک فوج سرائیاں (گھر کے غلام) کی تھی یہ پیادے مختلف ممالک کے تھے۔ اور نگرانی کے لیے ان کا سپہ سالار بھی الگ تھا۔ یہ لوگ صرف اپنے ملک کے اسلحہ استعمال کرتے تھے، یہ دس ہزار تھے۔ ایک فوج کا نام زنوج (باشندگان زرنج یعنی حبشی) تھا یہ صرف تلوار سے لڑتے تھے، یہ تیس ہزار تھے۔ اور یہ کل تنخواہ دار فوج تھی، جن کا مشاہرہ بلحاظ درجہ مقرر تھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک دینار کے لیے بھی کسی عامل یا رعایا کے نام دھابند تنخواہ کا حکم نامہ (چٹھی یا مہنڈی) جاری ہوا ہو۔ بلکہ والیان صوبہ سالانہ خراج داخل خزانہ کرتے تھے۔ اور خزانہ سے وقت معین پر تنخواہ تقسیم ہو جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی سپاہی اپنی تنخواہ کے لیے زمیندار و رعایا کو نہیں ستاتا تھا۔

ان کے علاوہ دیگر ممالک کے شاہزادے اطراف عالم سے اکرجع ہو گئے تھے۔ اور ان کا شمار سوار و پیادوں میں نہ تھا، یہ شاہزادے ملک یمن، مغرب روم، صغلاب، نوبیا اور حبشہ کے تھے اور سلاطین دیالمہ کی بھی اولاد تھی۔ جن کی مائیں اس ملک میں آگئی تھیں۔ علاوہ بریں گرجستان، دیالمہ اور خاقان ترکستان کے شاہزادے بھی تھے۔ ان کے علاوہ بکثرت فاضل، ادیب، شاعر، فقیہ اور مختلف طبقات کے لوگ تھے، جن کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور کسی شریف زاد کا وظیفہ پانسو دینار سے کم نہ تھا، بلکہ بعض دو ہزار دینار مغربی کے منصب دار تھے، ان منصب داروں کے کوئی کام سپرد نہ تھا، بجز اس کے کہ جس وقت وزیر اعظم کا دربار ہو تو یہ جا کر سلام کر آئیں، اور رخصت ہوں۔ جلوس کی تفصیل کے بعد اب پھر افتتاحِ خلیج کا حال لکھتا ہوں۔

جس صبح کو خلیفہ افتتاحِ خلیج کے لیے نکلتا ہے اس روز دس ہزار مزدور

اجرت پر مقرر کیے جاتے ہیں، جن میں سے ہر مزدور ایک ایک کوتل گھوڑے کو لے کر چلتا ہے۔ اور سوسو کی قطار ہوتی ہے اور آگے آگے لفٹارے، ڈھول اور شہنائی بجاتے جاتے ہیں۔ فوج کا ایک حصہ ان کے پیچھے ہوتا ہے اور حرم سر سے دہانہ خلیج تک اسی طرح جلوس نکلتا ہے اور پھر واپس آتا ہے۔ ہر مزدور کو جو کوتل گھوڑے لے جاتے ہیں، تین درہم اجرت دیتے ہیں۔ گھوڑوں کے پیچھے اونٹ چلتے ہیں جن پر جھولے اور ہنڈولے کسے ہوتے ہیں۔ اور ان کے بعد خچر ہوتے ہیں جن پر عماریاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ فوجوں اور کوتل گھوڑوں کے جلوس کے بعد دور سے امیر المومنین کی سواری نظر آتی ہے جو پورے قدا کا ایک خوبصورت جوان ہے اور امیر المومنین حسین بن علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم کی اولاد سے ہے۔ سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور خچر پر سوار تھا، جس کی زین اور لگام بالکل سادہ تھی، یعنی طلائی نقری کام کچھ نہ تھا۔ تمام لباس سفید تھا۔ کمر میں ایک بڑا پٹکہ بندھا ہوا تھا، جیسا کہ عرب کا دستور ہے اور جس کو فارس والے دُرّاعہ کہتے ہیں اس لباس کا نام دو بیقی (نرم اور نفیس حریر موضع دبیق کا بنا ہوا) ہے جس کی قیمت دس ہزار دینار ہے۔ اور اسی رنگ کا عمامہ بھی تھا۔ اور ایک بیش قیمت کوڑا ہاتھ میں تھا۔ اور خلیفہ کی سواری کے سامنے تین ہزار دہلی پیادے تھے، جن کا لباس زرلفت رومی کا تھا۔ کمریں کسی ہوئی تھیں اور آستینیں پھیلی تھیں جیسا کہ مصر والوں کا دستور ہے۔ اور یہ سب پیادے چھوٹے چھوٹے نیزے اور تیرلیے ہوئے تھے۔ اور پائتا بہ (آہنی کانٹے) چڑھائے ہوئے تھے، اور ایک چتر بردار گھوڑے پر سوار ہو کر خلیفہ کے ہمراہ چلتا ہے، جس کے سر پر صع زرین دستار ہوتی ہے اور لباس ایک ہی کپڑے کا ہوتا ہے جس کی قیمت دس ہزار دینار مغربی قرار دی جاتی ہے اور جو چتر اس خادم کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ

نہایت پر تکلف مرصع اور جڑاؤ ہوتا ہے اور بحر چتر بردار کے کوئی دوسرا سوار خلیفہ کے قریب نہیں ہوتا، خلیفہ کے آگے دلی ہوئے ہیں۔ اور دائیں بائیں خادم انگلیٹھیاں لے کر چلتے ہیں جس میں عود و عنبر سلگتا جاتا ہے۔ امیر المومنین کی سواری جب سامنے سے گزرتی ہے تو ملکی دستور کے مطابق رعایا (قدیم مصری) سجدہ کرتی اور دعائیں دیتی تھی۔ اس کے بعد وزیر کی سواری آتی ہے جس کے جلوس میں قاضی القضاۃ، ارباب علم اور ارکان سلطنت بہ تعداد کثیر ہوتے ہیں اور خلیفہ کی سواری مقررہ راستہ تک یعنی خلیج کے دامن پر جا کر ٹھہر جاتی ہے۔ اور سوار یہاں پہنچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ایک ساعت کے بعد خلیفہ کے ہاتھ میں ایک لوکدار برچھا دیا جاتا ہے کہ وہ بند پر ماریں۔ چنانچہ خلیفہ کا ہاتھ پڑتے ہی تماشاخی تیزی کے ساتھ کدال اور زمین شکاف بیلچہ سے بند کو کاٹ دیتے ہیں۔ جو پانی اوپر چڑھ جاتا ہے وہ خود بخود زور کر کے نیچے گرتا ہے اور خلیج میں چلا جاتا ہے اس روز مصر قدیم اور قاہرہ کی تمام مخلوق افتتاح خلیج کا نظارہ دیکھنے آتی ہے۔ اور عجیب و غریب کھیل تماشے کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ خلیج میں جو سب سے پہلے کشتی ڈالی جاتی ہے وہ آخر سون دفنواخرس کی ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ گنگ دلال کہلاتے ہیں (گوئے بہرے مساکین) اور کشتیوں پر سوار کر لئے جاتے ہیں۔ اور یہ کارروائی بطور تفاعل (دشگون) کے ہوتی ہے۔ اور خلیفہ ان لوگوں کو صدقہ دیتا ہے۔

اکیس کشتیاں شاہی ہیں، جو محل کے قریب ایک تالاب میں پڑی رہتی ہیں، جس کی وسعت دو تین میدانوں کے برابر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کشتی کا طول پچاس گز اور عرض بیس گز ہے۔ اور کل کشتیاں طلائی نقری کام کی تھیں جن پر دیبا منڈھا ہوا اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، اگر میں ان کی تعریف

کروں تو ایک دفتر ہو جائے۔ اکثر اوقات یہ کشتیاں تالاب میں اس ترتیب و سلیقہ سے رکھی جاتی ہیں، جیسے صہبل میں خنجر باندھے جاتے ہیں۔

شہر سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر بمقام عین شمس ایک شاہی باغ ہو اور یہاں ایک خوبصورت چشمہ بھی ہو اور باغ بھی اسی چشمہ سے موسوم ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باغ فرعون کا تھا، اس باغ کے قریب میں نے ایک پرانی عمارت دیکھی جس میں چار بہت بڑے پتھر تھے جو مینار کی طرح قائم تھے اور ان کا ارتفاع تین گز تھا۔ اور ان کے سروں سے پانی کی بوندیں ٹپکتی تھیں۔ اور کسی کو اس کا علم نہ تھا کہ یہ کیا ہے؟

شجر بلساں | باغ کے اندر بلساں کے درخت تھے۔ روایت ہے کہ خلیفہ کا باپ تخم بلساں مغرب سے لایا تھا۔ اور اس ملک میں بویا گیا۔ اور ملک مغرب کے سوا ساری دنیا میں یہ درخت کہیں نہیں پیدا ہوتا ہے اور اب تو ملک مغرب میں بھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔ اگرچہ بلساں کا بیج ہوتا ہے مگر وہ ہر جگہ اگتا نہیں ہے اور اگر اگتا بھی ہے تو تیل نہیں نکلتا، بلساں کا درخت، آس ملک عرب کا مشہور درخت ہے، کی طرح ہوتا ہے اور جب یہ جوانی پر آتا ہے تو تلوار سے شاخوں میں کچو کے لگا کر جا بجا شیشے باندھ دیے جاتے ہیں، اس طریقہ سے اس کا تیل گوند کی طرح شاخوں میں سے نکلتا ہے اور جب پورے طور پر تیل نکل آتا ہے تو درخت سوکھ جاتا ہے۔ اور باغ بان لکڑیاں لا کر شہر میں بیچ ڈالتے ہیں۔ چھال موٹی ہوتی ہے جس کو درخت سے چھیل کر کھاتے ہیں اور بادام کا ذائقہ ہوتا ہے، درخت کی جڑ سے دوسرے سال کچے پھوٹ آتے ہیں اور بڑے ہونے پر اس کے ساتھ بھی مذکورہ بالا عمل جراثیمی کیا جاتا ہے۔

قاہرہ کے محلے | شہر قاہرہ میں دس محلے ہیں۔ اور محلہ کو یہاں ^{۱۷۳}حارہ کہتے

ہیں۔ ترتیب وار نام حسب ذیل ہیں۔ حارہ برجوان، حارہ زوہلیہ، حارہ الجودریہ، حارہ الامار، حارہ الدیالمہ، حارہ الروم، حارہ الباطلہ، قصر الشوک، عبید الشار، حارہ المصاہدہ۔

قدیم شہر مصر کا بیان

جامع طولون | مصر (فسطاط) بلندی پر واقع ہے، شہر کے جانب مشرق پہاڑی مگر اونچا نہیں ہے، بلکہ سنگین پشتہ کی طرح پتھروں کی سلیں ہیں۔ اور جامع طولون شہر کے کنارے بلندی پر ہے، جس کی دلدیواریا بہت مضبوط ہیں اور شہر آمد اور میا فارقین کے سوا میں نے ایسی خوبصورت دیوار کیں نہیں دیکھی ہے۔ یہ مسجد کسی عباسی امیر کی تعمیر کردہ ہے جو مصر کا والی رہا ہے۔ حاکم بامر اللہ (متوفی ۴۰۲ھ) کے زمانہ میں (جو موجودہ خلیفہ کا دادا تھا) ابن طولون کے لڑکے قاہرہ میں آئے تھے اور انھوں نے تیس ہزار دینار مغربی پر مسجد کا بیج نامہ کر دیا تھا اور کچھ دنوں کے بعد ان لڑکوں نے مسجد کا دوسرا منارہ گرانا شروع کیا۔ حاکم بامر اللہ نے ان سے کہلا بھیجا کہ یہ تو تم میرے ہاتھ بیج کر چکے ہو اب اسے کیوں گراتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے منارہ فروخت نہیں کیا ہے۔ چنانچہ پانچ ہزار دینار پر دوسرا منارہ بھی خرید لیا گیا۔ خلیفہ مصر رمضان المبارک میں اسی مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ اور ایام جمعہ میں بھی۔ شہر طغیانی کے خوف سے بلندی پر آباد کیا گیا ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں بڑے اونچے پتھر تھے جن کو توڑ کر سطح کو ہموار کیا ہے۔ اب ایسے مقامات عقبہ (گھاٹی) کہلاتے ہیں۔ شہر مصر کو جب فاصلہ سے دیکھیں تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

مصر کے مکانات | شہر کی بعض عمارتیں چودہ منزل کی ہیں اور کوئی سات منزل بھی ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ ایک شخص نے ست محلہ پر چن لگایا تھا اور ایک بچہ اکوٹھے پر لے جا کر پالا تھا، جب وہ جوان ہو گیا تو رہٹ کھینچتا تھا اور کنویں سے پانی نکالتا تھا۔ اس چھت پر تاج، ترنج اور کیلے کے درخت لگائے تھے۔ اور یہ سب پھلتے تھے اور طرح طرح کے گلاب و نازبو (مردہ) کے پودے لگائے تھے۔

مصر کی گلیاں اور کوچے | میں نے ایک معتبر سوداگر سے سنا ہے کہ مصر میں متعدد مکانات ہیں، جن میں کرایہ کے لیے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور پیمائش ان کی تیس تیس ہاتھ (۳۰ × ۳۰ = ۹۰۰) ہے جس میں تین سو پچاس آدمی رہ سکتے ہیں۔ مصر کے بعض بازاروں اور کوچوں میں دن رات قندیلیں روشن رہتی ہیں، کیونکہ ان گلیوں میں سورج کی روشنی نہیں آتی ہے۔ اور لوگوں کی آمد و رفت برابر جاری ہے۔

شہر مصر میں علاوہ قاہرہ کے سات جامع مسجدیں قریب قریب واقع ہیں اور دونوں شہروں میں پندرہ مسجدیں ہیں۔ جن میں جمعہ کے دن ہر جگہ نماز و خطبہ ہوتا ہے۔

باب الجوامع | وسط بازار میں ایک مسجد ہے جس کو باب الجوامع کہتے ہیں۔ یہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی تعمیر کردہ ہے، جب کہ آپ امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے والی تھے۔ یہ مسجد سنگ مرمر کے چٹا رسو ستونوں پر قائم ہے۔ اور جس دیوار پر صدر محراب ہے وہ کل سفید مرمر کی ہو اور پورا قرآن خوبصورت حروف میں ان دیواروں پر لکھا ہوا ہے۔ اور مسجد کے چاروں طرف بڑے بازار ہیں۔ اور مسجد کے دروازے بازار کی جانب ہیں جہاں قاری ملے بعض گلیاں دو دو فرلانگ طویل ہیں۔

اور مدرس درس دیا کرتے ہیں۔ ہر بڑے شہر کی تفریح گاہ یہی مسجد ہو۔ جیسا ایسا نہیں ہوتا، کہ یہاں پانچ ہزار آدمیوں سے کم مجمع ہو۔ جن میں طلبہ، عائض نویس (قبالہ اور دستاویزات لکھنے والے)، وغیرہ ہوتے ہیں۔ حاکم بامر اللہ نے فرزند ان عمرو بن عاص سے یہ مسجد خرید کر لی ہے۔ کیونکہ ان لڑکوں نے حاکم سے کہا تھا کہ ہم محتاج اور فقیر ہو رہے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے باپ کی مسجد کی اینٹ و پتھر کھود کر بیچ ڈالیں۔ چنانچہ حاکم بامر اللہ نے ایک لاکھ دینار دے کر مسجد خرید لی اور مصر والوں کو گواہ کیا۔ بیع نامہ کے بعد عجیب و غریب عمارت کا اس مسجد میں اضافہ کیا گیا۔ منجملہ ان کے ایک چاندی کا فیتیل سوزایا بنوایا جس میں سولہ پہل تھے۔ اور ہر پہلو ڈیڑھ ہاتھ کا تھا۔ چنانچہ کل محیط چوبیس ہاتھ تھا۔ جس میں کچھ اوپر سات سو چراغ مقدس راتوں میں روشن کیے جاتے تھے۔ اس فیتیل سوز کا وزن پچیس قنطار نقرہ تھا۔ (ایک قنطار کا وزن سو رطل اور ایک رطل ۱۴۴ درہم نقرہ کا مانا گیا ہے) جب یہ فیتیل سوز بن کر تیار ہوا تو مسجد کے کسی در میں نہیں سماتا تھا۔ تب مجبوراً ایک جدید دروازہ کھولا گیا اور اس کے اندر سے فیتیل سوز کو مسجد میں لائے۔ اور پھر اس نئے دروازہ کو بند کر دیا۔ اس مسجد میں ہمیشہ تلے اوپر دس رنگین چٹائیاں بچھی رہتی ہیں۔ اور روزانہ شب کو سو سے زیادہ قندیلیں روشن کی جاتی ہیں، قاضی القضاۃ کا دفتر اسی مسجد میں ہے۔ اس مسجد کے جانب شمال ایک بازار ہے، جس کو

سوق القنادیل | سوق القنادیل (قندیلوں کا بازار) کہتے ہیں، ایسا بازار کسی شہر میں نہ ہوگا، ساری خدائی کا نفیس اور قیمتی مال اس بازار میں ملتا ہے۔ میں نے اس بازار میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا سامان دیکھا مثلاً صندوقچہ، کنگھی۔ اور چاقو وغیرہ۔ اور یہاں ایک قسم کا سخت پتھر دیکھنے میں آیا جو ملک

مغرب سے آتا ہو اور جس کو نادرہ کا صنّاع تراش کر چیزیں بناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج کل دریائے قلزم سے ایک قسم کا سخت پتھر برآمد ہوا ہے، جو مغرب کے پتھر سے بہت زیادہ لطیف اور شفاف ہے۔ میں نے مانتی کا ایک دانٹ دکھا جس کا وزن کچھ اوپر سات من تھا۔ اور یہ ملک زنجبار سے آیا تھا۔ اور ایک چرسہ بیل کا دکھا جو حبش سے آیا تھا، یہ تین دوے کی کھال سے مشابہ تھا، اس کے جوتے بنائے جاتے ہیں اور نیز ملک حبش سے پالتو مرغ لاتے ہیں جو قد میں بہت اونچا ہوتا ہے، اور جس کے پروں پر سفید نقطے ہوتے ہیں اور سر پر مور کی طرح کیس (دکنی) ہوتا ہے۔ مصر میں شہد اور شکر کی بھی افراط ہے۔ دوسری (جنوری) کی تیسری تاریخ ہفتی اور سالانہ ف تھا کہ میں نے حسب ذیل پھول اور میوے ایک ہی دن بازار میں دیکھے۔

سرخ گلاب، نیلوفر، نرگس، ترنج، نابنج لیموں مرکب، سیب، یاسمن، نازبو، بھی انار، امرد، خرلوزہ، کچری، کیلہ،	مصر کے بازار میں میوے اور پھولوں کی افسراط
---	---

زیتون، تازہ ہٹر، خرمائے تر، انگور، گنا، بینگن، کدو، مولی، شلغم، کرم کلا، باقلہ، لکڑی، کھیرا، پیاز، لہسن، گاجر، چقندر۔ یہ خیال کرنے کی بات ہے کہ یہ سب میوے اور پھول مختلف موسم کے ہیں، یعنی کوئی خریف کے کوئی ربیع کے۔ بعض گرمی اور بعض جاڑے کے ہیں اور پھر ایک ہی فصل میں سب موجود ہیں، لوگ اس کو باور نہیں کریں گے، لیکن میری تحریر بلا غرض ہے، میں نے چشم دید واقعات لکھے ہیں اور جو سنی سنائی باتیں میں نے لکھی ہیں اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مصر ایک عظیم الشان صوبہ ہے، جس میں سرد سیر اور گرم سیر ہر قسم کی ہوائیں چلتی ہیں اور ہر حصّہ ملک سے چیزیں

آتی ہیں، جو بازاروں میں فروخت ہوتی رہتی ہیں۔

ظروف گلی | مصر میں ہر قسم کے مٹی کے برتن بنتے ہیں۔ اور وہ اس قدر لطیف اور شفاف ہوتے ہیں کہ اگر اس کے اوپر ہاتھ رکھو

تو اندر عکس نظر آتا ہے۔ گلاس، بڑے پیالے اور رکابیاں وغیرہ بناتے ہیں۔ اور ان برتنوں پر ایسا لگ (روغن) چڑھاتے ہیں جو دھوپ چھاں (بو قلمون) سے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس پہلو سے دیکھو نیا رنگ نظر آتا ہے۔ اور کالج ایسا پاکیزہ اور شفاف بناتے ہیں کہ زبرد معلوم ہوتا ہے جس کو تول کر بیچتے ہیں۔

مصری سوت | میں نے ایک معتبر بزاز سے سنا ہے کہ مصر میں باریک سوت جس کا وزن ایک درہم ہو، تین دینار مغربی کو بکتا ہے۔

(مساوی ۱۳ دینار نیشاپوری) اور میں نے نیشاپور میں دریافت کیا تھا کہ اعلیٰ درجہ کے سوت کی کیا قیمت ہے تو جواب ملا تھا کہ جو سب سے بہتر ہو وہ بقدر ایک درہم (وزن میں) پانچ درہم کو بکتا ہے۔

وسائل آبِ رسانی | شہر مصر طولاً دریا کے نیل کے کنارے واقع ہے اور اکثر محلات و مناظر ایسے موق پر ہیں کہ اگر چاہیں تو دریا کے

نیل کا پانی ڈور (رستی) سے بھر لیں۔ لیکن عموماً شہر میں بہشتی نیل سے پانی لاتے ہیں، کوئی اونٹ پر لاتا ہے، کوئی کاندھے پر۔ اور دمشق کے پتیل کے گگرے بھی دیکھے، جس میں پتالیس سیر پانی آتا ہے۔ اور یہ بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک کھارک کے پاس پانچ ہزار گگرے ہیں، جو کراہ پر چلاتی ہے۔ اور فی گگرا ماٹہ نہ کراہ ایک درہم ہے، جب واپس کیا جائے تو شرط ہے کہ اصلی حالت پر ہو۔

جزیرہ مصر | مصر کے سامنے مابین دریا ایک جزیرہ ہے، کسی وقت میں

یہاں شہر آباد کیا گیا تھا۔ یہ جزیرہ شہر کے مغربی جانب ہے، جس میں جامعہ مسجد اور باغات بھی ہیں۔ یہ جزیرہ حقیقت میں ایک چٹان پر ہے، جو نیل کے اندر ابھر آئی ہو۔ میں نے دریائے نیل کے ان دونوں شاخوں کا اندازہ کیا ہے، وہ وسعت میں جھجوں کے برابر ہوں گے۔ ان کی رفتار دھیمی (سست) ہے۔ شہر اور جزیرہ کے درمیان چھتیس کشتیوں کا ایک پل باندھا گیا ہے۔

جزیرہ | اسی طرح دوسرا شہر بھی نیل کے کنارے ہے جس کو جزیرہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی جامعہ مسجد ہے مگر پٹ نہیں ہے۔ گھاٹ اور کشتی سے عبور کرتے ہیں، بغداد اور بصرہ کے مقابلہ میں بڑی اور چھوٹی کشتیوں کی مصر میں افراط ہے۔

مصری تاجروں کی ایمانداری | مصر کے دوکاندار مال کی صحیح قیمت بیان کرتے ہیں۔ اگر کوئی دوکاندار

خریدار سے جھوٹ بولے، تو اس کو اونٹ پر بٹھا کر ایک گھنٹہ ماٹھ میں دے دیتے ہیں اور وہ شہر میں گشت کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ شخص گھنٹہ بجا کر بلند آواز سے کہتا جاتا ہے کہ ”میں نے غلط نرخ بتایا تھا جس کی ملامت اٹھا رہا ہوں اور جو جھوٹ بولے گا اس کی سزا یہی ہے“ بقال، عطار، بساطی اور تمام دوکاندار خریدار کو سودا رکھنے کے لیے بار دان دیتے ہیں۔ بار دان سے کالنج یا مٹی کا برتن اور کانغذ (لفافہ) مراد ہے (یعنی ہر جنس کے حسب حال ظرف ہوتا ہے)۔ خریدار کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ سودا رکھنے کے لیے ٹوکری یا زنبیل لیے پھریں۔

مصر کی پیداوار | مصر میں جلانے کا تیل شلیم اور مولی کے بیجوں سے نکالتے ہیں اور اس کو زیت حار (کڑوا تیل) کہتے ہیں۔ تلی (دکنج) کم پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا تیل نایاب ہے۔ روغن

زیتون سستا بکتا ہے۔ بادام سے پستہ کا نرخ ہمیشہ گراں رہتا ہے۔ اور پندرہ سیر مغز بادام کی قیمت ایک دینار سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

کرایہ کے خچر | بازاری اور دوکاندار عموماً خچروں پر سوار ہو کر گھر سے بازار تک جاتے ہیں۔ جن پر زین کسا رہتا ہے۔ اور ہر سڑک و کوچہ میں زین کسے ہوئے خچر تیار ملتے ہیں، جس کا جی چاہے سوار ہو جائے۔ کرایہ بہت کم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پچاس ہزار چوپایہ (خچر) زین کسے ہوئے کرایہ پر چلتے ہیں۔ گھوڑے فوجی سپاہیوں کے لیے مخصوص ہیں باقی اصحاب دوکاندارا دیہاتی، پیشہ ور اور رؤساء، خچروں پر ہی سوار ہوتے ہیں (میں نے بکثرت سیاہ و سفید دھاریوں کے خچر دیکھے ہیں جو گھوڑے سے کہیں بہتر تھے۔

مصر کا تمول | میرے زمانہ سیاحت میں یہاں کے لوگ بہت دولت مند تھے۔ ۱۳۹۰ھ میں (خلیفہ مستنصر باللہ) کے یہاں بیٹا پیدا ہوا حکم دیا گیا کہ تمام شہر اور بازار آراستہ کیے جائیں، اگر میں اس آرائش کی تعریف کروں تو بعض لوگوں کو یقین نہ آئے گا، بزازوں اور صرافوں وغیرہ کی دوکانیں زر و جواہر، نقد و جنس، زربفت اور قصب (مشروع) کے متافوں سے اس طرح سچی ہوئی تھیں کہ بیٹھنے کے لیے جگہ باقی نہ تھی۔ رعایا خلیفہ کی جانب سے مطمئن ہو، کوئی شخص پولیس اور خفیہ نگاروں سے نہیں ڈرتا تھا، خلیفہ پر سب کو اعتماد ہے۔ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ نہ کسی کے مال و دولت کا خواستگارا ہے۔ میں نے مصر میں جس قدر تمول کی افراط دیکھی ہے، اگر اس کا بیان کروں تو میری عجیب بھائی یقین نہ کریں گے مصریوں کی دولت مندی کا اندازہ میں نہیں کر سکتا ہوں۔ مصر کی جیسی آسائش میں نے کہیں نہیں دیکھی ہے۔ میں نے یہاں ایک عیسائی سا ہوکار دیکھا جس کے پاس کشتیاں اور روپیہ کی اس قدر افراط تھی جس کا

اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایک سال کا واقعہ ہو کہ دریائے نیل میں طغیانی نہ ہوئی اور غلہ گراں ہو گیا۔ وزیر السلطنت نے اس ساہوکار کو طلب کر کے کہا کہ ”یہ سال نہایت خراب ہو اور رعایا کی حالت دیکھ کر امیر المومنین بے چین ہو رہے ہیں لہذا بتاؤ کہ تم! نقدی یا ادھار سے کس مقدار تک غلہ دے سکتے ہو؟“ ساہوکار نے جواب دیا کہ ”امیر المومنین اور حضور کے اقبال سے میرے پاس اس قدر غلہ موجود ہو کہ چھو سال تک ملک کی خوراک کے لیے کافی ہوگا۔“ اس وقت مصر کی مردم شماری اس قدر تھی کہ نیشاپور کی مجموعی آبادی بمثل ہر کے پانچویں حصے کے برابر ہوگی۔ صاحب اندازہ سمجھ سکتا ہو کہ جس کے پاس اس قدر غلہ ہوگا اس کے پاس زر نقد کس مقدار میں ہوگا؟ کیسی اچھی رعایا ہو اور کیسا عادل سلطان ہو، جس کا زمانہ ایسا پُر امن ہو کہ جس میں مال و دولت کو افراط ہو، نہ تو بادشاہ کسی پر ظلم کرتا ہو اور نہ رعیت اس سے کچھ مخفی رکھتی ہو۔ یہاں میں نے ایک کارواں سرانیں | کو دارالوزیر کہتے ہیں، یہ بزازہ ہو یہاں صرف قصب کے تھان فروخت ہوتے ہیں، اور نیچے کی منزل میں درزی بیٹھتے ہیں اور اس کے اوپر محرابی طاق (برج) ہیں۔ میں نے منتظم سرلے سے پوچھا کہ اس سرلے کی آمدنی کیا ہو؟ تو اس نے کہا کہ سالانہ بیس ہزار دینار مغربی وصول ہوتے تھے۔ لیکن آج کل اس سرلے کا ایک حصہ شکستہ ہو گیا ہو جس کی مرمت ہو رہی ہو۔ لہذا ماہانہ آمدنی ایک ہزار دینار ہو۔ جس کا سالانہ بارہ ہزار ہوتا، مصر میں اگرچہ اس سے بڑی کوئی سرلے نہیں ہو، لیکن پھر بھی اس قسم کی دو سو سرانیں (خان) موجود ہیں۔

دعوت ایوان الکبیر بزمانہ خلافت معد بن تمیم ملقب بہ مستنصر باللہ فاطمی ۴۴۰ھ

خلفائے فاطمین کا یہ دستور تھا کہ ہر سال عیدین کے موقعہ پر عام دعوت کرتے تھے۔ اور دربار عام میں خاص و عام طلب ہوتے تھے، چنانچہ خواص قصر خلافت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور عوام دوسرے مکانات میں ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اس دعوت کے حالات میں بہت کچھ سن چکا تھا، لیکن دلی خواہش تھی کہ میں اپنی آنکھ سے یہ سماں دیکھ لوں، دربار کے ایک کاتب سے میرے دوستانہ مراسم تھے، میں نے اس سے کہا کہ سلاطین عجم میں سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سلطان مسعود کے دربار میں نے دیکھے ہیں، جو بڑی شان و شکوہ کے بادشاہ تھے۔ لیکن چاہتا ہوں کہ امیر المومنین کا دربار عید بھی دیکھ لوں۔ چنانچہ میرے اس دوست نے پردہ دار (صاحب الستریا ناظر قصر خلافت) سے سفارش کر دی۔

قصر خلافت | رمضان المبارک ۴۴۰ھ (۱۰۴۹ء) کی اخیر تاریخ
دعوت عید اور ہفتی کہ دربار سجایا گیا، کیونکہ صبح کو عید تھی۔ خلیفہ عید کی نماز پڑھ کر دربار میں آتا ہوں اور کھانے پر بیٹھ جاتا ہوں

چنانچہ پردہ دار نے مجھے بھی قصر خلافت میں پہنچا دیا، صدر دروازے سے آگے بڑھ کر ایسی شہ نشین اور محلات دیکھے کہ اگر اس کا بیان کر دوں تو ایک کتاب بن جائے۔ بارہ ایوان سلسل تھے اور ہر ایک مرتب تھا۔ میں جس ایوان کے اندر داخل ہوتا تھا وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا، اور ان

میں سے ہر ایک کا رقبہ نواختہ مرتب تھا۔

دیوان خاص | اور منجملہ ان کے ایک ایوان ساٹھ ہاتھ مرتب تھا، جس میں

عرض کے مطابق ایک تخت بچھا ہوا تھا، یہ تخت چار گز اونچا تھا، جس کے تین رُخ بالکل طلائی تھے اور کناروں پر شکار گاہ اور میدان وغیرہ کی تصویریں کھچی ہوئی تھیں اور خوبصورت حروف میں کتابت تھی۔ ہر قسم کے فرش جو ان محلات میں بچھے تھے وہ سب دیباے رومی اور بوقلمون کے تھے۔ اور ہر کمرہ کی پیمائش کے مطابق کارخانہ میں تیار ہوئے تھے۔ اور طلائی کام کے جالدار تکیے ہر طرف لگے ہوئے تھے، جن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ اور تخت کے پیچھے (جانب دیوار) چاندی کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اور دراصل تخت ایسا تھا کہ اگر پوری کتاب اس کی تعریف میں لکھی جائے تو بھی الفاظ کافی نہ ہوں۔

خوان نعمت | روایت ہے کہ عام دعوت کے دن ایک ہزار آٹھ سو پچترہین

شکر صرف ہو جاتی ہے۔ میں نے ایک درخت دیکھا (جو درخت ترنج کے برابر تھا) جس کی تمام شاخیں اور پتیاں اور پھل شکر سے بنائے گئے تھے۔ علاوہ برس درختوں کی شاخوں میں ایک ہزار تصویریں آویزاں تھیں جو سب شکر کی تھیں۔ باورچی خانہ محل سے باہر ہے۔ پچاس غلام ہمیشہ باورچی خانہ میں حاضر رہتے ہیں اور محل سے باورچی خانہ تک ایک سرنگ ہے (جس کے اندر ہو کر کھانا جاتا ہے)

آبدار خانہ | باورچی خانہ کا انتظام اس طریقہ پر تھا کہ ہر روز چودہ اونٹ برف سے لدے ہوئے آبدار خانہ میں آتے تھے، پھر یہاں

لے کر بندوں کی تصویریں ہوں گی جس کی تصدیق غلط متنازع سے ہو جاتی ہے۔

سے اکثر امرار اور خاص خاص لوگوں کو روزانہ تقسیم ہوتا تھا۔ اور اگر باشندگان شہر بیماروں کے لیے مانگیں تو ان کو بھی دے دیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح ہر قسم کے شربت اور دوائیں جو لوگوں کو مطلوب ہوتیں، وہ قصر خلافت سے مانگتے تھے۔ اور دی جاتی تھیں۔ یہی حال روغن بلساں وغیرہ کا تھا۔ چنانچہ بقدر ضرورت جملہ اشیائے مذکورہ بلا تا مل تقسیم ہوتی تھیں۔

سیرت امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی

باشندگان مصر میں امن و اطمینان کا یہ عالم تھا کہ ہزار، صراف اور جوہری اپنی دوکانوں کے دروازے بند نہ کرتے تھے، بلکہ ایک جال دوکان پر تان دیتے تھے اور کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ تصرف کر سکے۔ ایک دولت مند یہودی جوہری خلیفہ کا مقرب خاص تھا۔ اور خریداری جوہرات میں اس کا بڑا اعتبار تھا، ایک دن فوج والوں نے دست درازی کر کے اس یہودی کو مار ڈالا۔ لیکن ارتکاب جرم کے بعد سیاست سلطانی سے ڈر کر بیس ہزار سوار ایک میدان میں اکڑ جمع ہوئے۔ اور ایک حصہ فوج کا جنگل میں منتشر ہو گیا، یہ حالت دیکھ کر عیا خوف زدہ ہو گئی، اور یہ لشکر دوپہر تک میدان میں ڈٹے رہے چنانچہ ایک خادم محل سے کل کردروازہ پر کھڑا ہوا اور سواروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”امیر المومنین دریافت فرماتے ہیں کہ تم مطیع ہو یا باغی؟“ سب یک بارگی چیخ اٹھے کہ ”ہم غلام و فرماں بردار ہیں، لیکن ہم سے ایک قصور ہو گیا جو“ یہ جواب سن کر خادم نے اعلان کیا کہ ”امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ تم اپنی بارکون میں واپس جاؤ“ چنانچہ سب اسی وقت چلے گئے۔ اس یہودی کا نام ابوسعید تھا، اس کا ایک بیٹا اور بھائی بھی تھا۔ لوگوں کا بیان

ہو کہ اس یہودی کے مال کا اندازہ صرف خدا ہی کو ہو۔ اس کے محل کی چھت پر تین سو نفری گیلے رکھے ہوئے تھے اور ہر گیلہ میں درخت تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا باغ لگا ہوا ہو۔ اور تمام پودے پھلوں سے بھردم رہے تھے۔ ابوسعید کے بھائی نے خلیفہ کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی کہ میں اس وقت دولاکھ دینار مغربی داخل خزانہ کرتا ہوں، کیونکہ برادر مرحوم کے قتل سے ہم لوگ خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ خلیفہ نے وہ عرضی باہر بھیج دی اور مجمع عام میں چاک کر ڈالی گئی۔ اور کہلا بھیجا کہ تم مطمئن رہو اور گھر کو واپس جاؤ، اب کسی کو نہ تم سے سروکار ہو اور نہ کوئی تمہارے مال و دولت کا محتاج ہو اور اس خاندان کی دلجوئی کی۔

محکمہ اوقاف | ملک شام سے قیروان تک میں نے سفر کیا ہے، ہر ہر گاؤ اور قریہ میں جس قدر مساجد ہیں ان کے مصارف وکیل خلیفہ ادا کرتا ہے۔ اس صرخہ میں چراغ کاتیل، چٹائی، بوریہ، مصلے، مہتمم فراش، موزونوں کی تنخواہ اور وظائف داخل ہیں۔

ایک سال کا واقعہ ہے والسی شام نے عرضی بھیجی کہ ”روغن زیتون مہال کم ہے، اگر فرمان عالی صادر ہو تو مساجد کے لیے کڑوا تیل (جو مولیٰ اور شلجم کے بیجوں سے نکالا جاتا ہے) دیا جائے“ اس پر حکم ہوا کہ تم صرف حکم کی تعمیل کرنے والے ہو وزیر نہیں ہو۔ (یعنی رائے دینے کے مجاز نہیں ہو) جس شوکا تعلق خانہ خدا سے ہو اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا مشاہرہ دو ہزار دینار مغربی تھا اور اسی پڑتہ سے ماتحت قاضیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں تاکہ یہ رعایا سے نہ تو رشوت لیں نہ کسی پر ظلم ہو۔

اسلام راج | یہ بھی دستور تھا کہ وسط رجب میں فرمان خلافت تمام قافلوں کی روانگی مساجد میں سنایا جاتا تھا کہ مسلمانو! حج کا زمانہ آ رہا ہے۔

اور حسب معمول امیر المومنین کی جانب سے فوج، گھوڑے، اونٹ اور زاروا
 مہیا ہو۔ اور اسی قسم کے دوسری منادی رمضان المبارک میں ہوتی تھی اور
 آغاز ذیقعدہ سے قافلے ایک مقررہ پڑاؤ (فرودگاہ) پر جمع ہونے شروع ہوتے
 تھے۔ اور پندرہویں ذیقعدہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ اور اس لشکر کا روزانہ
 صرفہ خوراک ایک ہزار دینار مغربی تھا (باستثناء واجب جیب خرچ)
 جو ہر حاجی کو بہ حساب بینل دینار دیا جاتا ہی۔ یہ قافلے پچیس یوم میں مکہ منظم
 پہنچتے تھے اور قیام دس دن ہوتا تھا۔ اور پھر پچیس یوم میں واپس آتے تھے،
 اس حساب سے ساٹھ یوم میں ساٹھ ہزار دینار مغربی ان کی خوراک کا صرفہ
 ہوتا تھا۔ اور صلے، انعامات، مشاہرات جدا گانہ تھے، اور جو اونٹ کہ راستہ
 میں مرجاتے تھے ان کی قیمت بھی اس میں شامل نہیں ہو۔ الغرض ۴۳۹ھ
 میں لوگوں کو ایک فرمان سلطانی سنایا گیا کہ ”امیر المومنین حکم دیتے ہیں کہ
 اس سال حجاج کا سفر کرنا مصلحت کے خلاف ہو، کیونکہ حجاز میں قحط ہو اور
 مخلوق مر رہی ہو اور میرا یہ حکم اسلامی ہمدردی کی بنا پر ہو۔ چنانچہ حاجی رک گئے
 ۸۔ ناصرخسرو کی قاہرہ سے

مکہ معظمہ کو روانگی ہو
 خلافت کعبہ روانہ کیا کرتا تھا اور چومکہ
 اس سال محل براہ قلم روانہ ہوا تھا۔ لہذا

بھی اس قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوا اور غرہ ذی قعدہ کو مصر سے چل کر ساتویں
 تلخ کو شہر قلم میں آیا اور یہاں سے جہاز پر سوار ہو گیا۔ اور پندرہویں دن
 شہر جبار میں داخل ہوا۔ آج ذیقعدہ کی بائیسویں تاریخ تھی، اور جاز سے چار
 دن میں مدینہ رسول اللہ صلعم میں پہنچا۔

ناصر خسرو مدینہ میں | مدینہ طیبہ ایک صحرا کے کنارے آباد ہے، شہر کی

رحم کر کے ارشاد خداوندی کی تعمیل کریں، چنانچہ امسال بھی حاجی نہیں گئے، لیکن خلیفہ کی طرف سے ارسال غلات کعبہ اور امیر مکہ اور مدینہ اور مجاہد و خدام کے لیے جو سالانہ وظیفہ حجاز کو جاتا تھا اس میں کمی اور رکاوٹ نہیں کی گئی۔ اور امیر مکہ کا تین ہزار دینار مشاہرہ اسب و خلعت کے علاوہ سال میں دو مرتبہ بھیجا جاتا تھا چنانچہ امسال یہ وظیفہ قاضی عبداللہ (قاضی شام) کی معرفت روانہ کیا گیا، اور میں بھی قاضی صاحب کے ہمراہ براہ قلم روانہ ہوا۔ اس مرتبہ چھیڑیوں ذیقعدہ کو حجاز جار میں پہنچا۔ حج کا زمانہ بہت ہی قریب آگیا تھا لہذا پانچ دینار پر ایک ادنٹ کرایہ پر کر کے فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

ناصر خسرو کا تیسرا حج ۴۴ھ | آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچ کر بوقت

خداوند عالم حج کیا، امسال ملک مغرب سے بہت بڑا قافلہ آیا تھا، واپسی کے وقت مدینہ طیبہ میں مغربیوں نے عربوں سے بدرقہ (راہ نما) مانگنا، چنانچہ حج سے واپسی کے وقت دونوں میں جنگ ہوئی اور دو ہزار سے زیادہ مغربی قتل ہوئے اور اکثر حاجی مغرب کو واپس نہیں گئے۔

اعراب کی وحشیانہ خدمت | اسی سال خراسان کے بعض حاجی شام اور مصر کے راستے سے حجاز پر

سوار ہو کر مدینہ پہنچے، ذی الحجہ کی چھٹی تاریخ تھی اور اس قافلہ کو عرفات تک ایک سو چار فرسنگ طو کرنا تھے، چنانچہ ان حاجیوں نے کہا کہ اگر تین یوم کے اندر کوئی ہم کو مکہ معظمہ پہنچا دے اور حج نصیب ہو جائے تو فی کس چالیس دینار کے حساب سے معاوضہ ادا کریں گے۔ چنانچہ بدویوں نے ڈھائی دن میں عرفات پہنچا کر دینار وصول کر لیے، مگر مدینہ سے عرفات تک اس طرح لائے کہ تیز رفتاری

اونٹوں پر ایک ایک حاجی کو باندھ کر ڈال دیا تھا، چنانچہ ان میں سے دو حاجی تو ادنٹوں ہی پر مر گئے۔ چار زندہ تھے، لیکن وہ بھی نیم مردہ، عصر کا وقت تھا کہ یہ لوگ ہمارے پاس پہنچے، مگر اس حالت میں کہ نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ بات ہی کر سکتے تھے، ان کا بیان تھا کہ ہم نے راستہ میں ان بدویوں سے بے منت کہا کہ زر کر! یہ تمہارا ہو چکا، ہم کو چھوڑ دو کہ طاقت جواب دے چکی ہو، مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور اسی طرح لے کر گئے۔ الغرض وہ چار خراسانی حج کر کے شام کے راستہ سے واپس ہوئے، اور میں بھی حج سے فارغ ہو کر مصر کو روانہ ہو گیا، کیونکہ میری کتابیں وہاں رہ گئی تھیں، اور واپسی کا ارادہ نہ تھا۔

اسی سال امیر مدینہ مصر میں آیا تھا اور خلیفہ کی جانب سے اس کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا، کیونکہ یہ امیر، امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔ چنانچہ میں بھی امیر مذکور کے ہمراہ جہاز میں شہر قلزم تک آیا، اور یہاں سے امیر کی سمیت میں مصر تک گیا۔

والی حلب کی بغاوت

۴۴۱ھ کا واقعہ یہ کہ جب میں مصر میں تھا یہ خبر آئی کہ حلب کا والی خلیفہ سے باغی ہو گیا ہے۔ یہ خلیفہ کا ملازم تھا اور اس کا باپ شاہان حلب میں سے تھا، امیر المومنین کا یہ ایک غلام تھا جس کو عہدۃ الدولہ کہتے تھے، یہ غلام مطالبان کا سردار بھی تھا اور بہت دولت مند، اور مطالبی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو مصر کے پہاڑوں میں خزانہ اور دھن دھنڈا کرتے ہیں، یہ لوگ اطرافِ مغرب دیا ر مصر اور شام سے آیا کرتے ہیں اور مصر کے پہاڑ اور پتھروں میں تکلیف اٹھاتے ہیں اور کھدوائی میں مال خرچ کرتے ہیں، چنانچہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور بہتروں کا زرِ کثیر صرف

ہو جاتا ہو، اور کچھ بھی نہیں ملتا ہو۔ رکھتے ہیں کہ اس علاقے میں فرعون کے خزانے مدفون ہیں، اور جب کسی کو خزانہ مل جاتا ہو تو اس کا پانچواں حصہ حکومت کے نذر کرتا ہو، اور باقی خود لے لیتا ہو۔ الغرض خلیفہ نے اس غلام کو بڑی شان و شوکت سے حلب بھیجا اور اس کو بارگاہ وغیمہ وغیرہ (جو لوازم ملوک سے ہی) مرحمت فرمایا، چنانچہ یہ غلام حلب پہنچ کر معرکہ آرا ہوا اور مارا گیا۔ یہ غلام اس قدر دولت مند تھا کہ دو مہینے تک آہستہ آہستہ اس کا خزانہ منتقل ہو کر خزانہ شاہی میں آتا رہا، اور اس کے حرم سرا میں تین سو کنیزی تھیں، جن میں اکثر حسینہ جمیلہ تھیں۔ اور بعض ان میں سے معتمد الدولہ کے شہستان عیش کے لیے مخصوص تھیں۔ خلیفہ نے ان کنیزوں کو مختار کر دیا تھا کہ جو چاہیں اپنا نکاح کر لیں، چنانچہ جن خاص کنیزوں نے نکاح منظور نہیں کیا، ان کو مع ان کے مال و اسباب کے آزاد کر دیا کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں۔ اور ان میں سے کسی کی نسبت نہ کوئی خاص حکم ہوا، نہ کسی قسم کا جبر کیا گیا۔ اس غلام کے قتل ہو جانے پر دالی حلب ڈر گیا کہ اب خلیفہ اور فوجیں بھیجے گا، چنانچہ اس نے اپنے ہفت سالہ لڑکے اور بی بی کو تحفہ دہرایا کے ساتھ دربار میں بھیج کر معذرت چاہی۔ یہ لوگ تقریباً دو مہینے تک شہر کے باہر پڑے رہے، نہ اندر آنے کی اجازت ہوئی، اور نہ ان کے تحائف قبول ہوئے، لیکن جب شہر کے قضاۃ اور ائمہ سفارش لے کر دربار میں پہنچے، تب ان کا ہدیہ قبول ہوا، اور خلعت سے سرفراز ہو کر رخصت ہوئے

مصر میں باغ لگانے کا قاعدہ | مصر میں یہ عجیب بات ہو کہ جس فصل میں کوئی باغ لگانا چاہے

لگا سکتا ہو۔ کیونکہ جس قسم کے درخت مطلوب ہوں ہر وقت (ذخیرہ سے) مل سکتے ہیں، اور شائق لگا سکتا ہو، خواہ پھل ولے ہوں یا بغیر پھل کے ہوں۔ اور

اس کام کے لیے دلائل مقرر ہیں جو فوراً فرمائش کی تعمیل کرتے ہیں، ان ذخائر کی یہ حالت ہو کہ درختوں کو گملوں میں لگا کر چھتوں پر رکھتے ہیں، اور اکثر مکانات کی پھتیں بلغ ہوتی ہیں اور درخت اکثر نمر دار ہوتے ہیں۔ مثلاً نارنگی، چکو ترہ، انار، سیب بھی، اور پھولوں میں گلاب اور نازبو وغیرہ۔ اگر کوئی خریدار ہو تو مزدور ان گملوں کو لکڑیوں میں باندھ کر جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں، اگر چاہے ہو تو ان گملوں کو زمین میں دبا دو اور جب چاہو زمین سے نکال لو۔ چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے، اور درختوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ طریقہ مصر کے سوا تمام دنیا میں نہ میں نے دیکھا اور نہ کسی سے سنا ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ یہ ایک لطیف طرز عمل ہے۔ اب میں واپسی وطن کا تذکرہ براہ مکہ معظمہ (خدا اس کو آفات سے محفوظ رکھے) کروں گا، اور مصر سے شروع کرتا ہوں۔

ناصر خسرو کی قاہرہ سے
(۱۲ ذی الحجہ ۷۴۱ھ)
روانگی براہ صعیب الاعلیٰ

میں نے قاہرہ میں عید کی نماز پڑھی اور سہ شنبہ کو بتایا ۱۲ ذی الحجہ ۷۴۱ھ (اپریل ۱۰۵۰ء) جہاز میں سوار ہو کر براہ صعیب الاعلیٰ روانہ ہو گیا۔

ملک مصر کا یہ جنوبی حصہ ہے اور اسی حصہ ملک سے مصر میں دریائے نیل کا پانی آتا ہے اور یہ بھی (صعیب الاعلیٰ) گویا مصر کا ایک صوبہ ہے، اور بیشتر مصر کی سرسبزی کا باعث یہی حصہ ہے۔ اس میں نیل کے کنارے کنارے دوؤں جانب بکثرت شہر اور قریہ آباد ہیں۔ جس کی تشریح موجب طوالت ہے۔ قاہرہ سے چل کر اب میں اس شہر میں پہنچ گیا جس کو اسیوط کہتے ہیں، یہاں ایون پیدا ہوتی ہے، یہ خنخاش ہے کہ جس کا بیج سیاہ ہوتا ہے، جب درخت بڑھ جاتا ہے اور اس میں بوئندی بندھ جاتی ہے تو نشتر دیتے ہیں، اس سے ایک قسم کا لعاب (لیسدار شیرہ) نکلتا ہے، اسے بخفاظت جمع کرتے ہیں، اور اسی کا نام ایون ہے۔ خنخاش کا دانہ مثل زیرہ کے بہت ہی چھوٹا

ہوتا ہے۔

اسیوط ^{۱۸۱} اسیوط میں بکریوں کی بالوں کی پگڑیاں بنتی ہیں جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی۔ عجم میں جو باریک قسم کا صوف جاتا ہے، اور جسے مصری کہتے ہیں وہ سب صحید الاعلیٰ کا ہوتا ہے، کیونکہ مصر میں صوف نہیں بنتا جاتا ہے، میں نے اسیوط میں ایک پٹکا دیکھا جس کی نظیر نہ لہا اور (لاہور) میں دیکھی نہ ملتان میں۔ اور ظاہری شکل و صورت میں مثل ریشم کے معلوم ہوتا تھا۔

قوص ^{۱۸۲} اسیوط سے میں شہر قوص میں داخل ہوا، یہاں پتھر کی ایسی بڑی عمارتیں دیکھیں کہ جس کو دیکھ کر ہر شخص تعجب کرتا ہے۔ یہ ایک پرانا شہر ہے جس کی فصیل پتھر کی تھی اور اس کی تمام عمارتیں بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی تھیں، جن میں بعض پتھر وزن میں ساٹ سو پچاس اور ایک ہزار ایک سو پچیس من ہوں گے، اور تعجب یہ ہے کہ دس پندرہ فرسنگ تک اطراف قوص میں نہ کوئی پہاڑ ہے اور نہ پتھر ہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ کہاں سے اور کیونکر لائے گئے ہیں۔

الخمیم ^{۱۸۳} قوص سے چل کر خیم میں آیا۔ یہ بہت آبا د شہر ہے۔ اور بڑی مردم شماری ہے۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ ہے، کھجوروں کے درخت اور باغات بکثرت ہیں۔ یہاں نیل روز ٹھیرا رہا، کیونکہ یہاں سے دور راستے جاتے تھے، ایک صحرائی راستہ تھا جس میں پانی نہ تھا۔ اور دوسرا دریائی راستہ تھا۔ میں متردد تھا کہ کس راستہ سے سفر کروں۔ آخر کار دریا کے راستہ سے روانہ ہوا

اسوان اور شہر اسوان میں پہنچا۔ اس شہر کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، جس کے دامن سے دریائے نیل نکلتا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ کشتی یہاں سے بلندی پر نہیں جاسکتی ہے کیونکہ نیل تنگ راستوں اور پہاڑی چٹانوں

سے نکلتا ہوا نیچے کی طرف آتا ہے۔

اسوان سے ولایت
نوبیا کا راستہ

اسوان سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر ولایت نوبیا کا راستہ ہے، نوبیا کے تمام باشندے عیسائی ہیں اور نوبیا کا بادشاہ سلطان کو ہمیشہ تحائف بھیجتا رہتا ہے۔

اور معاہدہ یہ ہے کہ نوبیا والوں پر فوج کشی نہ ہو، اور وہ نقصان سے محفوظ رہیں۔ شہر اسوان بہت مستحکم ہے تاکہ نوبیا سے اس پر فوج کشی نہ ہو سکے۔ چنانچہ شہر اور ملک کی حفاظت کے لیے یہاں ہمیشہ فوج رہتی ہے۔

شہر کے سامنے (دائیں اہوان و قاہرہ) ایک جزیرہ ہے جو باغ کے مانند ہے۔ اس میں کھجور کے باغات اور زیتون وغیرہ کے درخت ہیں، اور کاشت بہت ہوتی ہے۔ رہٹ سے آبپاشی کرتے ہیں، درختوں کی بھی افراط ہے۔ یہاں اکبیل دن قیام رہا کیونکہ بحر قلزم تک دو سو فرسنگ کا ایک جنگل سامنے تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ حجاج (ادنیوں پر سوار ہو کر) واپس آ رہے تھے۔ چنانچہ میں بھی اس انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا کہ اونٹ آجائیں تو کرایہ کر کے روانہ ہو جاؤں۔

قیام اسوان کے زمانہ میں میری ملاقات ایک شخص سے ہو گئی جس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن فلیج تھا۔ یہ پارسا اور نیک بخت آدمی تھا، اور کسی قدر منطق جانتا تھا، اس شخص نے اونٹوں کے کرایہ کرنے اور ہم سفر تلاش کرنے میں میری مدد کی۔ چنانچہ ایک اونٹ ڈیڑھ دینار پر کرایہ کیا۔ اور پانچویں ربیع الاول ۴۴۲ھ (جولائی ۱۹۲۵ء) کو میں اسوان سے روانہ ہو گیا۔ اب میں مشرق و جنوب کی طرف سفر کر رہا تھا،

جب آٹھ فرسنگ طے ہو گئے تو ایک منزل آگئی جس کا نام ضیقہ تھا۔

ضیقہ جنگل کی جانب دراصل یہ ایک درہ تھا جس کے دونوں طرف قدرت

نے پہاڑ کی دو دیواریں کھینچ دی تھیں، اور دیواروں کے اندر تنو بامتھ کا چوڑا میدان
تھا، اور اس میدان میں ایک کنواں کھودا ہو جس میں پانی کی افراط ہو لیکن بد مزہ۔
اس منزل سے چل کر پانچ دن تک برابر جنگل میں چلنا پڑتا ہو جس میں پانی میسر
نہیں آتا ہو لہذا ہر شخص نے پانی کی ایک مشک بھر کر رکھ لی تھی، آگے چل کر
ایک دوسری منزل پر پہنچے جس کو حوضش کہتے ہیں۔

حوضش | یہ ایک پہاڑ ہو جس میں پانی کے دو جھرنے ہیں، اور ایک
گڈھے میں پانی جمع ہوتا رہتا ہو، یہ میٹھا پانی تھا اور جھرنے
اس قدر چوڑا ہو جس کے اندر آدمی جا کر اونٹ کے لیے پانی بھر لاتے ہیں۔
سات دن ہو گئے تھے کہ اونٹوں کو پانی اور چارہ نہیں ملا تھا، کیونکہ اس
راستہ میں دراصل کچھ نہ تھا۔ دن رات میں صرف ایک بار یعنی دھوپ تیز
ہونے سے ظہر تک ٹھیر جاتے تھے اور باقی وقت چلنے میں گزارتا تھا۔ یہ
پڑاؤ جن پر قیام ہوتا تھا، سب کو معلوم تھے، کیونکہ ایسی جگہ نہیں ٹھیرتے تھے
جہاں آگ جلانے کو (کڑی وغیرہ) کچھ نہ مل سکے۔ البتہ جہاں اونٹ کی ٹینگیاں
ملتی تھیں وہاں اتر کر کچھ پکا لیتے تھے، اونٹ بھی ان منزلوں سے واقف تھے
اور سمجھتے تھے کہ اگر چلنے میں ذرا بھی کاہلی کی گئی تو پیاس کے مارے مر جائیں گے۔
اور بغیر ہکائے جنگل میں منہ اٹھائے بھاگے چلے جاتے تھے، حالانکہ سڑک
اور گڈڈی کا نشان تک نہ تھا، مگر یورپ کی طرف خود ہی چلے جاتے تھے۔
کسی جگہ پندرہ فرسنگ پر تھوڑا کھاری پانی مل جاتا تھا، اور کبھی تین چالیس
فرسنگ تک پانی نہیں ملتا تھا۔

عذاب | انیسویں ربیع اول ۱۲۲۲ھ کو شہر عذاب میں پہنچے۔ اسوان
سے عذاب تک پندرہ دن میں آئے، اور تقریباً دو سو فرسنگ

راستہ طو کیا (چالیس میل روزانہ) شہر عیذاب دریا کے کنارے واقع ہے، جمعہ مسجد بھی ہے، پاشو کی مردم شناری ہے، اور خلیفہ مصر کا مقبوضہ ہے۔ حبش، زنجبار اور یمن سے جو کشتیاں آتی ہیں، ان کا محصول عیذاب میں وصول کیا جاتا ہے۔ اور یہاں سے اونٹوں پر مال لاد کر شہر اسوان تک اسی جنگل کے راستے سے لے جاتے ہیں جس طرف سے کہ ہم لوگ آئے ہیں۔ اور پھر اسوان سے کشتیوں کے ذریعے سے (براہ نیل) مال جاتا ہے۔

قوم بجاہان | شہر عیذاب کے دائیں ہاتھ پر جب قبیلہ روکھڑے ہوں، تو سامنے ایک پہاڑ نظر آتا ہے، جس کی پشت پر ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جہاں گھاس بافراط ہے۔ اور ایک بڑی قوم آباد ہے، جس کو بجاہان کہتے ہیں۔ یہ لاندہب ہیں، کسی پیغمبر و پیشوا پر ایمان نہیں لاتے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ آباد شہروں سے منزلوں دور رہتے ہیں۔ ان کے مقبوضہ جنگل کا طول ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ، اور عرض تین سو فرسنگ ہوگا۔ اور اس بعد مسافت میں صرف دو چھوٹے شہر آباد ہیں، جن میں سے ایک کا نام بحر النعام اور دوسرے کا عیذاب ہے۔

علاقہ مصر و نوبیا | طول میں یہ جنگل مصر سے حبشہ تک یعنی شمال سے جنوب تک چلا گیا ہے۔ اور عرض میں دلایت نوبیا سے بحر قلزم تک یعنی مغرب سے مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ جنگل تمام دیکھا کمال قوم بجاہان سے آباد ہے، یہ لوگ خطرہ بُرے نہیں ہیں، چوری و دہکتی بھی نہیں کرتے ہیں، اپنے مویشیوں میں اُلجھے رہتے ہیں۔ مسلمان وغیرہ ان کے بچوں کو چڑا لے جاتے ہیں اور اسلامی شہروں میں لے جا کر بیچ ڈالتے ہیں۔

بحر قلزم | دریائے قلزم۔ ایک خلیج ہے جو بحر محیط سے پھٹ کر بطور ایک شاخ

کے عدن تک چلی گئی ہو۔ اور جانب شمال شہر قلزم تک آئی ہو۔ بحر قلزم کے کنارے جو شہر آباد ہیں انھیں کے نام سے وہ پکارے جاتے ہیں مثلاً کہیں بحر قلزم کہیں بحر عیذاب اور کسی جگہ بحر النعام۔ بحر قلزم میں تین سو سے زیادہ جزیرے بیان کیے جاتے ہیں۔ ان جزائر سے کشتیاں آتی ہیں جس میں روغن اور پیسہ ہوتا ہو۔ کیونکہ اس علاقہ میں گائے، بکریاں بکثرت ہیں، کہتے ہیں کہ یہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔ کوئی (نسلاً) مصری ہو کوئی یمنی۔

شہر عیذاب میں کنوئیں اور چشمہ کا پانی نہیں ہو، بلکہ صرف آب باراں پر گزار ہو۔ اور جب کبھی بارش نہیں ہوتی ہو تو یہی (بجائے) پانی لاکر فروخت کرتے ہیں، میں تین مہینے تک یہاں رہا، ایک مشک پانی کبھی ایک درہم کو اور کبھی دو درہم کو خرید کیا کرتا تھا۔ اور روانگی کشتی کے انتظار میں یہاں بٹھیرا ہوا تھا۔ کیونکہ شمالی ہوا چل رہی تھی اور مجھ کو جنوبی ہوا کی ضرورت تھی۔ یہاں کے لوگوں نے دیکھتے ہی مجھ سے درخواست کی کہ آپ ہماری خطابت (نماز پڑھانا) کریں میں نے بھی اس میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا، اور جتنے دن تک عیذاب میں رہا نماز پڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ روانگی کشتی کا زمانہ آگیا۔ اور کشتیاں شمال کو روانہ ہو گئیں۔ عیذاب سے چل کر میں جدہ میں داخل ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حبشیا صیل اونٹ یہاں کے جنگل میں پیدا ہوتا ہو، ویسا کہیں اور نہیں ہوتا۔ اور اسی نولح سے مصرد حجاز کو اونٹ لے جاتے ہیں۔

ماہی قرش کا بیان | عیذاب کے ایک شخص نے (جس پر مجھے اعتبار ہے) بیان کیا کہ ایک مرتبہ یہاں سے جہاز حجاز کو جا رہا تھا، جس پر اونٹوں کا ایک گلہ امیر متحدہ کے لیے بھیجا گیا تھا، اور میں بھی اسی پر سوار تھا کہ ایک اونٹ مر گیا، خلاصیوں نے اس کو بحر قلزم میں پھینک دیا کہ

مٹا ایک مچھلی پورا اونٹ نکل گئی۔ البتہ ایک پاؤں کا کچھ حصہ مچھلی کے منہ سے باہر نکلا ہوا تھا کہ دوسری مچھلی آئی اور اس نے اس مچھلی کو بجنہ نکل لیا اور کسی قسم کا اثر اس مچھلی پر نمایاں نہ ہوا۔ اس مچھلی کا نام قرش تھا۔ اسی شہر میں نے مچھلی کا ایک خول دیکھا، جس کو خراسان میں شفق کہتے ہیں۔ اور میں خراسان میں گمان کیا کرتا تھا کہ یہ ایک قسم کی سوسمار (گواہ) ہے، یہاں آکر دیکھا تو وہ مچھلی تھی اور اس میں مچھلی کے پر موجود تھے۔

ناصر خسرو کا ایک فیاض دوست | جس زمانہ میں کہ میرا قیام اسوان میں تھا، میرا ایک دوست تھا ابو عبد اللہ

محمد بن فلیج (جس کا اول تذکرہ ہو چکا ہے) چنانچہ جب میں عیذاب کو آنے لگا تو عبد اللہ نے بنظر محبت اپنے وکیل کے نام جو عیذاب میں رہتا تھا ایک خط لکھ دیا تھا کہ ”ناصر جو مانگے اس کو دے کر رسید لیتے رہو، حساب میں مجرا کر دیا جائے گا۔“ عیذاب میں تین مہینے میرا قیام رہا اور جو کچھ تھا وہ خرچ ہو گیا تھا، اس ضرورت سے وہ خط میں نے وکیل مذکور کو دے دیا، اس نے فیاضانہ طریقہ سے کہا کہ خدا کی قسم میرے پاس ابو عبد اللہ کی بہت سی چیزیں ہیں، جو مطلوب ہو وہ پیش کروں آپ مجھے وہ خط دکھائیں، مجھے محمد فلیج کے حسن سلوک سے بہت تعجب ہوا کہ بغیر ملاقات سابقہ میرے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا، اگر میں چالاک ہوتا اور جائز رکھتا تو اس خط کے ذریعہ سے ایک بڑی رقم وصول کر لیتا۔ الغرض میں نے وکیل مذکور سے تین من اور تین سیر آٹا لے لیا، اور یہ مقدار یہاں ایک بڑی چیز سمجھی جاتی ہے، اور میں نے اس کی ایک رسید لکھ کر دے دی۔ اور وکیل نے میری رسید اسوان بھیج دی۔ چنانچہ میری روانگی سے پہلے محمد فلیج کا جواب آ گیا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ ”میری ملک سے جو کچھ ناصر طلب کرے

وہ اس کو دے دو، اور اگر تم اپنے پاس سے دو گے تو میں اس کا بھی معاوضہ کر دیتی گا۔“
امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ المؤمن لا یکون
محتشماً ولا مفتنماً (مومن نہ شاندار بنتا ہے نہ مال غنیمت جمع کرتا ہے) یہ تذکرہ
میں نے اس لیے لکھ دیا ہے تاکہ ناظرین سمجھیں کہ لوگ ایک دوسرے کا عتبار
کرتے ہیں اور فیاضی ہر جگہ ہے۔ اور فیاض لوگ ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

(۹) بندرگاہ جدہ | جدہ بڑا شہر ہے اور اس کی تفصیل مضبوط ہے، اور بحر قلزم
کے کنارہ (شمالی جانب) آباد ہے، پانچ ہزار کی مردم
شمار ہے۔ بازار خوبصورت ہیں، اور جامع مسجد کا قبلہ مشرق کی طرف ہے شہر
کے باہر کسی قسم کی عمارت نہیں ہے، صرف ایک مسجد ہے، جو مسجد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہے۔ شہر میں دو دروازے ہیں، ایک جانب مشرق
جو شہر مکہ کے رخ پر ہے، اور دوسرا جانب مغرب جو بحر قلزم کی طرف ہے۔ اگر
جدہ سے سمندر کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھیں تو یمن کے شہر صنعہ
میں پہنچ جائیں جس کا فاصلہ پچاس فرسنگ ہے اور اگر جانب شمال سفر کریں تو جابا
میں داخل ہوں، جو ملک حجاز کا شہر ہے۔ شہر جدہ میں نہ درخت ہیں نہ کھیتی ہوتی
ہے، ضرورت کی تمام چیزیں دیہات سے آتی ہیں، جدہ سے مکہ معظمہ بارہ فرسنگ
ہے۔ امیر جدہ والی مکہ کا غلام تھا، جس کو تاج المعانی بن ابی الفوارس کہتے تھے
اور مدینہ طیبہ بھی والی مذکور کی حکومت میں تھا۔

میں امیر جدہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بنظر شفقت، امیر جدہ نے
واجب الادا محصول مجھ سے نہیں لیا اور معاف کر دیا، جس وقت میں دروازہ مشرق
سے نکلا ہوں اس وقت امیر مذکور نے مکہ معظمہ میں یہ اطلاع کر دی تھی کہ یہ شخص
ایک فقیہ ہے، اور اس سے کسی قسم کا محصول نہ لیا جائے۔

جمعہ کے دن نماز ظہر کے وقت میں جدہ سے (براہِ سلم دروازہ) روانہ ہو کر یک شخصہ کے دن
 آخر تاریخ جمادی الآخر کو مکہ معظمہ میں پہنچ گیا، نوح حجاز دین کے حاجی عمرہ کے لیے
 شروع رجب میں مکہ معظمہ پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بڑے چل پہل کا زمانہ ہوتا ہے، اور
 اسی دھوم دھام سے عید ہوتی ہے۔ چونکہ ان حجاج کا راستہ قریب کا ہے اور کسی
 قسم کی دشواری نہیں ہے لہذا حج کے زمانہ میں آتے ہیں اور سال میں تین مرتبہ
 آیا کرتے ہیں۔

صفت شہر مکہ معظمہ^{۱۸۷}

ناصر خسرو کا چوتھا حاج
 مکہ معظمہ کا جغرافیہ
 اور
 ارکان حج کا بیان

شہر مکہ پہاڑوں کے مابین آباد ہے اور بلند ہے اور شہر
 کے کسی جانب جائیں، جب تک داخل مکہ نہ ہوں
 سوا شہر نظر نہیں آتا ہے اور سب سے اونچا پہاڑ
 مکہ کے متصل کوہ ابوقیس^{۱۸۸} ہے۔ پہاڑ گنبد کی طرح
 گول ہے، اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر تیر بھکیں تو چوٹی پر پہنچتا ہے، اور ابوقیس شہر
 کے مشرق میں ہے۔ چنانچہ دو (جنوری) کے مہینہ میں جب مسجد الحرام میں کھڑے
 ہوں تو آفتاب اس پہاڑ کی چوٹی سے نکلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے اوپر ایک
 پتھر کا ستون قائم ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نصب
 کردہ ہے۔ پہاڑ کے درمیان جو کھلا ہوا میدان ہے وہی شہر مکہ ہے جس کی وسعت
 دو تیروں کی رفتار سے زیادہ نہ ہوگی۔ مسجد الحرام اس کھلے ہوئے حصہ کے
 اندر ہے اور مسجد کے چاروں طرف شہر آباد ہے، جس میں گلیاں اور بازار ہیں۔

لے مصنف نزہت القلوب نے شہر مکہ کا دور دو ہزار قدم سے زیادہ کھایا ہے جس کو ناصر خسرو نے

جہاں کہیں پہاڑ میں درہ آگیا ہو اس کو فصیل کی دیوار بنالیا ہو اور دروازہ لگا دیا ہو۔ شہر میں کہیں درخت کاپتہ نہیں ہو، البتہ جانب مغرب دروازہ مسجد الحرام پر جس کو باب ابراہیم کہتے ہیں، کنویں کے اوپر چند بلند اور پرنے درخت موجود ہیں۔

کوہ صفا ^{۱۸۹ء} مسجد الحرام سے جانب مشرق ایک بڑا بازار ہو جو جنوب سے شمال کی طرف چلا گیا ہو، اور بازار کے سرے پر جنوب کی طرف کوہ وقیس ہو، اور اس کے دامن میں کوہ صفا ہو جس کی شان یہ ہو کہ دامن کوہ کو سیڑھیوں کی طرح بلند کیا ہو اور اس میں پتھر اس ترتیب سے نصب کیے گئے ہیں کہ اس پر لوگ چڑھ جاتے ہیں، اور وہاں بیٹھ کر دعا کرتے ہیں اور اسی کا نام ہو صفا مروہ پر سعی کرنا۔

کوہ مروہ ^{۱۹۰ء} بازار کے آخر میں شمال کی طرف کوہ مروہ ہو۔ یہ پہاڑ کسی قد اونچا ہو، جس پر لوگوں نے بکثرت مکانات بنائے ہیں اور یہ وسط شہر ہو۔ اور اسی بازار میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک حاجی دوڑتے ہیں۔ جو حاجی دور سے عمرہ کے لیے آتے ہیں، وہ مکہ سے نصف فرسنگ پر جاتے ہیں جہاں نشانات میل قائم ہیں اور مسجدیں بھی ہیں وہاں سے عمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں۔

احرام عمرہ اور حج احرام کے یہ معنی ہیں کہ سلعے ہوئے کپڑے جسم سے تار کر ایک تہمد باندھتے ہیں اور دوسرا تہمد یا چادر اوپر سے اوڑھ لیتے ہیں۔ اور بلند آواز سے کہتے ہیں کہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ دَاوِ خُدا میں تیری خدمت کے لیے حاضر ہوں) اور میقات سے مکہ کی طرف آتے ہیں۔ اور جو شخص مکہ میں موجود ہو اور عمرہ کرنا چاہے وہ میل مقررہ تک جاتا ہو

اور وہاں سے احرام باندھتا ہے اور لبیک کے نعرے لگاتا ہے، اور مکہ میں عمرہ کی نیت سے داخل ہوتا ہے۔ اور جب شہر میں آتا ہے تو اول مسجد الحرام میں جاتا ہے، اور خانہ کعبہ کے قریب جا کر داسٹنہ مٹھ کو گھوم جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت کعبہ کے بائیں مٹھ پر ہوتا ہے اور اس رکن میں داخل ہوتا ہے جہاں حجر اسود نصب ہے (یعنی رکن عراقی) پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر آگے بڑھ جاتا ہے، اسی طرح واپس آتا ہے اور حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے، اب ایک طواف ختم ہوا۔ چنانچہ اسی طرح سات طواف کیے جاتے ہیں۔ اول تین مرتبہ تیزی سے، اور دوسری چار مرتبہ آہستہ سے دوڑنا چاہیے۔ اور ختم طواف کے بعد مقام ابراہیم (جو خانہ کعبہ کے برابر ہے) میں حاضر ہو کر اس کے پیچھے کھڑا ہو، اس طرح پر کہ مقام ابراہیم اب زائر اور کعبہ کے درمیان میں ہو، پھر دو رکعت نماز پڑھے، جس کو نماز طواف کہتے ہیں۔ پھر چاہ زم زم پر جا کر پانی پیے، یا چہرہ پر ملے۔ اور مسجد الحرام سے براہ باب الصفا نکل جائے، اور باب الصفا مسجد الحرام کے اس دروازہ کا نام ہے، جن سے نکلتے ہی کوہ صفا سامنے آ جاتا ہے۔ پھر حاجی کوہ صفا کی میٹھیوں پر چڑھ جاتا ہے، اور رو بہ قبلہ ہو کر دعا پڑھے۔ اور دعا مقررہ ہے اور دعا کے بعد نیچے اتر آئے، اور بازار میں ہو کر مردہ کی طرف چلا جائے، یعنی اب جنوب سے شمال کی طرف پھر جائے۔ اس بازار سے گزرتے وقت مسجد الحرام کے سامنے آتے ہیں۔ یہ وہ بازار ہے کہ جس میں خود رسول اللہ نے سعی کی ہے اور دوسروں کو سعی کی ہدایت فرمائی ہے، یہ صرف پچاس قدم ہیں۔

اس مقام کے دونوں طرف چار مینار ہیں، کوہ صفا کی جانب سے لوگ دو میناروں کے اندر دوڑتے ہوئے آتے ہیں، اور بازار کی طرف جہاں دوسرے دو مینار ہیں، درمیان سے دوڑتے ہوئے گزر جاتے ہیں، پھر کوہ مردہ

تک آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور سیڑھیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور مقررہ دعا پڑھ کر واپس آتے ہیں۔ اور دوسری بار پھر اس بازار میں آتے ہیں، چنانچہ چار مرتبہ صفا سے مروہ پر اور تین بار مروہ سے صفا پر جاتے ہیں۔ اس طرح بازار سے سات مرتبہ گزرتے ہیں، جب مروہ سے نیچے اترتے ہیں تو وہاں ایک بازار ہو اور سامنے ہی بنی دکانیں ہیں جہاں بیٹھ کر حجام سر کے بال کاٹتے ہیں۔ جب عمر ختم ہو جاتا ہو اور حرم سے باہر آتے ہیں تو اس بڑے بازار میں جو جانب مشرق ہو داخل ہوتے ہیں، اس کا نام سوق العطارین ہو۔

اس بازار کی عمارتیں خوبصورت ہیں، جس میں عطاردوں ہی کی دکانیں ہیں۔ مکہ میں دو گرم حمام ہیں، جن کے فرش سنگ سبز کے ہیں، ان پتھروں کی سنگ بنائی جاتی ہو (سنگ فسان جس پر چاقو وغیرہ تیز کرتے ہیں) میرا قیاس ہو کہ مکہ منظمہ کے اندر شہری باشندے دو ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، اور تقریباً پانسو مسافر اور حجاج ہوں گے۔

یہ قحط کا زمانہ تھا، اور ایک دینار مغربی میں چوبیس سیر گیہوں فروخت ہوتا تھا۔ بہت آدمی یہاں سے چلے گئے تھے۔ شہر مکہ میں بلاد خراسان، ماوراء النہر اور عراق وغیرہ کے لوگوں کے مکانات (رباط) موجود ہیں۔ لیکن اکثر شکستہ اور ویران تھے۔ خلفائے عباسیہ نے بکثرت خوبصورت عمارتیں بنائی ہیں لیکن اب ان میں سے بعض ویران ہو گئی ہیں اور بعض کی دیگر سلاطین نے مرمت کرا دی ہو۔ مکہ منظمہ کے تمام چاہات کا پانی کھاری ہو، جس کو کوئی شخص پی نہیں سکتا ہو۔ البتہ بہت سے حوض اور بچتہ تالاب موجود ہیں، جو دس ہزار دینار کی لاگت سے بنے ہوں گے۔ اور جب برسات کا پانی پہاڑی دروں سے بہ کر آتا ہو تو یہ بھر لیے جاتے ہیں۔ میرے قیام کے زمانہ میں یہ سب حوض و تالاب

خالی پڑے ہوئے تھے۔

ایک امیر عدن سسی ابن شادول نے مکہ معظمہ میں ایک زمین دوز نہر (کارین) تعمیر کی تھی، جس پر کثیر دولت صرف ہوئی تھی۔ عرفات میں اس نہر کے کنارہ کاشت ہوتی ہے اور اس جگہ نہر کو روک کر بند بنا لیا ہے جس پر خرپہ کے کھیت ہیں۔ بدیں وجہ مکہ معظمہ میں کمی پانی کی شکایت ہے۔ اور اس جگہ حوض بنے ہوئے ہیں، جس میں کاریز سے آکر پانی جمع ہوتا ہے، اور پھر اس میں سے بھشتی پانی بھرا کرتے ہیں۔ اور شہر میں لاکر فروخت کرتے ہیں۔ نصف فرسنگ چل کر راستہ میں ایک کنواں آتا ہے، جس کو پیر الزامہ کہتے ہیں، اس کا پانی میٹھا ہے، اس جگہ خوبصورت مسجد بھی ہے۔ اس کنویں سے بھی بھشتی پانی لاکر شہر میں فروخت کیا کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ کی ہوا بہت گرم ہے، اور میں نے اخیر بہمن (فروری) میں تروتازہ لگڑیاں، کھیرے اور بیجن دیکھے تھے۔

مکہ معظمہ میں اب چوتھی مرتبہ میرا آنا ہوا ہے، اور اس مرتبہ غرہ رجب ۱۲۴۲ھ سے بینل ذی الحجہ تک قیام رہا۔ پندرہ فروردین (اپریل) کو بازار میں انگور آگئے تھے، جو دیہات سے شہر میں لاکر لوگ فروخت کر رہے تھے، اور اودی بہشت (مئی) کے شروع میں خرپہ بافراط آگیا تھا، اور نیز جاڑے میں تمام میوے ملتے ہیں، کبھی بازار خالی نہیں رہتا ہے۔

۱۔ ملک عرب اور ارضِ یمن کا بیان

حجاز اور یمن کا جغرافیہ | مکہ معظمہ سے جب جنوب کی طرف سفر کریں تو ایک مع دیگر حالات | منزل کے بعد صوبہ یمن میں پہنچ جاتے ہیں اور بحرِ قلم

کے کنارے کنارے کل یمن کا ملک ہے۔ یمن اور حجاز کی سرحد ملی ہوئی ہے اور ان دونوں ملکوں کی زبان عربی ہے۔ جغرافیہ کی اصطلاح میں، ارض یمن کو حمیر اور حجاز کو عرب کہتے ہیں۔ ان دونوں ملکوں کے تین طرف سمندر ہے اور یہ علاقہ مثل جزیرہ کے ہے، کیونکہ مشرق کی طرف دریائے بصرہ (شط العرب) اور مغرب میں بحر قلزم ہے، اور اول بیان ہو چکا ہے کہ بحر قلزم ایک خلیج ہے اور جنوب میں بحر محیط ہے۔

اس جزیرہ (یمن و حجاز) کا طول کوفہ سے عدن تک شمالاً و جنوباً پانستو فرسنگ ہے۔ اور عرض عمان سے جاز تک شرقاً و غرباً چار سو فرسنگ۔ حجاز کا ملک (عربستان) کوفہ سے مکہ معظمہ تک ہے، اور زمین حمیر (یمن) مکہ معظمہ سے عدن تک ہے۔

عرب میں آبادی کم ہے۔ باشندے خانہ بدوش اور صحرائی ہیں، ان کا اثاثہ البیت مویشی، بار برداری کے جانور اور نیچے ڈیرے ہیں۔

ارض حمیر تین حصوں پر منقسم ہے، ایک حصہ کا نام تہامہ ہے۔ یہ حصہ دراصل بحر قلزم کا مغربی ساحل ہے، جس کے کنارہ بہت آباد شہر ہیں۔ مثلاً صعدہ^{۱۹۲}، زمیید^{۱۹۳}، اور صنعاء وغیرہ۔ یہ شہر جنگل کے رُخ پر آباد ہیں، اس صوبہ کا فرماں روا ابن شادول کا ایک حبشی غلام ہے۔ دوسرا حصہ یمن کا کوہستانی ہے جس کو نجد کہتے ہیں۔ یہ صحرائی علاقہ سردسیر ہے، جس میں تنگ درے اور مضبوط قلعے ہیں۔ تیسرا حصہ مشرق کی طرف سے شروع ہوتا ہے، جس میں بکثرت شہر آباد ہیں مثلاً بخران عشر، بیشہ وغیرہ۔ اس حصہ میں بکثرت ناسیجہ واقع ہیں اور ہر ناحیہ ایک جداگانہ ملک ہے، جس کا رئیس بھی الگ ہوتا ہے اور یہ کل ملک کسی ایک مطلق العنان فرمانروا کے زیر حکومت نہیں ہے۔ سب خود سر قبال ہیں۔ اور اکثر چور، ڈاکو اور راہزن ہیں۔ یہ علاقہ پیمائش میں دوسو اور ایک سو پچاس (۱۵۰ × ۲۰۰) فرسنگ ہے۔

مردم شماری اچھی ہو اور ہر نوع کی مخلوق ہو۔

قصر غندان ۱۹۷۷ء | قصر غندان، یمن کے شہر صنعاء میں ہے۔ اس محل کا اب ایک حصہ وسط شہر میں بطور ٹیلیفون کے یادگار رہا۔ کہتے ہیں کہ اس محل کا

مالک ساری دنیا کا بادشاہ تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس ٹیلیفون کے نیچے بکثرت خزانے ہیں، لیکن بادشاہ سے رعیت تک کوئی اس خزانہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے

عقیق صنعاء | شہر صنعاء میں عقیق نکالا جاتا ہے۔ یہ ایک پتھر ہے کہ جس کو پہاڑ سے تراشتے ہیں اور ان سنگ ریزوں کو ایک گرم توبے میں ریت

ڈال کر جلا دیتے ہیں۔ اور پھر ریت میں ڈال کر کچھ مدت تک سورج کی روشنی میں رکھتے ہیں، پھر چرخ پر چڑھا کر اس کو سڈول کرتے ہیں۔ میں نے مصر میں ایک تلوار دیکھی جو جوین سے سلطان کے لیے آئی تھی۔ اس کا قبضہ ودستہ مثل یاقوت کے سراپا عقیق سرخ کا تھا۔

۱۱۔ مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کا بیان

مسجد الحرام ۱۹۷۷ء | میں اوپر کہ چکا ہوں کہ خانہ کعبہ مسجد الحرام کے صحن میں ہے اور مسجد الحرام شہر مکہ کے وسط میں جس کا طول مشرق سے

مغرب کو اور عرض شمال سے جنوب کی طرف ہے لیکن (بیرونی) دیوار مسجد زاویہ قائمہ نہیں بناتی ہے اور ارکان (ستون) کی ساخت اس قسم کی ہے کہ وہ گولائی کی طرف مائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو ہر طرف سے نمازیوں کا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ باب ابراہیم علیہ السلام سے باب بنی ہاشم (موجودہ باب بنی شیبہ) تک مسجد کا طول بہت ہے جس کی پیمائش چار سو چوبیس ہاتھ (تقریباً ۲۳۶ گز) ہے۔ اور عرض باب الندوہ (موجودہ

باب الزاویہ) سمت شمالی سے باب الصفا (سمت جنوبی) تک ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی تین سو چار ماٹھ (تقریباً ۹۰ گز) ہو۔ اور مدور ہونے کی وجہ سے مسجد الحرام کہیں بہت تنگ اور کسی جگہ بہت کشادہ نظر آتی ہو۔ اور مسجد کے چاروں طرف تہرے دالان ہیں، جن کی چھت پٹی ہوئی ہو اور جس کو سنگ خام کے ستون اٹھانے ہوئے ہیں۔ اور وسط عمارت بطور چوڑکے ہو۔ صحن مسجد (صدر عمارت) کی جانب طولاً پینتالیس محراب ہیں جن پر چھت قائم ہو اور عرض میں تیس محراب ہیں اور سنگ مرمر کے جملہ ستون ایک سو چوڑاسی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ستون خلفائے عباسیہ کے حکم سے بغداد سے براہ شام (فرات اور بحر الروم) سے گزر کر مکہ معظمہ میں آئے تھے۔ روایت ہو کہ جب یہ ستون مکہ میں پہنچ گئے تو وہ شکستہ رسیاں کہ جن سے کشتیاں اور چرخیاں بندھی ہوئی تھیں فروخت کر دی گئیں تو ساٹھ ہزار مغربی دینار وصول ہوئے۔

ان ستونوں میں سے ایک باب الندوہ میں نصب ہو جو سنگ سرخ کا ہے کہتے ہیں کہ اس ستون کے وزن کے مطابق دینار تول کر قیمت دی گئی تھی اور اس کا وزن تقریباً ایک سو بارہ من ہوگا۔

تفصیل ابواب مسجد الحرام | مسجد الحرام میں اٹھارہ دروازے ہیں، اور سب محرابی ہیں۔ جو سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہیں۔ اور کسی محراب میں ایسا دروازہ نہیں لگایا ہو جس کو کھول سکیں۔ جانب مشرق چار دروازے ہیں، گوشہ شمالی سے (پہلا دروازہ) باب النبی ہو جو تین محراب پر قائم ہو۔ اور اسی دیوار کے گوشہ جنوبی میں ایک دروازہ ہو وہ بھی

لے اس کل رقم میں اب بھی نماز ہوتی تھی۔ ناصر خسرو نے پائش میں لفظ ارش استعمال کیا ہو جو گز کے معنی میں ہو موجودہ ارش کی مقدار دس گز ہو۔ جس کو عرب عرشون کہتے ہیں۔

باب النبی سے موسوم ہے۔ ان دونوں دروازوں کا درمیانی فاصلہ ستوا ہتھ سے زیادہ ہے۔ اس دروازے میں دو محراب ہیں، جب اس دروازہ سے برآمد ہو تو سامنے عطاروں کا بازار ہے، جس کی ایک گلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دولتکدہ تھا۔ حضور اسی دروازہ سے نماز کے لیے مسجد الحرام میں تشریف لاتے تھے۔ اور اسی دروازہ سے نکل کر مشرقی دیوار کی جانب باب علی علیہ السلام ہے۔ یہ وہ دروازہ ہے جس سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسجد میں اداۓ نماز کے لیے آتے تھے۔ اس دروازہ کی تین محرابیں ہیں۔ جب اس دروازہ سے مسجد میں جاؤ تو مسجد کے گوشہ پر دوسرا مینارہ ہے جو سعی کے راستہ پر پڑتا ہے۔ اس مینارہ سے جو باب بنی ہاشم میں ہے دوڑنا چاہیے۔ اور یہ مینارہ بھی منجملہ ان چار میناروں کے ہے (جس کا ذکر سعی صفا مروہ میں ہو چکا ہے) جنوبی دیوار میں (کہ جو دراصل مسجد کا طول ہے) سات دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ رکن کے قریب ہے جو نصف دائرہ کی صورت میں ہے، اس کو باب الدقائقین (باب بغلہ) کہتے ہیں۔ یہ دو محرابوں پر قائم ہے اور جب کسی قدر مغرب کی طرف چلیں تو ایک اور دروازہ دو محراب کا ملتا ہے جس کو باب الفسانین (باب پاشا) کہتے ہیں۔ ذرا اور آگے بڑھیں تو باب الصفا ملتا ہے۔ اس دروازہ کی پانچ محرابیں ہیں۔ اور ان میں وسطی محراب بہت بڑی ہے اور دو غلی چھوٹی ہیں۔ اور رسول مقبول اس دروازہ سے ہو کر کوہ صفا کو تشریف لے گئے ہیں۔ اور وہاں آپ نے دعا فرمائی ہے۔ اس وسطی محراب کی دہلیز میں ایک بہت ہی سفید پتھر لگا ہوا ہے، یہ پہلے سیاہ رنگ کا تھا، جس پر رسولؐ نے اپنا قدم مبارک رکھا تھا۔ اور اس پتھر میں قدم مبارک کا نقش بن گیا ہے، اور صرف نشان قدم کو سنگ سیاہ سے تراش کر سنگ سفید میں وصل کر دیا ہے۔ چنانچہ پاؤں کی انگلیوں کے پورے مسجد کے اندر

واقع ہوئی ہیں۔ بعض حاجی اس نشان قدم کا بوسہ لیتے ہیں۔ اور بعض تبرکات اس پر پاؤں رکھتے ہیں، لیکن میں نے نقش قدم چومنے کو واجب سمجھا۔

باب الصفا سے جانب مغرب تھوڑی دور چل کر باب السطوی (باب الرحمة و باب الجیاد) ہے جو دو محراب پر قائم ہے۔ اور تھوڑے فاصلہ پر باب التمارین (باب تکیہ مصری) ہے دو محراب پر۔ اور اس دروازہ سے آگے دو محراب پر باب المعامل (باب حمیدیہ) ہے۔ اور اس کے قریب ابوہل کا مکان ہے۔ جہاں اس وقت پانخانہ ہے۔ اور مغربی دیوار میں جو دراصل مسجد کا عرض ہے، تین دروازے ہیں۔ چنانچہ پہلے جنوبی گوشہ میں باب عروہ (باب الوداع) ہے، جس میں دو محراب ہیں۔ اور اس ضلع کے وسط میں باب ابراہیم علیہ السلام ہے، جس میں تین محراب ہیں اور شمالی دیوار پر کہ جو مسجد کا طول ہے چار دروازے ہیں۔ چنانچہ مغربی گوشہ میں باب الوسیط (باب العمرہ) ہے، جس میں صرف ایک محراب ہے۔ اس دروازہ سے آگے بڑھ کر مشرق جانب باب العجلہ (باب باسطیہ) ہے۔ یہ دروازہ بھی ایک محراب کا ہے۔ اس دروازہ کے آگے بڑھ کر ضلع شمالی وسط میں دو محراب پر باب الندوہ (باب الطیادہ) قائم ہے۔ اور ذرا اس سے آگے ایک محراب پر بالمشاد (باب قاضی) ہے۔ اور گوشہ مسجد الحرام پر پہنچ کر شمال و مشرق میں ایک دروازہ ہے جس کو باب بنی شعیبہ کہتے ہیں۔

عمارت خانہ کعبہ | خانہ کعبہ صحن مسجد الحرام کے درمیان میں ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ عمارت مربع طولانی ہے، جس کا طول شمال سے جنوب کی طرف ہے۔ اور عرض مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ چنانچہ طول تین ہاتھ اور عرض سولہ ہاتھ ہے۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ مشرق کی طرف

لے جو نام قوسین کے اندر ہیں وہ موجودہ زمانہ کے نام ہیں اور قدیم جگہ پر قائم ہیں۔

ہو۔ خانہ کعبہ کے اندر جانے پر رکن عراقی دلہنے ہاتھ پر پڑتا ہو۔ اور رکن حجر الاسود باتیں ہاتھ پر ہوتا ہو۔ اور رکن مغربی جنوبی کو رکن یمانی کہتے ہیں۔ اور رکن شمالی غربی کا نام رکن شامی ہو۔

حجر اسود | حجر الاسود گوسٹھ دیوار کے ایک بڑے پتھر میں نصب ہو۔ اور اس قدر بلند ہو کہ جب ایک قد آور آدمی اس کے سامنے کھڑا ہو تو سنگ اسود اس کے سینے کے مقابل ہو گا۔ حجر اسود کا طول ایک ہاتھ چار انگلی اور عرض آٹھ انگلی ہو، اور شکل د صورت میں گول ہو۔ اور حجر اسود سے خانہ کعبہ کا دروازہ چار ہاتھ کے فاصلہ پر ہو۔

حجر اسود اور دروازہ خانہ کعبہ کے مابین جو جگہ ہو، اس کا نام ملتزم ہو۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ زمین سے چار ہاتھ بلند ہو۔ چنانچہ پورے قد کا آدمی زمین پر کھڑا ہو کر چوکھٹ تک پہنچتا ہو۔ لکڑی کی سیڑھی بنی ہوئی ہو، اور ضرورت کے وقت لوگ اس پر چڑھ کر خانہ کعبہ کے اندر جاتے ہیں۔ یہ سیڑھی اس قدر چوڑی ہو کہ دس آدمی برابر چڑھ اتر سکتے ہیں۔ اور زمین خانہ کعبہ اسی مقدار سے بلند ہو۔ جو بیان کر دی گئی ہو۔

خانہ کعبہ کے دروازہ کا بیان

خانہ کعبہ کا دروازہ ساج کی لکڑی کا ہو، جس کے دوپٹ ہیں۔ اور ساڑھے چھ ہاتھ بلند ہو، اور عرض ہر کوڑ کا پونے دو گز ہو۔ اس حساب سے دونوں پٹ پٹس گز کے ہیں۔ دروازوں اور اس کے روکار پر کتابی ہیں، اور چاندی پر بیل بوٹے بنا کر اس طرح نصب کاری کی گئی ہو کہ اول چاندی کو حل کر کے زمین

لے چاندی کے پتر سے ڈھکا ہوا ہو اور تقریباً نو انچ کھلا ہوا ہو۔

بنای ہو، اور پھر اس پر طائمی حروف میں کتابت ہو، اور یہ آیت شریفِ اول سے آخر تک لکھی ہوئی ہو۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ الْم اور چاندی کے دو بڑے کڑے (جو غنیمین سے آئے ہیں) ہر ایک پٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ (اور اس قدر اونچے ہیں) کہ کسی کا ہاتھ اس پر نہیں پہنچ سکتا ہو۔ اور اسی طرح چاندی کے دو چھوٹے کڑے اور ہیں، جو دونوں پٹوں پر لگے ہیں (اور یہ اس قدر نیچے ہیں) کہ دہاں تک ہر شخص کا ہاتھ پہنچ جاتا ہو۔ اور ایک بڑا قفل چاندی کا چھوٹے کڑوں میں لگا ہوا ہو، جس سے دروازہ بند کیا جاتا ہو، اور جب تک یہ قفل نہ کھولیں دروازہ نہیں کھلتا ہو۔

خانہ کعبہ کے اندرونی حصہ کا بیان

دیوار کی چوڑائی (آثار) چھو بالشت (۱۲ گز) ہو اور فرش سنگ مرمر کا ہو جو بالکل سفید ہو۔ اور تین چھوٹے خلوت کدے ہیں جو مثل چبوترے کے ہیں، جن میں سے ایک دروازہ کے مقابل ہو اور دو جانب شمال ہیں۔ خانہ کعبہ میں اور نیز چھت کے نیچے جس قدر ستون ہیں وہ سب چو کو ترشے ہوئے چوبِ ساج کے ہیں، صرف ایک ستون گول ہو اور جانب شمال سنگ سرخ کا ایک بڑا تختہ نصب ہو، جس کو فرش زمین سمجھنا چاہیے۔

روایت ہو کہ رسول مقبول نے اس پر نماز پڑھی ہو، اور جو شخص اس مقام کو پہنچا تھا ہو، وہ اس جگہ نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہو۔ خانہ کعبہ کی دیواروں پر رنگین سنگ مرمر کے تختے نصب ہیں اور مغربی جانب چھو محرابیں ہیں، جن پر چاندی کے

لے نرہت القلوب میں خانہ کعبہ کی اندرونی مساحت چوالیس گز اور پشت کی جانب سے دیوار کا طول

ستائیس گز کھتا ہو + لے اندر زائید کے سوا اب کوئی عمارت باقی نہیں ہو۔

پتھر کیلوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان حراؤں کی اونچائی قد آدم ہو جن پر ہر کھٹف سہرا
 (چاندی کی زمین پر) کام ہو، یہ حجازین سطح زمین سے بہت بلند ہیں اور کعبہ کی دیوار
 سطح زمین سے چار ہاتھ اونچی ہو، اور سب سے بلند دیوار چھت تک سنگ مرمر کی
 ہو۔ جس میں نقاشی کی گئی ہو۔ اور چاروں دیواروں کا بڑا حصہ طلا کار ہو، جس
 کے اندر تین خلوت کدے ہیں (جس کا تذکرہ ہو چکا ہو) چنانچہ ایک رکن عرانی
 میں ہو اور ایک رکن شامی میں، اور ایک رکن یمنی میں، اور ہر گوشہ میں لکڑی
 کے دو تختے چاندی کی کیلوں سے دیواروں میں جڑے ہیں۔ یہ تختے نوح علیہ السلام
 کی کشتی کے ہیں، ہر تختہ کا طول پانچ گز اور عرض ایک گز ہو۔ جو خلوت کدہ حجر
 اسود کے عقب میں واقع ہو اس میں دیباے سرخ کا فرش ہو۔ جب خانہ کعبہ
 کے دروازہ سے باہر نکلیں تو داسنے ہاتھ پر ایک زادیہ میں چوڑ ہو، جو عرضاً و طولاً
 تین گز ہو۔ اور وہاں زمین ہو، جس پر سے خانہ کعبہ کی چھت کا راستہ ہو۔ یہاں ایک
 منزل پر نقری دروازہ قائم ہو اس کو باب الرحمتہ (باب التوبہ) کہتے ہیں۔ اور
 چاندی کا قفل دروازہ پر لگا رہتا ہو۔ جب کوٹھے پر چڑھیں تو ایک دوسرا پست
 دروازہ ہو، اور زمین کے دروازہ کی طرح اس پر بھی چاندی کے پتھر ہیں۔ خانہ کعبہ
 کی چھت لکڑی سے پٹی ہوئی ہو۔ اور دیبا کی چھت گیری لگی ہوئی ہو جس کی وجہ
 سے کی لکڑیاں (دہنی یا میال) نظر نہیں آتی ہیں۔ اور خانہ کعبہ کے سامنے والی
 دیوار پر دکارس کے قریب ایک زرین چوکھا جڑا ہوا ہو جس میں سلطان مصر کا نام
 لکھا ہوا ہو۔ جس نے مکہ معظمہ کو خلفائے عباسیہ کے قبضہ سے نکالا تھا (یہ واقعہ
 ۳۵۸ھ کا ہو۔ اس سلطان کا نام العزیز بن اللہ ^{۱۹۹} داور اس کا دوسرا
 نام العزیز باللہ ہو) اور چار بڑے بڑے نقری چوکھے اور بھی مسلسل دیوار خانہ کعبہ
 پر چاندی کی کیلوں سے جڑے ہوئے ہیں اور ہر ایک پر خلفائے مصر کا نام لکھا ہوا
 ملے صحیح نام المعز بن اللہ ہو۔

ہو۔ جنھوں نے اپنے عہد حکومت میں یہ چوکھٹے بھیجے تھے۔

ستونوں کے درمیان میں چاندی کی تین قندیلیں آویزاں ہیں اور خانہ کعبہ کی پشت (دیوار) رخام پائی کی ہو۔ جو بلور کی طرح چمکتی ہو۔ اور چھت کے سہر چار گوشہ میں روشندان ہیں۔ اور ہر ایک پر کالج کے شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ جس میں سے روشنی چھن کر آتی ہو اور بارش کا پانی بھی نہیں آتا ہو۔

خانہ کعبہ کی چھت پر جانب شمال عین وسط میں پرنا لگا یا ہو۔ یہ پرنا لہ تین گز لانا ہو۔ جس پر سونے کا ملع ہو۔

غلاف کعبہ سفید رنگ کا تھا۔ اور دو جگہ نقاشی تھی۔ اور یہ کام ایک گز عرض میں بنایا گیا تھا، اور دونوں طرازوں (منقش کام) کے مابین اوپر نیچے تقریباً دس گز کا فاصلہ تھا۔ چنانچہ ان طرازوں کی وجہ سے خانہ کعبہ کی بلندی تین حصوں پر تقسیم ہو جاتی ہو۔ یعنی ہر حصہ تقریباً دس گز کا ہو۔ اور غلاف کے چاروں طرف زمکین محراب کے نشانات بُناوٹ میں ہیں جو سونے کے تاروں سے بُنے گئے ہیں، اور جن میں نقاشی کی گئی ہو۔ ہر دیوار میں تین محراب ہیں چنانچہ وسطی محراب بڑی ہو اور باغلی چھوٹی ہیں۔ اس طرح چاروں دیواروں پر بارہ محرابیں قائم ہیں۔ اور اسی مکان کے جانب شمال یعنی خانہ کعبہ کے باہر ایک دیوار ڈیڑھ گز کی ہو۔ جس کے دونوں سرے ارکان خانہ کعبہ تک چلے گئے ہیں یہ دیوار قوس نما یعنی نصف دائرہ کی صورت میں ہو۔ جس کا فاصلہ دیوار خانہ کعبہ سے پندرہ گز ہو۔ چنانچہ یہ دیوار اور یہاں کی زمین زمکین اور منقش سنگ مرمر کی ہو اور اس جگہ کا نام حجر ہو۔

خانہ کعبہ کی چھت سے پرنا لہ کا پانی اسی حجر میں گرتا ہو۔ پرنا کے نیچے حجر سنگ سبز کا محراب نما ایک پتھر تراش کر رکھ دیا ہو جس پر پانی گرتا ہو۔

اور یہ پتھر اس قدر بڑا ہو، جس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مقام ابراہیم | مقام ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ سے مشرق جانب ہے۔ یہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں، چنانچہ اس کو ایک دوسرے پتھر میں تراش کر وصل کر دیا ہو جس پر ایک چوکور لکڑی کا خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہے جو بلندی میں قد آدم ہے جس کے چاروں گوشوں پر چاندی کی کلسیاں بنی ہوئی ہیں، غلاف کو دو طرف سے زنجیروں میں اٹکا کر بڑے پتھروں سے باندھ دیا ہے، اور دو ہرے تالے لگے ہوئے ہیں۔ تاکہ اس پر کسی کا ہاتھ نہ پہنچے، مقام ابراہیم اور خانہ کعبہ میں بیس ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

چاہ زمزم کا بیان

چاہ زمزم اور اس کی عمارت | چاہ زمزم خانہ کعبہ سے جانب مشرق، اور حجر اسود کے گوشہ پر ہے زمزم اور خانہ کعبہ کے درمیان چھیالیس ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ زمزم کا محیط ساڑھے تین گز مرتع ہے، اور پانی میں کھارسی پن ہے، لیکن پی سکتے ہیں۔ زمزم کے چاروں طرف سنگ مرمر کا جنگلہ (کٹھرہ) لگا دیا ہے، جس کی اونچائی دو ہاتھ ہے، اور زمزم کے چاروں طرف حوض بنا دیے ہیں جس میں پانی جمع ہوتا ہے اور لوگ وضو کرتے ہیں۔ چاہ زمزم کے دہانے پر جالی دار لکڑی کا چوکھٹا جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ جس قدر پانی گرتا

۱۔ اب ایک حجرے کے اندر ہے جس کے باہر ایک در کا چھوٹا سا دالان ہے اور یہی مصلیٰ شافعی ہے جس کو امام شافعی نے اتباع حضرت عمر مصلیٰ قرار دیا تھا۔ اور اسی مقام پر آیت ولتخذن ومقام ابراہیم مصلیٰ نازل ہوئی۔

۲۔ نہ ہست القلوب میں لکھا ہے کہ چاہ زمزم کا عمق چالیس گز اور اس کا دائرہ گیارہ گز تھا، اور چوبیس گز کا قطر تھا۔

۳۔ اس کا مزہ مختلف اوقات میں بدلتا رہتا ہے۔

ہو وہ کنویں کے اندر چلا جاتا ہو۔

زمزم کی عمارت کا دروازہ مشرق جانب ہو۔

سقاۃ الحاج | اس عمارت کے برابر جانب مشرق ایک مربع عمارت اور
ہو۔ جس پر گنبد (قبہ) ہو اور اس کا نام سقاۃ الحاج ہو۔

اس مکان کے اندر پانی کے مٹکے رکھے ہوئے ہیں، جس سے حاج پانی
پیتے ہیں۔

اور اس سقاۃ الحاج کے مشرق کی طرف ایک دوسرے طولانی عمارت
ہو۔ جس پر تین گنبد ہیں۔

خرانتہ الزیت | اس کا نام خزانۃ الزیت (روغن زیتون کا گودام) ہو۔
جس کے اندر نمنعیں روغن زیتون اور قندلیں رکھی رہتی

ہیں۔ خانہ کعبہ کے چاروں طرف ستون قائم ہیں، اور دو دوستونوں پر لکڑی
کے پٹاؤ رکھے ہوئے ہیں جن پر پڑ بکلف نقش و نگار ہیں، جس میں کنڈے اور
کانٹے (دھک) جڑے ہوئے ہیں، تاکہ رات کو ان کے اندر شمع اور چراغ
روشن کیے جاتیں۔ اور اس میں قندلیں لٹکاتے ہیں اور اس نورانی سلسلہ کا
نام مشاعل ہو۔ خانہ کعبہ کی دیوار سے مشاعل مذکور کا فاصلہ ڈیڑھ سو گز ہو اور یہی
محل طواف ہو۔ مسجد الحرام کے صحن میں خانہ کعبہ کے علاوہ تین عمارتیں ہیں۔ ایک
عمارت زمزم، دوسرا سقاۃ الحاج اور تیسرا خزانۃ الزیت ہو۔

اور مسجد الحرام کے اطراف میں جو سائبان ہو، اس کے نیچے دیوار متصل
بلاد مغرب، مصر، شام و روم، عراقین، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ کے مساکین
کے لیے صندوق (گوک) رکھے ہیں۔

امیر مکہ کا محل | مکہ معظمہ سے جانب شمال چار فرسنگ کے فاصلہ پر ایک

ناحیہ ہے جس کو برقعہ کہتے ہیں، امیر مکہ کی یہاں سکونت ہے، اور اسی جگہ امیر کی فوج بھی رہتی ہے۔ برقعہ میں نہر اور باغات ہیں، اور یہ ناحیہ دو فرسنگ طولانی ہے اور اسی قدر عرض بھی ہے۔

میں اس سال ابتدائے رجب سے مکہ معظمہ میں مجاور تھا۔ اور مکہ والوں کا دستور ہے کہ جب کے مہینے میں روزانہ سورج نکلنے ہی خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے دروازہ کھولنے کا بیان

متولیان خانہ کعبہ | خانہ کعبہ کا کلید بردار عربوں کا ایک قبیلہ بنی شیبہ ہے جو خانہ کعبہ کے متولی ہیں۔ خلیفہ مصر کی جانب سے ان متولیوں کو تنخواہ اور خلعت ملا کرتا ہے۔

افتتاح دروازہ کا بیان | اس قبیلہ کا ایک سردار ہے، جس کے پاس کنجی رہتی ہے۔ جب وہ دروازہ کھولنے آتا ہے، تو پانچ چھ آدمی اس کے ہمراہ ہوتے ہیں، یہ لوگ جب دروازہ پر پہنچتے ہیں، تو دس حاجی اس سیڑھی کو اٹھا کر لاتے ہیں (جس کا ذکر کر چکا ہوں) اور دروازہ کے سامنے کھڑی کر دیتے ہیں، اور وہ بوڑھا سردار اس پر چڑھ کر دہلیز پر کھڑا ہوتا ہے، اور دو شخص اور بھی اس کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ اور دیباے زرد کی چادر کھولتے ہیں، جس کا ایک سر ایک آدمی کے ہاتھ میں اور دوسرا سر دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور اس بوڑھے سردار کو (بطور پردہ) چادر میں چھپا لیتے ہیں تاکہ وہ قفل کھولے، پناچ وہ قفل کھولتا ہے، اور قفل کو کڑوں سے نکالتا ہے، اس وقت حاجیوں کا ایک گروہ دروازہ پر جمع رہتا ہے، اور دروازہ کھلتے ہی

وہ ہاتھ اٹھا کر (بلند آواز سے) دعا مانگتے ہیں۔ اور جو لوگ شہر میں ہوتے ہیں وہ حاجیوں کی آواز سن کر سمجھ لیتے ہیں کہ حرم کا دروازہ کھل گیا، اب بالاتفاق حجاج ادنیٰ آواز سے دعا مانگتے ہیں، اور اس کی آواز سے مکہ گونج اٹھتا ہے۔ اور وہ بوڑھا سردار حرم میں داخل ہوتا ہے، اور وہ دو آدمی اسی طرح پردہ کیے کھڑے رہتے ہیں، اور وہ بوڑھا دو رکعت نماز پڑھ کر حرم سے واپس آتا ہے، اور خانہ کعبہ کے دروازہ (دونوں پرٹ) کھول دیتا ہے، اور آستانہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتا ہے، اور بلند آواز سے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اہل بیت پر درود کا ہدیہ بھیجتا ہے۔ بعد ازاں وہ بوڑھا اور اس کے ہمراہی دروازہ کے دونوں طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، اور حاجی اندر آنا شروع ہوتے ہیں، اور حرم میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد واپس ہوتے ہیں، اور یہ سلسلہ دوپہر تک قائم رہتا ہے۔ جب خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں تو منہ دروازہ کی طرف ہوتا ہے، اور دوسری طرف بھی منہ کرنا جائز ہے، مگر یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ خانہ کعبہ بھر چکا ہو اور دوسروں کے لیے گنجائش نہ ہو۔ میں نے شمار کیا تو اس وقت سات سو بیس حاجی تھے۔

یمن کے قافلے حج کو آتے ہیں

عموماً یمنی ہندوؤں کی طرح لنگی باندھتے ہیں، اور سر کے بال کا ندھوں پر پڑے رہتے ہیں، اور واڑھیاں بٹی ہوئی ہوتی ہیں، اور ہندوؤں کی طرح قطیف کا بنا ہوا	یمنی اور ہندی کی نسلی مشابہت
---	-------------------------------------

کٹار کمر میں لگائے رہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہنود کا مرز بوم (دہلی وطن) یمن ہے۔ اور کتارہ (کٹار) کو معرب کر کے قتالہ کر لیا ہے۔ شعبان، رمضان اور شوال

میں بھی دو شنبہ، پنج شنبہ اور جمعہ کو خانہ کعبہ کا دروازہ کھولتے ہیں اور جب ذیقعدہ کا مہینہ شروع ہو جاتا ہو، تو پھر دروازہ نہیں کھلتا۔

عمرہ جعرانہ

جعرانہ مکہ معظمہ سے چار فرسنگ پر، جانب شمال ایک مقام ہے جس کو جعرانہ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول مقبول جعرانہ میں مع فوج کے مقیم تھے کہ سولہویں ذیقعدہ کو آپ احرام باندھ کر مکہ میں تشریف لائے، اور عمرہ کیا۔ جعرانہ میں دو کنوئیں موجود ہیں۔ ایک کو بیو الرسول اور دوسرے کو بید علی (صلوات اللہ علیہا) کہتے ہیں، دونوں کا پانی بہت ہی میٹھا ہے۔ اور دونوں میں دس گز کا فاصلہ ہے۔ اس قدیم سنت کو لوگ برتتے ہیں، اور اس موسم میں عمرہ کرتے ہیں۔ ان کنوئوں کے پاس ایک پہاڑی ہے، جس کے پتھروں میں گڑھے پڑ گئے ہیں، اور ان کی صورت پیالہ نما ہے، روایت ہے کہ رسول مقبول نے اپنے ہاتھ سے ان گڑھوں میں آٹا گوندھا ہے چنانچہ جو حاجی یہاں آتے ہیں وہ بھی ان گڑھوں میں چاہات مذکور سے پانی لے کر آٹا گوندھتے ہیں، یہاں لکڑی کی افراط ہے، چنانچہ حاجی لکڑیاں توڑ کر روٹی پکاتے ہیں، اور تبرکاً ملکوں ملکوں لے جاتے ہیں۔

اور اسی جگہ ایک دوسری پہاڑی ہے، جس پر حضرت بلال حبشی نے کھڑے ہو کر اذان دی تھی۔ چنانچہ حاجی بھی اسی جگہ اذان دیا کرتے ہیں۔ فی زمانہ ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں سے زیادہ اونٹوں کی عماریاں نظر آتی تھیں، معمولی اونٹوں کا کیا شمار ہے۔

مصر سے مکہ معظمہ تک جس راستہ سے اس مرتبہ میں آیا ہوں اس کا فاصلہ تین سو فرسنگ تھا، اور مکہ سے یمن بارہ فرسنگ ہے۔

عرفات کا میدان پہاڑیوں کے اندر ایک پشتہ کے مانند
ہو۔ جس کا طول دو فرسنگ اور عرض دو فرسنگ ہو
اس میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ
جبل الرحمتہ اور

ایک مسجد ہو، چنانچہ اینٹ کا ٹوٹا پھوٹا منبر ہنوز باقی ہو۔ جب ظہر کی نماز کا وقت
آتا ہو تو خطیب منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھتا ہو، پھر اذان ہوتی ہو، اور دو رکعت
نماز جماعت سے مسافروں کی طرح پڑھتے ہیں، پھر سب مل کر تکبیر کہتے ہیں اور
دو رکعت نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خطیب اونٹ پر سوار
ہوتا ہو اور سب مشرق کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں، ایک فرسنگ کے فاصلہ
پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہو، جس کو جبل الرحمتہ کہتے ہیں، وہاں کھڑے ہو کر دعا
مانگتے ہیں، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہو۔

ابن شاذول مذکور نے جو امیر عدن تھا، بصرف کثیر ایک پہاڑ سے
(جو یہاں سے فاصلہ پر ہو) نہر نکال کر عرفات کے میدان میں لے گیا ہو، اور
یہاں حوض بنائے ہیں جو حج کے زمانہ میں پانی سے لبریز کر دیے جاتے ہیں کہ
حاجیوں کو پانی کی تکلیف نہ ہو۔ اور نیز ابن شاذول نے جبل الرحمتہ پر چار بڑی
محراب بنائی ہیں، جس کے گنبد پر قیام عرفات کے دنوں میں چراغ اور شمعیں
روشن کی جاتی ہیں، جس کی روشنی دو فرسنگ سے نظر آتی ہو۔ ایسا مشہور ہو کہ
امیر مکہ نے ایک ہزار دینار لے کر تعمیر کی اجازت دی تھی۔

ناصر خسرو کا نوں ذی الحجہ ۴۴۷ھ کو (توفیق الہی سے) میں نے چوتھا حج
چوتھا حج کیا۔ اور غروب آفتاب کے بعد حجاج اور خطیب عرفات سے
چل کر ایک فرسنگ کے فاصلہ پر مشعر الحرام میں آکر ٹھہرے
جس کو مُزدلفۃ کہتے ہیں۔ اس مقام پر ایک خوبصورت عمارت مقصورہ کی

طرح بنائی ہو جہاں حاجی نماز پڑھتے ہیں اور منیٰ میں جو کنکریاں پھینکتے ہیں وہ اسی جگہ سے اٹھاتے ہیں۔

منیٰ اور مسجد خیف | دستور یہ ہے کہ عید کی رات کو مزدلفہ میں ٹھیرتے ہیں اور یہاں صبح کی نماز پڑھتے ہیں، اور سورج نکلنے ہی منیٰ چلے جاتے ہیں اور اسی جگہ حاجی قربانی کرتے ہیں۔ منیٰ میں ایک بڑی مسجد ہے جس کو مسجد خیف کہتے ہیں۔ اس دن خطبہ اور عید کی نماز پڑھنے کا دستور نہیں ہے۔ اور نہ اس پر رسول اللہ صلعم نے عمل فرمایا ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں ٹھیرتے ہیں اور کنکریاں پھینکتے ہیں، جس کی تفصیل مناسک حج میں بیان کی گئی ہے۔ بارہویں تاریخ کو جس کا دل چاہے وہ منیٰ سے اپنے مقام کو واپس جائے اور جس کو مکہ جانا ہو وہ مکہ چلا جائے۔ چنانچہ حج سے فارغ ہو کر میں خانہ کعبہ سے رخصت ہوا اور ایک بدوی کا اونٹ لھساک کرایہ کیا۔ مکہ معظمہ سے لھساک بیان کرتے ہیں کہ تیرہ یوم میں پہنچتے ہیں۔

۱۲۔ مکہ معظمہ سے ناصر خسرو | جمعہ کے دن انیسویں ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (مطابق خرداد) کو مکہ معظمہ سے چل کر سترواگی اور ملک مین کا سفر

یہاں سے کوہستانی سلسلہ شروع ہوا، جب میں اس پہاڑی راستہ سے چلا، تو سامنے جنگل تھا جس میں آبادی بھی تھی، اور ایک کنواں ملا جو بیر الحسن بن سلامہ کے نام سے مشہور تھا۔ ہوا سرد تھی، اور راستہ مشرق کو جا رہا تھا، چنانچہ دو شنبہ کے دن بائیسویں ذی الحجہ کو میں شہر طائف میں پہنچا، جس کی مسافت مکہ سے بارہ فرسنگ تھی۔

طائف | طائف ایک ناحیہ ہے، جو پہاڑ پر آباد ہے، خرداد (جون) کے

ہمینہ میں اس قدر سردی تھی کہ لوگ دھوپ میں بیٹھتے تھے، اور مکہ معظمہ میں خربوزہ بافراط تھا۔ قصبہ طائف ایک چھوٹا سا شہر ہے، جس کا قلعہ مستحکم ہے، ایک مختصر سا بازار بھی ہے، اور معمولی سی مسجد بھی۔ پانی کے چشے ہیں، انار اور انجیر کے درخت بافراط ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مزار شہر کے قریب ہے۔ خلفائے عباسیہ نے اس جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کی ہے، جس کے ایک گوشہ میں مزار کو شامل کر لیا ہے۔ اور اس کے دائیں ہاتھ پر محراب و منبر ہے۔ مسجد کے قریب لوگوں نے مکانات بنا کر سکونت اختیار کی ہے۔

اب ہم طائف سے روانہ ہوئے، راستے میں پہاڑ اور کھنڈرات نظر آئے، دوران سفر میں ہر جگہ چھوٹی چھوٹی گڑھیاں اور مزرعے ملتے رہے، کھنڈرات میں ایک چھوٹا سا ویران قلعہ مجھے دکھایا گیا، بدویوں نے کہا کہ یہ لیلیٰ کا مکان تھا، اور ان کا قصہ عجیب ہے۔

ناحیہ ثریا | یہاں سے ہم ایک قلعہ میں پہنچے جس کو مطار کہتے ہیں۔ یہ مقام طائف سے بارہ فرسنگ ہے۔ مطار سے ناحیہ ثریا میں آئے، اور قلعہ مطار | یہاں کھجوروں کے باغات تھے، اور کھیتوں میں ذریعہ رہٹ چاہات سے پانی دے رہے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس ناحیہ میں کوئی حاکم اور سلطان نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ اسی قبیلہ کا ایک سردار ہے، مگر یہ سب چور و ڈاکو ہیں، ہر روز آپس میں لڑا کرتے ہیں۔ طائف سے اس منزل تک پچیس فرسنگ قیاس کرتے ہیں۔

حصن بنی نسیر | ثریا سے چل کر قلعہ جزع ملا، نصف فرسنگ میں چار قلعے تھے، ان میں سے جو سب سے بڑا قلعہ تھا، اور حصن میں ہم اور قلعہ جزع | ٹھہرے تھے، اس قلعہ کا نام حصن بنی نسیر تھا۔ کھجور کے

درخت کم تھے۔ اور ہم نے جس بدو کا اونٹ کرایہ کیا تھا، اس کا مکان جزع میں تھا۔ چنانچہ پندرہ دن تک یہاں ٹھہرنا پڑا، کیونکہ کوئی راہ نما موجود نہ تھا جو دوسری منزل تک پہنچائے، اس علاقہ میں عرب کے ہر قبیلے کی ایک جداگانہ چراگاہ، (بیڑ) ہے، اور کوئی بیگانہ اس علاقہ میں نہیں جاسکتا ہے، کیونکہ جس کو بلا راہ نما کے پاجاتے ہیں اس کو گرفتار کر کے کپڑے تک اتار لیتے ہیں۔ لہذا ہر قوم کی طرف سے ایک بدرقہ مقرر ہے جو مسافر کو اپنی حد تک پہنچاتا ہے۔ ذخیر، بدرقہ اور قلاؤز کے ایک ہی معنی میں، یعنی راہ نما) آئندہ منزل میں اعراب بنی سواد کا علاقہ آنے والا تھا چنانچہ اتفاق سے اس قبیلہ کا ایک سردار جزع میں آگیا، ہم نے اس کو بدرقہ میں لے لیا۔

ناصر خسرو کی سیاحت کا ساتواں سال محرم ۴۴۳ھ

اس سردار کا نام ابو غانم عبس بن البعیر تھا، چنانچہ ہم ابن البعیر (اونٹ کا بچہ) کے ہمراہ روانہ ہوئے ایک گروہ ہماری طرف لپکا، اور سمجھے کہ اچھا شکار ہاتھ لگا، کیونکہ یہ قبائل ہر بیگانہ شخص کو صید (شکار) کہتے ہیں۔ چونکہ ان کا سردار ہمارے ہمراہ تھا، اس وجہ سے کوئی شخص نہ بولا، ورنہ یہ ہم کو قتل ہی کر ڈالتے۔ غرض کہ اس قبیلہ میں چند روز ٹھہرنا پڑا، کیونکہ اگلی منزل کے لیے بدرقہ نہ تھا، چنانچہ اس منزل سے دس دس دینار کے معاوضہ پر دو راہ نما، ہمراہ لیے (تاکہ وہ دوسرے قبیلہ تک پہنچا دیں)۔ ان ہی قبائل میں ایک قبیلہ تھا جس کے ہفتاد سالہ بڑھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ تمام عمر میں اونٹ کے دودھ کے سوا ہم نے کچھ نہیں کھایا ہے، کیوں کہ ان جنگلوں میں کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا کہ البتہ ایک کڑوی کیسی گھانس ہوتی ہے، جس کو اونٹ کھاتا ہے، ال بدیوں کا خیال تھا کہ ساری دنیا ایسی ہی ہوگی۔ الغرض میں قبیلہ قبیلہ گھومتا پھرا، اور

ہر جگہ جان کا خطرہ تھا، لیکن یہ محض خدائے پاک کی مرضی تھی کہ ہم لوگ ان منزلوں سے صحیح و سلامت بھل آئے۔

اب ہم ایسے کھنڈرات میں پہنچے جس کو ہر ما کہتے تھے، ہرایا سربا کے آثار قدیمہ گنبد کی طرح پہاڑیاں تھیں کہ میں نے ویسی کسی ملک میں نہیں دیکھی، اور اس کی اونچائی اس قدر تھی کہ تیر پہنچ سکے، اور بیضہ مرغ کی طرح چمکدار، ہموار اور سخت تھیں، جس میں کوئی شکاف بھی نہ تھا۔ اس منزل سے آگے بڑھے، ہمارے ساتھی جب سوسمار (گوہ) دیکھتے تھے تو مار کر کھا جاتے تھے۔ اور جہاں عربوں کی آبادی ہوتی تھی وہاں اونٹنی کا دودھ دوتے تھے، میں نہ سوسمار کا گوشت کھاتا تھا اور نہ یہ دودھ پیتا تھا، راستہ میں جہاں کوئی پھل دار درخت ملتا جس کے پھل اُڑدے کے برابر تھے، اس کے چند پھل توڑ کر رکھ لیتا، اور اسی پر قناعت کرتا تھا۔ چنانچہ بڑی مصیبت اور تکلیف کے بعد تیس صفر کو فلج میں پہنچا، مکہ معظمہ سے یہاں تک ایک سو اسی فرسنگ کی مسافت تھی۔

فلج وسط جنگل میں ہر کسی زمانہ میں بڑا ناجیہ تھا، لیکن اب تعصب کے ہاتھوں برباد ہو رہا ہے، جب میں یہاں آیا ہوں تو آباد تھا، جس کا طول ڈیڑھ میل اور عرض ایک میل تھا۔ اور اس رقبہ کے اندر چودہ قلعے تھے، یہاں کے باشندے چور مفسد اور جاہل ہیں، یہ چودہ قلعے دو حصوں پر تقسیم تھے، کیونکہ ان قبائل میں ہمیشہ سے پھوٹ اور دشمنی چلی آتی تھی، اور ان کا قول تھا کہ ہم لوگ اصحاب کہف کی نسل سے ہیں۔ جن کا خدا نے کلام مجید میں تذکرہ کیا ہے۔ اس جگہ چار کاریزیں تھیں، جن سے نخلستان میں پانی جاتا تھا ان کی کھیتیاں بلندی پر تھیں۔ اور کھیتوں کی آبپاشی کا بڑا ذریعہ چاہات ہیں

اونٹوں سے ہل جوتے تھے، کیونکہ میں نے اس نواح میں کہیں بیل نہیں دیکھے کاشت کی مقدار قلیل تھی، ایک آدمی کی روزانہ اجرت ستر غلہ ہو، اور یہی ان کی خوراک ہو، نماز مغرب سے دوسری نماز مغرب تک رمضان المبارک کی طرح کچھ نہیں کھاتے ہیں، صرف دن میں کھجوریں کھا لیتے ہیں۔ اس علاقہ کی کھجور بصرہ وغیرہ کے مقابلہ میں بہت اچھی ہیں۔ یہاں کے آدمی مفلس ہیں اور بد نصیب کیونکہ باوجود افلاس کے آئے دن لڑتے ہیں اور خونریزیاں کرتے ہیں۔ یہاں ایک خاص قسم کی کھجور پیدا ہوتی ہو، جس کا نام میدولن ہو۔ اس کا وزن دس درہم کے برابر ہوتا ہو اور گٹھلی کا وزن تقریباً ڈیڑھ دانگ، بیان کیا جاتا ہو کہ اگر بیٹل سال تک یہ کھجوریں رکھی رہیں تو خراب نہیں ہوتی ہیں۔

قلعہ والوں کا لین دین نیشاپوری روپیہ سے تھا، فلج میں میرا قیام چار مہینے رہا، مگر ایسی حالت میں کہ جس سے زیادہ سخت مصیبت نہیں ہو سکتی ہو، کتابوں کی دو خرجیوں کے سوا میرے پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی اور یہ اعواب (بدوی) ننگے بھوکے اور جاہل تھے، جب نماز پڑھنے آتے تو تلوار و سپر باندھ کر آتے تھے، اور کتابوں کے خریدار نہ تھے۔ میں ایک مسجد میں مقیم تھا اور میرے پاس کسی قدر لاجورد اور شخرف موجود تھا، چنانچہ میں نے دیوار مسجد پر اس رنگ سے ایک بیت لکھا اور اس کے اندریل بوٹے بنائے جس کو دیکھ کر یہ بدوی حیرت زدہ رہ گئے اور سب قلعے والے جمع ہو کر دیکھنے آئے اور مجھ سے درخواست کی کہ اگر اس مسجد کی محراب میں ایسی ہی گلی کاری کر دو تو سو تن کھجوریں نذر کریں گے۔ اور یہ مقدار ان کے نزدیک بڑی مالیت تھی اس لیے کہ میرے قیام کے زمانہ میں عرب سے یہاں ایک فوج آئی تھی اور سپاہی ان سے پانسوں کھجوریں مانگتے تھے، مگر انھوں نے نہ دیں اور آمادہ جنگ ہو گئے۔ چنانچہ قلعے کے دستل آدمی

مارے گئے اور عربوں نے ایک ہزار نخل کاٹ ڈالے، لیکن اس پر بھی انھوں نے دس من کھجوریں نہ دیں۔ جب مجھ سے معاہدہ ہو گیا تو میں نے اس محراب کو نقش و نگار سے آراستہ کر دیا اور ان سو من کھجوروں سے میری حاجت روائی ہو گئی کیونکہ میں تو زندگی سے مایوس ہو رہا تھا اور فلج میں کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا اور اس کا تو وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی اس جنگل سے رہائی نصیب ہوگی کیونکہ اس مقام سے چاروں طرف جب تک دوسو فرسنگ کا خوفناک اور مہلک جنگل طرہ کیا جائے، کسی آبادی کی صورت نظر نہیں آسکتی تھی۔ میں نے چار مہینے میں کسی جگہ پانچ من گیہوں کا انبار نہیں دیکھا، آخر کار ایک قافلہ شہر مایہ سے آیا جو آدمیم (خوشبودا چڑھ) خرید کرتا ہو اور یہ ادمیم خرید کر لٹھا کوٹے جاتے ہیں۔ اور پھر میں سے فلج میں لاتے ہیں اور سودا گروں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ ایک عرب مجھے بصرہ لے جانے پر آمادہ تھا، لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو کرایہ میں ادا کرتا۔ اور یہاں سے بصرہ دو سو فرسنگ کے فاصلہ پر تھا اور اونٹ کا معمولی کرایہ ایک دینار تھا حالانکہ ایک اچھا اونٹ دو تین دینار میں فروخت ہوتا تھا، مگر چونکہ میرے پاس نقدی نہ تھی بلکہ معاملہ ادھار پر تھا، اس لیے مجھ سے کہا جاتا تھا کہ تیس دینار ادا کرو تو بصرہ پہنچا دیں۔ میں نے مجبوراً منظور کیا، کیونکہ میں نے کبھی بصرہ دیکھا بھی نہ تھا۔ معاہدہ کے بعد عربوں نے کتابوں کی خرجیاں اونٹ پر لادیں۔ اور میرے بھائی (خواجہ ابوسعید) کو سوار کر لیا اور میں پیادہ ساتھ ہولیا اور بنات لغش کے مطلع کی طرف روانہ ہوئے، زمین ہموار تھی۔ پہاڑ اور ٹیلے نہ تھے، جہاں زمین بہت سخت تھی، وہاں برسات کا پانی جمع تھا۔ اور دن رات چلتے تھے کہیں راستہ کا نشان نظر نہ آتا تھا، لیکن تجب بے ہو کہ صرف بانسلی کی آواز پر دن رات

لے مل جملہ یہ ہو "شب در روز میرفتند کہ بیچ جا اثر راہ پدید نبود الا بر سماع میرفتند و سماع سے بدویا کی قادی خوانی مراد ہو۔

بغیر راستہ و نشان کے یہ اونٹ بھاگے چلے جاتے تھے، ناگاہ ایک گنوں پر پہنچے جس میں پانی تھا۔ الغرض چار شبانہ روز میں یتامہ پہنچے۔

یتامہ میں ایک بڑا اور پُرانا قلعہ تھا، اور قلعہ کے باہر شہر اور بازار ہی، یتامہ جس میں ہر قسم کے دستکار موجود تھے۔ اور جامع مسجد خوبصورت ہو۔

اس ملک کے امیر قدیم زمانہ سے علوی چلے آتے ہیں اور کسی غیر نے اس علاقہ پر قبضہ نہیں کیا ہو، کیونکہ اس ناحیہ کے قریب کوئی دوسرا زبردست سلطان و بادشاہ نہیں ہو۔ ان علوی امیروں کی بھی ایک شان و شوکت ہو۔ چلو میں تین چار سو سوار بٹکتے ہیں، اور ان کا مذہب زیدی ہو۔ اقامت میں یہ الفاظ کہتے ہیں: ”حمد و علی خیر البشر و حمی علی خیر العل“

یتامہ سادات کی بستی ہو، کاریزوں سے پانی بہتا رہتا ہو۔ اور نخلستان ہیں جس سال کھجوروں کی فصل اچھی ہوتی ہو، تو ایک دینار میں سینتیس من تک بیک جاتی ہیں۔ یتامہ سے لٹھا چالیس فرسنگ شمار کرتے ہیں۔ سفر کے لیے موسم سرما مناسب ہو، کیونکہ برساتی پانی جا بجا ملتا ہو، جس کو پی سکتے ہیں اور گرمیوں میں پانی نہیں ملتا ہو۔

شہر لٹھا

لٹھا | شہر لٹھا جنگل کے کنارے آباد ہو، کیونکہ جس طرف سے جانا چاہو ایک بڑا جنگل طوکرنا پڑے گا۔ اور لٹھا سے قریب تر اسلامی شہر جس میں سلطان رہتا ہو وہ بصرہ ہو۔ لٹھا سے بصرہ کا فاصلہ ایک سو پچاس فرسنگ ہو اور بصرہ کے کسی سلطان نے کبھی لٹھا پر فوج کشی کا خیال نہیں کیا ہو۔

شہر لُحّا کی تعریف

ابوسعید قرطبی فرمانروائے لُحّا | لُحّا ایک ایسا مقام ہے کہ جس میں شہر اور
 دیہات کی شان پائی جاتی ہے اور اس
 میں ایک قلعہ بھی ہے، شہر کے چاروں طرف
 مٹی کی چار مضبوط فصیلیں ہیں، جو یکے بعد دیگرے واقع ہیں فصیل کی دونوں دیواریں
 کے مابین تقریباً ایک ایک فرسنگ کا فاصلہ ہے، شہر میں پانی کے بڑے چشمے ہیں
 جن میں تقریباً پانچ پانچ چکیاں چل سکتی ہیں، ان چشموں کے پانی سے کام لیا جاتا
 ہے اور پانی فصیل کے باہر نہیں جاتا ہے۔

قلعہ کے درمیان بڑا شہر آباد ہے جس میں بڑے شہروں کی طرح تمام چیزیں
 میسر آتی ہیں اور بین ہزار سے زیادہ فوج رہتی ہے۔

روایت ہے کہ لُحّا کا سلطان سید تھا، لیکن اس نے لوگوں کو مذہبِ اسلام
 سے منحرف کر دیا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ میں نے تم پر سے روزہ نماز اٹھا دیا۔
 صرف میری ذات تمہارے لیے مرجع و مآب ہے، اس سلطان کا نام ابوسعید تھا۔
 جب شہر والوں سے پوچھو کہ تمہارا مذہب کیا ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم
 ابوسعیدی ہیں۔

یہ لوگ نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کی رسالت
 کے قائل ہیں۔ ابوسعید نے ان لوگوں کو یہ سمجھا دیا ہے کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ
 میں پھر تمہارے پاس آؤں گا۔ ابوسعید کی قبر لُحّا میں ہے اور اس کا مقبرہ شاندار
 بنایا ہے، اور یہ اپنے بیٹوں کو وصیت کر گیا ہے کہ میری اولاد میں سے ہمیشہ پھول کر
 حکومت کرتے رہیں اور رعایا کی عدل و انصاف سے حفاظت کریں اور باہم

اتحاد رکھیں دیہاں تک کہ میں دوبارہ واپس آؤں۔

ان فرمانرواؤں کا ایک بڑا محل ہی اور وہی ان کا دار الحکومت ہے جس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے جس پر چڑھ کر ان مل کر بیٹھتے ہیں اور اتفاق رائے سے فیصلہ کرتے ہیں، اور ان کے وزیر بھی چھو ہیں۔ چنانچہ یہ چھو فرمانروا ایک تخت پر بیٹھ کر اجلاس کرتے ہیں، اور وزرا دوسرے تخت پر بیٹھتے ہیں اور جملہ امور باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔ فرمانروائے لہسا کے اس وقت زر خرید بیس ہزار غلام زنگی اور حبشی ہیں جو کمیتی اور باغبانی کا کام کرتے ہیں۔ اور رعایا سے بطریق عشر دہیادار کا دسواں حصہ بھی کچھ نہیں لیا جاتا۔ اگر رعایا میں سے کوئی محتاج یا مقروض ہو جائے تو اس کی کفالت کرتے ہیں جس سے اس کی حالت سنبھل جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی کا قرضدار ہوتا ہے تو اصل رقم سے زیادہ نہیں لیتے ہیں۔ اگر کوئی مسافران کے شہر میں آئے اور وہ دستکار ہو تو کام چلانے کے لیے اس کو سرمایہ دیتے ہیں تاکہ وہ ضروری سامان متعلقہ خرید سکے اور کامیابی پر اصل روپیہ واپس کر دے۔ اگر کوئی شخص جو صاحب جائداد و املاک ہو اور اس کا کاروبار بگڑ جائے اور دوبارہ کام نہ چلا سکے تو یہ بادشاہ اپنے غلاموں کو نامزد کرتے ہیں کہ یہ جا کر ان کا کام کریں اور بگڑے ہوئے کاموں کو درست کریں۔ اور اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا ہے۔ لہذا میں سرکاری چکیاں ہیں جن میں رعایا کا آٹا مفت پستہ ہے اور کچھوں کی مرمت اور ملازموں کی تنخواہ خزانہ شاہی سے ادا ہوتی ہے۔ یہ سلاطین سادات اور ان کے وزرا شائزہ (مشورہ ہندہ

۱۔ باب مفاعلہ سے مشاورۃ کا فاعل شائزہ غلط ہے بلکہ شیتہ ہونا چاہیے۔ قال البوسعدی

فلان وزیر فلان و شیتہ ای مشاورۃ رج شوراء و کشوراء تاج العروس

شرح قاموس جلد ۳ صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ مصر۔

یا ممبران کو نسل کھلاتے ہیں۔

لحمائیں جامع مسجد نہیں ہو، نہ نماز ہوتی ہو، نہ خطبہ ہوتا ہو، لیکن ایک عجمی نے جس کا نام علی بن احمد ہو یہاں ایک مسجد بنوائی ہو۔ یہ ایک دولت مند مسلمان حاجی ہو اور جو حاجی اس شہر میں آتے ہیں، یہی شخص ان کی خدمت کرتا ہو۔

لحمائیں لین دین سیسہ سے ہوتا ہو اور سیسہ تھیلیوں میں رہتا ہو اور ہر تھیلی میں چھ ہزار درہم کی مقدار میں سیسہ ہوتا ہو۔ معاملہ کے وقت بجنسہ تھیلیاں گن کر دیتے ہیں اور نقدی کو تھیلوں سے نہیں بھگالتے ہیں۔ (سیسہ کے ٹکڑے بصورت درہم ہوں گے)۔

لحمائیں کمر بند (پٹکے) عمدہ بنے جاتے ہیں جو بصرہ اور دوسرے شہروں میں جاتے ہیں۔

اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کو منع بھی نہیں کرتے ہیں۔ لیکن خود نہیں پڑھتے ہیں۔ جب سلطان دربار کرتا ہو تو وہ ہر شخص کے سوال کا معقول جواب دیتا ہو اور اخلاق سے پیش آتا ہو، شراب کبھی نہیں پیتا ہو۔

شبانہ روز ایک گھوڑا زین کسا ہوا اور طوق و باگ ڈور سے تیار ابو سعیدؓ کی قبر پر کھڑا رہتا ہو تاکہ جس وقت ابو سعید قبر سے اٹھے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ روایت ہو کہ ابو سعید نے اپنی اولاد سے یہ بھی وصیت کی ہو کہ جب میں دوبارہ تم میں واپس آؤں اور تم مجھ کو پہچان نہ سکو تو میری شناخت یہ ہو کہ میری ہی تلوار سے سہراڑا دو۔ اگر میں ہوں گا تو اسی وقت زندہ ہو جاؤں گا۔ اور یہ قاعدہ اس لیے مقرر کر دیا ہو کہ کوئی ابو سعید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

سلاطین لحمائیں سے کسی نے خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مکہ مخطمہ پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ اور عین طواف کے وقت حجاج کو قتل کر دیا تھا۔

اور حجرِ آسود کو رکن سے نکال کر ہمالے گئے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ یہ پتھر لوگوں کے حق میں مفناطیس ہے جو تمام عالم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ لیکن انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ کششِ نبوت اور عظمتِ رسالتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو اپنی طرف کھینچتی ہے، ورنہ حجرِ آسود تو ایک زمانہ دراز سے موجود ہے اور کوئی بھی وہاں نہ جاتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر حجرِ آسود ان لوگوں سے خرید کر مکہ معظمہ لے گئے۔ (اور اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔) (یہ واقعہ تاریخوں میں تفصیل سے درج ہے)۔

لحسا میں تمام حیوانات کا گوشت فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً بلی، گتھا، گدھا، بیل، بکری، وغیرہ اور ان جانوروں کا سر اور چمڑہ گوشت کے قریب ہی رکھ دیتے ہیں تاکہ خریدار سمجھ لے کہ اُسے کس جانور کا گوشت خرید کرنا ہے۔ اس شہر میں کھلا پلا کر گتے کو اس قدر فروہ کرتے ہیں کہ وہ چری ہوئی بکری کی طرح ہو جاتا ہے اور موٹاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا، پھر اس کو ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔

لحسا سے جانبِ مشرق سات فرسنگ پر خلیجِ فارس ہے، اگر **جزیرہ بحرین** اس راستہ سے جائیں تو اول بحرین آتا ہے، یہ ایک جزیرہ ہے جس کا طول پندرہ فرسنگ ہے، اور بڑا شہر ہے، کچور کے باغات بہت ہیں۔ اور اس سمندر سے موتی نکلتے ہیں۔ غوطہ خور جس قدر موتی نکالتے ہیں اس کا نصف حصہ سلاطینِ لحسا کا حق ہے۔

خلیجِ عمان ^{۲۵۰} اور اگر لحسا سے جنوب کی طرف چلیں تو عمان ملتا ہے۔ یہ دریا خلیجِ عمان (عمان) عرب کی زمین پر بہتا ہے جس کے تین طرف جنگل اور خشکی ہے اور ناقابلِ گزر ہے، ولایتِ عمان اُسی فرسنگ مرتج ہے، اور گرم سیر علاقہ ہے۔ اس ملک میں جو زہندی جس کو نارِ جیل کہتے ہیں پیدا ہوتا ہے۔ اگر عمان سے مشرق کی طرف براہِ خلیجِ فارس جائیں تو کیش (جزیرہ قیس) اور مکران کے علاقہ

میں پہنچ جائیں۔ اور اگر جنوب کی طرف جائیں تو عدن پہنچیں۔ اور اگر دوسری طرف (جانب شمال) جائیں تو فارس میں داخل ہوں۔ لہذا میں اس کثرت سے کجوریں پیدا ہوتی ہیں کہ موشیوں کو کھلا کر مونا کرتے ہیں، اور کبھی یہ افراط ہوتی ہو کہ تین من ایک دینار کو بکتی ہیں۔

اگر لہذا سے شمال کی طرف جائیں تو سات فرسنگ پر ایک ناحیہ ہو جس کو قطیف کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک بڑا شہر ہو جس میں نخلستان بکثرت ہیں۔

عرب کے کسی فرمانروا نے لہذا پر فوج کشی کی مٹی چنانچہ اس نے منجملہ چار ضیلوں کے ایک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ایک سال تک محاصرہ کیے پڑا بھی رہا اور بڑا حصہ شہر کا بتا بھی کر دیا۔ مگر کچھ ہاتھ نہ لگا۔ اور جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو دریافت کیا (دروے علم نجوم) کہ میں لہذا کو فتح کر لوں گا یا نہیں۔ کیونکہ یہاں کے باشندے کافر ہیں، میں نے مصلحت وقت کے مطابق جواب دے دیا، میرے نزدیک بدوی بھی لاندہی میں لہذا والوں کے قریب قریب ہیں، چنانچہ بعض ایسے ہیں جو سال میں ایک مرتبہ بھی ہاتھ نہیں دھوئے ہیں۔ میں جو کچھ کہ رہا ہوں یہ میرا ذاتی تجربہ ہو، جھوٹی باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ متفرق طور پر نہیں بلکہ نو مہینے تک مسلسل ان لوگوں میں رہا ہوں۔ میں اونٹ کا دودھ نہیں پی سکتا تھا۔ بدیں وجہ جہاں کہیں پینے کو پانی مانگتا تھا، وہاں یہ لوگ دودھ پیش کرتے تھے جب میں نہ لیتا اور پانی ہی مانگتا تو جواب دیتے کہ ”جہاں پانی دیکھو وہاں مانگو، کیونکہ پانی تو ایسے شخص کے گھر میں ملے گا کہ جہاں پانی کا وجود ہو۔“ انھوں نے تمام عمر میں تمام اور پانی کے چستے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

۱۳۔ ناخضر و یامہ | اب پھر میں نفس مطلب پر آتا ہوں، یامہ سے جب سے بصرہ جاتا ہوں | میں بصرہ روانہ ہوا تو کسی منزل پر پانی ملتا تھا اور

کہیں نہ ملتا تھا۔ آخر کار بیسویں شعبان ۲۲۳ھ کو میں بصرہ پہنچا۔

بصرہ شہر بصرہ کی فضیل بڑی ہے، مگر جانب دریا فضیل نہیں ہے۔ بصرہ میں شط
بہتا ہے (نواح بصرہ کے قریب دجلہ اور فرات آکر مل گئی ہیں اس کا نام
شط ہے) اور جب جو برہ کا پانی بھی اس میں آکر ملتا ہے تو اس کو شط العرب کہتے
ہیں۔ شط العرب سے دو بڑی نہریں نکالی ہیں جن کے دھانوں میں ایک
فرسنگ کا فاصلہ ہے اور دونوں نہروں کو کاٹ کر قبلہ کی جانب چار فرسنگ تک
لے گئے ہیں۔ پھر آگے چل کر دونوں نہروں کے دھانے ملا دیے گئے ہیں پھر
ایک فرسنگ کے بعد دوسری نہر بھی جانب جنوب گھما دیا ہے، اور پھر ان نہروں
سے اطراف و جوانب میں بکثرت نہریں نکالی ہیں جن کے کنارے نخلستان
اور باغات لگائے ہیں۔

نہر مقتل و نہر ابلہ ان دو بڑی نہروں میں سے ایک جو بلندی پر مشرقی
شمالی گوشے میں ہے اس کا نام نہر مقتل ہے اور جو مغربی
جنوبی گوشے پر ہے، اس کا نام نہر ابلہ ہے۔ اور ان دونوں نہروں کے اتصال سے
ایک بڑا جزیرہ پیدا ہو گیا ہے جو مستطیل واقع ہوا ہے، اور شہر بصرہ میں اس مستطیل
کے ایک چھوٹے ضلع (عرض) پر آباد ہے۔ اور بصرہ کے مغربی جنوبی گوشے پر
ایک چٹیل میدان ہے جس میں آبادی، پانی اور درختوں کا نام و نشان نہیں ہے یہ
زمانہ قیام میں شہر کا اکثر حصہ ویران ہو چکا تھا، اور آبادی منتشر تھی، یعنی ایک محلہ
سے دوسرے محلے تک ڈیڑھ ڈیڑھ میل تک ویران تھا تاہم درو دیوار مستحکم
اور مردم شماری اچھی تھی۔ سلطان بصرہ کی آمدنی بہت تھی۔ اور ان دنوں امیر
بصرہ ابو کا تجار دیلمی کا بیٹا تھا جو صوبہ فارس پر حکمران تھا۔ اور امیر بصرہ کا وزیر
ابو منصور شہ مردان تھا

بصرہ کا بازار | بصرہ میں روزانہ تین جگہ بازار لگتا تھا، صبح سوق الخضراء میں لین دین ہوتا تھا، دوپہر کو سوق عثمان میں اور شام کو سوق القدامین میں۔ بصرہ کے بازار میں خریداری کا یہ طریقہ ہے کہ ہر شخص نقدی صراف کے حوالے کر دیتا ہے اور صراف سے ایک چٹھی (ہنڈی) لکھا لیتا ہے، پھر جو شے چاہتا ہے، خرید کرتا ہے اور قیمت کے لیے صراف کا حوالہ دے دیا جاتا ہے، شہر کا کوئی دوکان دار چٹھی سے زیادہ مال نہ دیتا تھا۔

ناصر خسرو حمام بصرہ میں | جب میں بصرہ پہنچا ہوں تو برہنگی اور مفلسی سے میری حالت پاگلوں جیسی تھی اور تین مہینے

ہو چکے تھے کہ خط نہیں بنوایا تھا لہذا حمام کا ارادہ کیا کہ اسی ذریعے سے بدن میں کچھ حرارت پیدا ہو۔ کیونکہ ہوا سرد تھی اور کپڑے پاس نہ تھے، اور ہم دونوں بھائی پرانی لنگیاں باندھے ہوئے تھے، اور ٹاٹ کا ایک ایک ٹکڑا پیٹھ پر بندھا ہوا تھا (سردی سے بچنے کے لیے) خیال آیا کہ حمام میں داخل ہوں، چنانچہ کتابوں کا تھیلہ فروخت کیا، اس کی قیمت میں چند ٹکے ملے، وہ ایک پڑیہ میں باندھ کر رکھ لیے کہ مالک حمام کو دوں گا اور تھوڑی دیر کے لیے وہ حمام میں داخل کر لے گا اور بدن کا میل دھو ڈالیں گے۔ جب میں نے وہ پیسے اس کے سامنے رکھے تو وہ میرا منہ دیکھنے لگا اور ہم کو پاگل سمجھا۔ اور کہنے لگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور لوگ حمام سے نکلنے والے ہیں۔ اور ہم کو حمام میں داخلہ کی اجازت بھی نہ دی، چنانچہ حمام سے ہم شرمندہ ہو کر نکل بھاگے۔ حمام کے دروازے پر بڑے کھیل رہے تھے، انھوں نے ہم کو دیوانہ سمجھا اور پیچھے پڑ گئے۔ پتھر پھینکنے لگے اور غل چانے لگے، چنانچہ ہم ایک گلی میں چلے گئے اور زمانہ کی حالت کو بنظر تعجب دیکھتے تھے اور

اونٹ والا تین دینار مغربی کرایہ مانگتا تھا۔

ناصر خسرو کی ابوالفتح | اب بجز اس کے اور کوئی تدبیر نہ سوچی کہ وزیر اہواز سے جس کا نام ابوالفتح علی بن احمد تھا (رجوع کروں)۔
علی بن احمد سے ملاقات یہ وزیر صاحب فضل و کمال تھا۔ شعر اور ادب سے

واقف تھا اور فیاض بھی تھا۔ بصرہ میں مع اہل و عیال اور غلاموں کے ٹھہرا ہوا تھا، لیکن اس وقت وہ خود بے کار تھا۔ بصرہ میں میری ایک ایرانی سے رکنہ بھی اہل علم تھا، ملاقات ہو گئی تھی اور وہ وزیر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور اکثر وزیر سے صحبت رہتی تھی، لیکن یہ شخص بھی تنگ دست تھا اور اس قدر استطاعت نہ تھی کہ میری مدد کر سکے، لیکن اس نے میرا حال وزیر سے بیان کیا۔ وزیر نے ایک خادم کو مع گھوڑے کے میرے پاس بھیجا کہ جس حال میں ہوں اس کے پاس چلا آؤں۔ لیکن میں اپنی پریشان حالی اور بربہنگی سے شرمایا اور جانا مناسب نہ سمجھا۔ عربیہ لکھ کر معذرت کر دی اور گزارش کر دیا کہ پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس تحریر سے دو مطلب تھے۔ ایک یہ کہ میری محتاجی کی پردہ پوشی ہو جائے، دوسرا یہ خیال تھا کہ وزیر سمجھے گا کہ شخص بھی صاحب فضل و کمال ہے اور جب اس کو مضمون خط پر اطلاع ہوگی تو وہ میری اہمیت کا اندازہ کرے گا اور جب وزیر کا سامنا ہوگا تو ندامت نہ ہوگی۔ چنانچہ وزیر نے اسی وقت تین دینار میرے پاس بھیج دیے کہ اس رقم سے کپڑے بنالو، میں نے دو اچھے جوڑے سلوائے اور تیس دن وزیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ یہ شخص ادیب فاضل، خوبصورت، خلیق اور متدین تھا، تقریر اچھی کرتا تھا۔ اور اس کے چار بیٹے تھے، سب سے بڑا لڑکا فصیح، ادیب، فاضل اور ہوشیار تھا۔ اس کو رئیس ابو عبد اللہ احمد بن علی بن احمد کہتے تھے۔

یہ نوجوان شاعر تھا اور منشی بھی اور عقل و فراست کے ساتھ پرہیزگار بھی۔ مجھے اپنے پاس ٹھیرایا۔ چنانچہ اول شعبان سے پندرہ رمضان تک میں ابو عبد اللہ کا مہمان رہا اور وزیر نے اعرابی کو ادنیٰ کا کر یہ بھی ادا کر دیا اور مجھے اس عذاب سے نجات دلائی، خدا نے پاک اپنے سب بندوں کو قرض سے سبکدوش کرے (بحق الحق و اہلہ) اور جب میں نے بصرہ سے جانا چاہا تو وزیر نے ہم کو انعام و اکرام دے کر دریا کے راستے سے رخصت کر دیا۔ چنانچہ خوش حالی اور اطمینان کے ساتھ ہم لوگ فارس میں پہنچ گئے۔ (اس فیاض آدمی کی برکت سے اور خداوند عالم ایسے فیاض لوگوں سے خوشنود رہے)۔

مشاہد حضرت علی | بصرہ میں امیر المومنین علی بن ابی طالب کے نام سے تیسرا مشہد
کرم اللہ وجہہ (درگاہ) میں منجملہ ان کے ایک کا نام مشہد بنی مازن ہو۔

یہ وہ ہے کہ جب ربیع الاول ۳۵۵ھ میں امیر المومنین حضرت علی بصرہ میں تشریف لائے ہیں اور حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگ (جمل) کے واسطے نکلی تھیں اس وقت امیر المومنین علیہ السلام نے مسعود نہشلی کی دختر لیلیٰ سے نکاح کیا تھا چنانچہ یہ مشہد اسی لیلیٰ کا مکان ہے۔ اور امیر المومنین علیہ السلام نے بہتر دن اس مکان میں قیام فرمایا ہے، اور پھر کوفہ کو تشریف لے گئے۔

دوسرا مشہد جامع مسجد کے پہلو میں ہے جس کو مشہد باب الطیب کہتے ہیں۔ میں نے جامع مسجد بصرہ میں ایک لٹھا دیکھا جو تین لٹھا لانا اور پانچ بانٹ چار انگل موٹا تھا اور اس کا ایک سرا بہت ہی موٹا تھا۔ یہ لٹھا ہندوستان سے آیا تھا۔

روایت ہے کہ امیر المومنین اس کو اٹھا کر مسجد میں لائے تھے۔ باقی گیارہ مشہد اپنی اپنی جگہ پر ہیں اور میں نے ان سب کی زیارت کی ہو۔

ناصر خسرو دوبارہ | اس کے بعد ہماری حالت درست ہو گئی تو ہم دونوں بھائیوں
حام لبصرہ میں نے کپڑے بدلے اور ایک دن پھر اس حمام میں گئے جہاں
لوگوں نے ہم کو گھسنے نہیں دیا تھا۔ جیسے ہی ہم نے دروازے پر قدم رکھا، مالک
حام اور جو لوگ وہاں موجود تھے، وہ ہمارے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے
اور ہم داخل حمام ہوئے۔ نہلا نے والوں اور ہمہ حمام نے ہماری خدمت کی جب
ہم نہا کر نکلے تو کپڑے اتارنے والے درجہ میں (جامہ کن) جس قدر خادم موجود
تھے وہ ہماری تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور جب تک ہم کپڑے پہن کر
باہر نہیں آ گئے اس وقت تک وہ کھڑے رہے اور حمام والوں میں سے کسی
نے اپنے دوست سے کہا کہ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے فلاں روز حمام میں داخل
ہونے سے منع کیا تھا۔“ اور وہ جانتے تھے کہ ہم ان کی زبان نہیں جانتے ہیں،
چنانچہ میں نے عربی میں جواب دیا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو ہم وہی ہیں جن کی پیٹھ پر کل ٹاٹ
کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا چنانچہ وہ شرمندہ ہوا اور معافی چاہی۔ اور یہ دونوں حالتیں
میں دن کے اندر گزر گئیں۔ یہ تذکرہ میں نے محض اس لیے کیا ہے، تاکہ لوگ سمجھیں
کہ گردشِ زمانہ سے جو مصائب پڑیں ان سے نالہ و فریاد نہ کرنا چاہیے اور خدا
جل جلالہ و عم نوالہ کے فضل و رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ بڑا رحیم ہے۔

دریائے بصرہ کے مدوجزر اور اس کی نہروں کا بیان

مدوجزر کے اسباب | دریائے عمان کا خاصہ یہ کہ دن رات میں دو مرتبہ
مد (چڑھاؤ) پر آتا ہے، جس سے دس گز پانی اونچا ہو جاتا ہے اور جب پورا
چڑھاؤ ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ گھٹتا ہے۔ اور پانی دس بارہ گز اتر جاتا ہے اور
یہ دس گز (جس کا ذکر ہو چکا ہے) پیمائش، بصرہ میں ایک پیمانہ سے معلوم ہو جاتی ہے

جو ایک دیوار کے نیچے نصب ہو اور اگر اس علاقہ کی زمین نیچی اور سہوار ہوتی تو یہ پانی دور تک پھیل جاتا اور وہی حالت ہوتی جو دجلہ اور فرات کی ہے کیونکہ یہ دونوں اس درجے سست رفتار ہیں کہ بعض مقامات پر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کدھر جا رہے ہیں۔ جب مد ہوتا ہے تو تقریباً چالیس فرسنگ دونوں کا پانی بڑھتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پلٹ کر بلندی پر چڑھ رہا ہے، لیکن بعض مقامات پر دریا کے کنارے) باعتبار بلندی و پستی زمین کے مد و جزر ہوا کرتا ہے یعنی جس مقام پر نیچی زمین ہوتی ہے، وہاں پانی بہت پھیلتا ہے اور جہاں زمین اونچی ہوتی ہے وہاں کمتر اور اس کو مد و جزر (جوار بھٹا) کہتے ہیں۔ اور اس کا تعلق ماہتاب سے ہے کیونکہ چودھویں تاریخ کو جب ماہتاب راس وزحل کی سمت ہوتا ہے تو پانی میں نہایت مد (چڑھاؤ) ہوتا ہے اور جب ماہتاب افق مشرق و مغرب میں ہوتا ہے تو اس وقت جزر (آٹار) ہوتا ہے اور مد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب ماہتاب چودھویں تاریخ کو (بحالت بدر) آفتاب کے مقابل ہوتا ہے تو پانی بڑھنا شروع ہوتا ہے یعنی اس وقت مد بہت ہوتا ہے اور پانی زیادہ اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اور جب ماہتاب حالت تریج میں ہوتا ہے تو پانی گھٹتا ہے، یعنی بوقت مد اس کا ارتفاع اس قدر نہیں ہوتا جس قدر کہ اجتماع اور استقبال کے وقت (یعنی ٹھیک آفتاب کے مقابل) اور یہی مناسبت سے جزر بھی کم ہوتا ہے، اور انہی دلائل کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ مد و جزر کا تعلق ماہتاب سے ہے اور واقعی بات خدا کے علم میں ہے۔

شہر ابلہ ^{شہر ابلہ} شہر ابلہ نہر کے کنارے آباد ہے اور نہر بھی اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر بہت آباد ہے جس میں محلات، بازار، مساجد اور رباط کثیر ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ اصلی شہر نہر ابلہ کے شمالی جانب ہے اور جنوبی

سمت میں بھی محلے، مسجدیں، بازار اور باطیں اور عمارتیں بڑی بڑی ہیں جن سے بہتر اور ستھری دنیا میں نہ ہوں گی۔ اس حصہ شہر کا نام شق عثمان ہے اور یہ بڑی نہر جو دجلہ اور فرات کا مجموعہ ہے اسی کو شط العرب کہتے ہیں۔ اور نہر ابلہ کے مشرق جانب ہے اور شہر جنوب کی طرف ہے۔ نہر ابلہ اور نہر معقل دونوں بصرہ میں آکر مل گئی ہیں جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔ بصرہ میں میٹن ناچے ہیں اور ہر ناحیہ میں بکثرت مواضعات اور مزرع ہیں۔

اعمال بصرہ کا بیان

بصرہ کے مشہور ناچے | اعمال بصرہ حسب ذیل ہیں۔
 حَسَّان، شَرَبِیہ، بَلَّاس، عَقْر، مِیَّسَان، بَلْقِیْم،
 غَمْرُ الْحَرْب، شَطِ الْعَرَب، سَعْد، سَام، جَعْفَرِیہ، الْمِشَّان، (الصَّهْم)،
 الْجَوْنَد، جَزِیرَةُ الْعَظْمِ، مَرْدَةُ الشَّرِیر، جَزِیرَةُ لَعْرِش، الْحَمِیْدِکَ، جَوْبَرُ
 المنفردات۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ جس جگہ نہر ابلہ کا دہانہ ہے کسی زمانہ میں اس جگہ سے کشتی کا پار ہونا ناممکن تھا، کیونکہ یہاں بہت بڑا بھنور پڑتا تھا۔ بصرہ کی ایک متول بنی بنی نے حکم دیا کہ چار سو کشتیاں چھوڑے کی گٹھلیاں بھر کر اور کشتیوں کو مضبوط طریقے سے بند کر کے (اس جگہ ڈوب دی جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد سے کشتیاں گرنے لگیں۔

ناصر خسرو بصرہ سے | الغرض نصف شوال ۴۴۳ھ کو بصرہ سے روانہ
 براہ فارس ہو کر کشتی میں سوار ہوا۔ شہر ابلہ سے چار فرسنگ
 وطن کو جاتا ہے، تک (جس راستہ سے کہ ہم آئے تھے) نہر کے

دونوں طرف باغ، چمن، محلات اور مناظر تھے اور یہ سلسلہ برابر چلا گیا تھا۔ نہر اُبلہ سے ہر طرف شاخیں نکالی ہیں جن میں سے ہر ایک ندی کے برابر ہی شوق عثمان میں پہنچ کر ہم شہر اُبلہ کے سامنے کشتی سے اُتر کر ٹھہر گئے۔

سُترہ سوال کو ایک بڑی کشتی میں سوار ہوئے جس کا نام بوحسی تھا جو لوگ اس کشتی کو اطراف و جوانب سے دیکھ رہے تھے، وہ دُعائیں مانگ رہے تھے کہ ”ای بوحسی خدا تجھ کو ڈوبنے سے بچائے۔“

عَبَادَان | عبادان پہنچ کر ہم کشتی سے اُترے۔ عبادان مثل ایک جزیرے کے شط العرب کے کنارے آباد ہے اور اس مقام پر شط کی دُو

شاخیں ہو گئی ہیں۔ چنانچہ کسی جانب سے بھی بغیر عبور شط العرب عبادان میں پہنچ نہیں سکتے ہیں۔ عبادان کی جنوبی سمت میں بحر فارس (شاخ بحر الحیط) واقع ہے اور جب شط العرب بند پر آتا ہے تو عبادان کی دیواروں کے نیچے تک پانی آ جاتا ہے اور جب اُتار پر ہوتا ہے تو دو فرسنگ ہٹ جاتا ہے۔

عبادان میں لوگوں نے چٹانیاں خریدیں اور کسی نے اشیاء خوردنی دوسرے دن صبح کو پھر بوحسی شط العرب میں چلنے لگی اور ہم جانب شمال روانہ ہوئے، اور دس فرسنگ تک چلے گئے سب لوگ شط العرب کا خوش ذائقہ پانی پیتے ہیں۔ میٹھے پانی کی یہ لہر شعلہ آتش کی طرح درمیان میں رواں تھی۔

حُشَاب یا فانوس البحر | جب آفتاب نکلا تو دریا میں کوئی شجر چٹا کی طرح نظر آنے لگی اور جس قدر نزدیک ہوتے گئے وہ

بڑی معلوم ہونے لگی۔ جب ہم اس کے مقابل پہنچے اور باتیں مانتے پر ایک فرسنگ کا فیصلہ رہ گیا تو باد مخالف چلنے لگی، کشتی کا لنگر ڈال دیا اور باد بان گرا دیے گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا شجر ہے؟ تو سب کہنے لگے کہ یہ خشاب ہے۔

خشب^{۲۱۱} کی شکل و صورت اس طرح پر ہو کہ ساج کے چار بڑے ستون ہیں جو مخنیق کی طرح مرتع کھڑے کیے گئے ہیں اور ان کا قاعدہ (نیچے کا ضلع) چوڑا ہو اور آس (اوپر کا ضلع) تنگ ہو۔ اور سطح آب سے یہ ستون چالیں گز بلند ہیں اور اس کے اوپر سنگ ریزے اور پتھر رکھے ہوئے ہیں اور ان کو ستون مذکور سے وصل کر کے چھت کی طرح پاٹ لیا ہو۔ اس چھت پر چار محراب قائم ہیں، جس پر محافظ کشتی موجود رہتا ہو۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس خشاب کا بانی ایک بڑا سوداگر ہو اور بعض کا قول ہو کہ کسی بادشاہ کا بنایا ہوا ہو، بہر حال اس تعمیر سے دو مقصد تھے، اول یہ کہ پانی میں جہاں ریت جمع ہو گئی ہو اور پانی گھٹ گیا ہو، اگر دہاں کوئی بڑی کشتی پہنچ جائے تو زمین پر بٹھنے جائے اور رات کو لال ٹین کے اندر چراغ جلاتے ہیں جو ہوا سے ٹکل نہیں ہو سکتا ہو اور مسافر دُور سے روشنی دیکھ کر احتیاط کرتے ہیں، کیونکہ اگر کشتی یہاں پہنچ جائے تو پھر اسے کوئی نکال نہیں سکتا ہو۔

دوسرا مقصد یہ تھا کہ سمتیں (اطراف) معلوم ہوتی رہیں اور اگر کوئی دریائی چور ہو تو دیکھ کر احتیاط کریں اور کشتی وہاں سے واپس لائیں۔ جب اس خشاب سے گزر گئے اور وہ نظر سے غائب ہو گیا تو اسی شکل و صورت کا ایک دوسرا نمودار ہوا، لیکن اس خشاب پر گنبد نہ تھا جو غالباً ناتمام رہ گیا ہو، یہ خشاب روشنی کا مینار تھا جس کو لائٹ ہاؤس کہتے ہیں اور عربوں نے اس کا نام فانوس البحر رکھا تھا۔

مہروبان^{۲۱۲} یہاں سے مسافر (براہ خورستان) شہر مہروبان میں داخل ہوئے۔ یہ بڑا شہر ہو جو دریائے کنارے کی جانب مشرق آباد ہو، بازار بھی بڑا ہو اور جامع مسجد بھی خوبصورت ہو، لیکن برساتی پانی پر گزر ہو اور بحیرہ اس پانی کے نہ چاہات ہیں نہ کاریز، جن کے ذریعے میٹھا پانی بہتا ہو سکے۔ باشندوں

نے حوض اور تالاب بنارکھے ہیں جس کی وجہ سے پانی کی قلت نہیں ہوتی ہو اور شہر میں تین بڑی مہان سرائے ہیں جس میں سے ہر ایک مثل قلعہ کے مضبوط اور بلند ہو۔ جامع مسجد کے منبر پر یعقوب بن لیث کا نام لکھا ہوا تھا، میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہو تو اس نے بیان کیا کہ اس شہر کو یعقوب بن لیث (صفار) نے فتح کیا ہو اور اس کے قبل خراسان کے کسی حکمران کو اس کے فتح کرنے کی طاقت نہ تھی۔ جب میں مہر وہان میں پہنچا ہوں، اس وقت ابو کا لخبار دفرما زولے فارس کا بیٹا یہاں حکمران تھا۔ اس شہر میں اشیاء خوردنی دوسرے شہروں سے آتی ہیں کیونکہ یہاں صرف مچھلی کی پیداوار ہو۔ یہ شہر رپٹ اور بندرگاہ ہو۔ یہاں سے اگر دکھن کی طرف دریا کے کنارے کنارے جائیں تو ناحیہ توتہ اور گازرون ملتا ہو۔

میں اس شہر میں چند روز مقیم رہا، جس کا سبب یہ تھا کہ راستہ پر خطر تھا اور ابو کا لخبار کے بیٹے باہم مصروف جنگ تھے اور ملک میں تشویش پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ اراغان میں ایک بزرگ اور فاضل شخص ہو، جس کو شیخ سدید محمد بن عبد الملک کہتے ہیں۔ شہر کے قیام سے چونکہ میں افسردہ خاطر ہو رہا تھا لہذا شیخ کا نام سنتے ہی میں نے اس کو ایک خط لکھا اور اپنے حال سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ مجھے اس شہر سے ایسی جگہ پہنچا دیجیے جہاں امن و امان ہو الغرض خط پہنچتے ہی تیسرے دن میرے پاس تین مسلح پیادے پہنچ گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم کو شیخ نے میجا ہو کہ ہم آپ کے ہمراہ اراغان چلیں، چنانچہ مجھ کو نہایت آرام سے اراغان لے گئے۔

اراعان ^{۲۱۵} | یہ بھی بڑا شہر ہو، ہین ہزار کی مردم شماری ہو۔ اراغان کے شرقی جانب ایک ندی ہو جو پہاڑ سے نکلی ہو اور پھر اس ندی کے شمال سے گھاڑی ہو

نہریں اور نکالی ہیں اور زر کثیر صرف کر کے شہر میں پانی لائے ہیں۔ پھر شہر سے نہر کو باہر لے گئے ہیں اور اس کے کنارے باغ و چمن لگائے ہیں جن میں کجور، نارنگیاں، ترنج اور زیتون کے درخت بافراط ہیں۔

آبادی کی یہ کیفیت ہو کہ جس قدر مکانات زمین کے اوپر ہیں اسی قدر زمین کے نیچے بھی ہیں اور ان نشیبی مکانات اور تہ خانوں میں بھی پانی کے نل موجود ہیں جس کی وجہ سے گرمیوں میں آرام ملتا ہو۔ مہروبان میں ہر ملت و مذہب کے آدمی موجود ہیں اور فرقہ و محترمہ کا امام ابوسعید بصری ہو۔ یہ فصیح البیان شخص تھا، علم ہندسہ اور حساب میں بھی اس کو دعویٰ تھا، چنانچہ علم کلام اور حساب وغیرہ میں ابوسعید سے میرا مباحثہ ہوا اور دونوں طرف سے خوب ہی سوال و جواب ہوئے۔

محرم ۳۴۳ھ کے شروع میں براہ کوہستان سیاحت کا اٹھواں شال | مہروبان سے اصفہان کو روانہ ہوا۔ راستہ

میں ایک تنگ درہ ملا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بہرام گور نے اس کو تلوار سے کاٹا ہو اور اسی لیے اس کا نام شمشیر برید ہو۔ اس جگہ پانی کی افراط ہو جو دائیں ہاتھ کی جانب ایک جھرنے سے نکلتا ہو اور بلندی سے نیچے کو دوڑتا ہوا آتا ہو۔ عوام کا بیان ہو کہ موسم گرما میں ہمیشہ پانی آتا ہو اور جاڑے میں رک کر بج ہو جاتا ہو۔

یہاں سے لوردغان میں داخل ہوا جو ارغان سے چالیس فرسنگ ہو۔ لوردغان سے صوبہ فارس کی سرحد شروع ہو جاتی

ہو۔ چنانچہ میں اس شہر سے خان لنجان میں پہنچا، جس کے صدر دروازے پر سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہاں سے اصفہان سات فرسنگ ہو خان لنجان کی رعایا بہت ہی امن و اطمینان سے زندگی بسر کرتی ہو اور سب کا روبرو ہی لوگ ہیں۔

۲۱۷
اصفہان خان لہجان سے چل کر آٹھ صفر ۴۴۳ھ کو میں اصفہان میں داخل ہوا۔ بصرہ سے اصفہان تک ایک سو اسی فرسنگ کی مسافت ہے۔

شہر اصفہان سطح زمین پر آباد ہے۔ آب و ہوا اچھی ہے اور دن گز زمین کھودنے پر ٹھنڈا اور شیریں پانی نکل آتا ہے۔ شہر کی فصیل بلند اور مضبوط ہے جس میں دروازے اور مورچے بنائے ہیں اور تمام فصیل پر کنگرے ہیں۔ شہر کے اندر نہریں بہتی ہیں اور عمارتیں بلند و خوبصورت ہیں۔ وسط شہر میں ایک بڑی اور خوشما جامع مسجد ہے۔ شہر نپاہ کی دیوار ۱۳ فرسنگ میں ہے۔ تمام شہر آباد ہے، کسی جگہ ویرانہ نظر نہیں آیا بازار بہت ہیں، صرفہ بازار میں دو سو صراف ہوں گے۔ ہر بازار الگ الگ ہے اور اس کی حد بندی دروازوں سے کی گئی ہے، یہی حالت تمام شہر کے محلوں کی ہے جس میں مضبوط دروازے لگے ہوئے ہیں۔ مہان سرائیں اچھی تھیں اور ایک کوچہ تھا جس کا نام کو طراد تھا، چنانچہ اس کوچہ میں پچاس سرائیں تھیں اور ہر ایک سرائے میں دلال اور تاجر بیٹھے رہتے ہیں۔ جس قافلہ کے ہمراہ میں آیا تھا ان کے پاس ایک ہزار تین سو خروار وزن تھا۔ جب میں شہر میں پہنچا تو قافلہ والوں میں سے کوئی نظر نہ آیا کہ یہ لوگ کہاں اترے، کیونکہ نہ قلت جگہ کی شکایت تھی، نہ کمی خوراک کی۔

جب سلطان طغرل بیگ ابوطالب محمد بن میکائیل بن سلجوق رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر کو فتح کیا ہے تو اصفہان کا والی ایک نیشاپوری جوان تھا جو ادیب، خوشنویس، سلیم الطبع اور خوبصورت تھا جس کو خواجہ عمید کہتے تھے۔ علم دوست فصیح البیان اور فیاض تھا۔ اور سلطان نے حکم دیا تھا کہ "تین برس تک رعایا سے خراج نہ لیا جائے" چنانچہ خواجہ نے اس پر عمل کیا۔ اور آوارہ وطن اشخاص اگر آباد ہوتے جاتے تھے۔ اور خواجہ عمید سلطان کے ارکان مشورہ میں سے تھا۔

میرے پہنچنے سے پہلے یہاں عظیم الشان قلعہ تھا لیکن جب میں پہنچا ہوں اس وقت جو کے کھیت (فصل ربیع) کٹ رہے تھے۔ گیہوں کی سوا دو سیر (۲۱/۲) روٹی ایک درہم عدلی کو فروخت ہوتی تھی اور اسی حساب سے جو کی روٹی ساڑھے چار سیر (۴۱/۲) بجتی تھی۔ لوگوں کا بیان تھا کہ ایک درہم میں بارہ سیر روٹی سے کم کبھی کسی نے فروخت ہوتے نہیں دیکھی ہو۔ جن ممالک میں فارسی زبان بولی جاتی ہو میں نے ان شہروں میں اصفہان سے زیادہ خوبصورت اور آباد کوئی دوسرا شہر نہیں دیکھا ہو۔ کہتے ہیں کہ اگر گیہوں اور جو اور دوسرے غلے بن سال تک کھتوں میں رکھے رہیں تو خراب نہیں ہوتے۔ بعض کا قول ہو کہ جب فصیل شہر نہ تھی تو آب و ہوا بہت ہی اچھی تھی اب فصیل بنانے سے تبدیل ہو گئی جس کی وجہ سے بعض اشیا خراب ہو جاتی ہیں۔ لیکن دیہات کی آب و ہوا بدستور ہو۔ چونکہ قافلہ دیر میں پہنچا اس لیے بیس دن تک اس کے انتظار میں اصفہان میں مقیم رہا۔

ناتین ۲۱۸ | اٹھائیس صفر ۳۲۲ھ کو اصفہان سے روانہ ہو کر موضع ہشما باد میں پہنچا اور یہاں سے براہ صحرا و کوہ مکیان قصبہ ناتین میں داخل ہوا۔

اصفہان سے اس قصبہ تک تین فرسنگ کا فاصلہ تھا اور ناتین سے چالیس فرسنگ چل کر موضع کرمہ میں آیا۔ یہ جنگلی پرگنہ کا ایک موضع ہو جس میں دس بارہ گاؤں آباد ہیں اور یہ گرم مقام ہو۔ کھجور کے باغات ہیں۔ یہ ناحیہ قدیم زمانہ میں کوفچی دربان کے ڈاکو (قوم کے قبضے میں تھا۔

امیر ابو الحسن گیلکی بن محمد | میرے زمانہ سیاحت میں امیر گیلکی نے ان لوگوں سے یہ ناحیہ چھین لیا تھا اور اس امیر کی طرف سے ایک موضع میں جس میں

فرمانروائے طبرستان کے حالات | ایک چھوٹا سا قلعہ بھی ہو، اس کا نائب رہتا ہو۔ اور اس موضع کا نام پیادہ ہو

اور ناسب مذکور اس علاقہ کا منتظم ہو۔ وہی راستوں میں امن و امان قائم رکھتا ہو۔ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لیے کہیں جاتے ہیں تو امیر گیلکی کے سپاہی ان کا تعاقب کرتے ہیں اور ان کو گرفتار کر کے مال چھین لیتے ہیں اور قتل کر ڈالتے ہیں چنانچہ اس سردار کی نگرانی کے باعث راستہ پُر امن اور مخلوق آسودہ ہو خدا نے تبارک تعالیٰ تمام شاہان عادل کا محافظ اور مددگار رہے اور سلاطین سلف کی روحوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔

اس جنگل کے راستہ پر دو دو فرسنگ کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے بُرج بنا دیے ہیں اور حوض بھی ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہو۔ اور یہ حوض ایسے مقام پر ہیں جہاں کی زمین میں کھا رہیں ہو۔ اور یہ برج اس لیے بنائے ہیں کہ مسافر راستہ نہ بھولیں اور نیز گرم و سرد موسم میں تھوڑی دیران میں آرام کریں۔

راستے میں ریگ رواں (ایک قسم کی دلدل) بہت ہو۔ اس ریگستان میں اگر کوئی راستہ بھول جائے تو پھر اس کا ریگ سے نکلنا محال ہو رہی جاتا ہو۔ ریگستان طو کرنے کے بعد زمین شور نمایاں ہوئی جس کی سطح اُبھری ہوئی تھی۔ چلو فرسنگ تک اسی قسم کی زمین تھی۔ اگر کوئی شخص ذرا بھی راستے سے بہک جائے تو اس زمین میں دھنس جائے۔ یہاں سے میں براہ رباط زبیدہ جس کو رباط مرامی بھی کہتے ہیں روانہ ہوا۔ رباط زبیدہ میں پانچ گٹھوں ہیں۔ اگر یہ رباط اور چاہات نہ ہوتے تو اس جنگل سے کوئی مسافر گزر نہیں سکتا تھا۔ یہاں سے موضع رستا باد میں داخل ہوا۔ جو طہس کے چار مواضعات میں سے ایک موضع ہو اور نویں ریح الاول کو شہر طہس میں داخل ہوا۔

طہس^{۲۱۹} | اصفہان سے طہس تک ایک سو دس فرسنگ کا فاصلہ ہو۔

شہر طبس کی آبادی گنجان اور دیہات سے مشابہ ہو، پانی کی کمی ہو اور زراعت بھی کمتر ہو۔ لیکن نخلستان اور باغات بہت ہیں۔ جب طبس سے شمال کی طرف چلیں تو چالینس فرسنگ کی مسافت پر نیشاپور آتا ہو اور جب جنوب کی سمت سے ضبیص کو براہ بیابان روانہ ہوں تو یہی چالینس فرسنگ کی مسافت ہو۔ اور مشرق میں ایک بڑا پہاڑ ہو۔ اس وقت طبس کا حاکم گیلکی بن محمد تھا جس نے طبس کو بزور تلوار فتح کیا ہو۔ رعایا بہت امن اور آسائش سے رہتی ہو۔ چنانچہ شب کو مکانوں کے دروازے بند نہیں کرتے ہیں اور مواشی گلیوں میں کھلے پھرتے ہیں (باوجودیکہ فسیل نہیں ہو) اور کسی عورت کی یہ طاقت نہیں ہو کہ غیر آدمی سے باتیں کرے اور اگر ایسا ہو تو دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اور امیر کے عدل و حفاظت کی وجہ سے چور اور ڈاکو بھی نہیں ہیں۔ عرب و عجم میں صرف چار مقام پر انصاف اور امن و امان میں نے دیکھا ہو (۱) ناحیہ رشت میں بزمانہ حکومت لشکر خاں (۲) دلیستان میں بزمانہ امیر امیران جستان بن ابراہیم (۳) امیر المومنین المتنصر باللہ فاطمی کے عہد میں (۴) طبس میں بزمانہ حکومت ابو الحسن گیلکی بن محمد میں نے جہاں تک سیاحت کی ہو، بحجزان چار مقامات کے اور کہیں ایسا امن و امان نہ دیکھا ہو، نہ سنا ہو۔ امیر مذکور نے طبس میں مجھے سترہ دن مہمان رکھا، دعوتیں کیں اور رخصت کے وقت صلہ دیا اور پھر بھی معذرت کی (خداوند تعالیٰ اس سے خوشنود ہو) اور ایک سوار کو زوزن تک میرے ساتھ روانہ کیا جس کا فاصلہ بہتر فرسنگ تھا۔ طبس سے بارہ فرسنگ پر ایک قصبہ ملا جس کو رفتہ کہتے ہیں۔

اس قصبہ میں پانی کے چشے تھے، کھیت، باغ، درخت، فسیل، جامع مسجد، مواضع اور مزرع بھی بکثرت تھے۔ نویں ربیع الثانی کو رفتہ سے

روانہ ہو کر بارہویں کو شہر تون میں پہنچے۔ رتہ اور تون میں بینا فرسنگ کا فاصلہ ہے۔
تون ۲۲۱ | تون کسی زمانہ میں بڑا شہر تھا، لیکن جب میں نے دیکھا ہی، اس وقت
 اکثر حصہ ویران ہو چکا تھا۔ اور جنگل کے کنارے آباد ہوئے۔ چستے اور کاریز
 موجود ہیں۔ مشرقی سمت میں بکثرت باغات ہیں اور قلعہ بھی مضبوط ہے۔

کہتے ہیں کہ اس شہر میں چار سو کاریز ہیں جن میں مصلے بنے جاتے
 تھے اور شہر کے مکانات میں پستہ کے درخت بہت تھے۔ بلخ و تخارستان
 کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ پستہ کا درخت بجز بہاڑ کے نہ کہیں اگتا ہو اور
 نہ کہیں ہوتا ہے۔

جب میں تون سے روانہ ہوا تو سوار مذکور نے بیان کیا کہ
کاریز کنابد ۲۲۲ | ایک مرتبہ میں تون سے کنابد کو جا رہا تھا کہ رہزموں نے
 جنگل سے نکل کر ہم پر حملہ کیا، چند آدمی ڈر کر کاریز کے کنویں میں جا گرے، اس
 کے بعد ان میں سے ایک شخص کا باپ آیا جو اپنے بیٹے کو از حد چاہتا تھا۔ اس نے
 اجرت دے کر ایک آدمی کو کاریز میں اتارا کہ اس کے لڑکے کو نکال لائے۔
 چنانچہ بہت سی رسیاں فراہم کی گئیں اور بہت لوگ جمع ہو گئے۔ سات سو گز
 رسی نیچی گئی تب وہ مزدور کاریز کی تہ میں پہنچا اور خش کو رستی میں باندھ کر کھینچ
 لیا۔ جب وہ مزدور باہر نکلا تو اس نے بیان کیا کہ اس کاریز کے اندر پانی بافرط
 ہے اور چار فرسنگ تک چلی گئی ہے۔ اور مشہور ہے کہ کھنڈرو کے حکم سے یہ کاریز تعمیر
 کی گئی ہے۔

۲۳ ربیع الاول کو میں شہر قائن میں پہنچا، تون سے یہاں تک اٹھارہ
قائن ۲۲۳ | فرسنگ ہوتے ہیں۔ لیکن قافلہ چار دن میں پہنچتا ہے، کیونکہ اس منزل
 کے کوس سخت ہیں۔

قائن بڑا شہر اور مستحکم ہے جس کے گرد خندق ہے اور جامع مسجد بھی شہر کے اندر ہے اور جس جگہ مقصورہ ہے وہاں بڑی محراب ہے اور تمام خراسان میں اتنی بڑی محراب میری نظر سے نہیں گزری، لیکن یہ محراب مسجد کے شایان نہیں ہے۔ اور تمام شہر کے مکانات کی پھتیں لداؤ ہیں (جن پر گنبد ہیں)۔

قائن سے جب مشرق و شمال کی طرف روانہ ہوں تو اٹھارہ فرسنگ پر زوزن^{۲۲۳} ہے۔ اور جنوبی سمت میں تین فرسنگ پر ہرات ہے۔ قائن میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کو ابو منصور محمد بن دوست کہتے تھے۔ ہر علم سے باخبر تھا، طب، نجوم اور کسی قدر منطق بھی جانتا تھا۔ مجھ سے سوال کیا کہ افلاک اور ستاروں کے ماورا کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ چیز کا اطلاق صرف ان اشیاء پر ہوتا ہے جو داخل افلاک ہیں (نہ کسی اور پر)۔ یہ سن کر کہنے لگا کہ ان گنبدوں (افلاک) کے ماورا کچھ اور ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ ضرور ہونا چاہیے، کیونکہ عالم محدود ہے جس کی حد فلک الافلاک ہے۔ اور حد کی تعریف یہ ہے کہ اپنی جز سے جدا نہ ہو۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا تو واجب آیا کہ افلاک کی اندرونی کیفیت بیرونی کے مخالف ہو، پس جس شے کو عقل ثابت کرتی ہے وہ غیر متناہی ہے۔ اور اگر تو کہاں تک؟ اور اگر غیر متناہی نہیں ہے تو وہ کیونکر فنا ہوگا؟ الغرض اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مجھ سے کہا کہ میں اس مسئلہ میں حیرت زدہ ہو رہا ہوں میں نے کہا سب کا یہی حال ہے۔ الغرض عبید نیشاپوری اور رئیس زوزن کی باہمی بحث کے سبب سے ایک مہینہ تک قائن میں قیام رہا۔ اور امیر گیلکی کی سوار کو میں نے یہاں سے واپس کر دیا۔ اور قائن سے بقصد روانگی سرخس روانہ ہوا۔ اور دوسری جمادی الآخر کو سرخس میں داخل ہوا۔ بصرہ سے سرخس تک تین سو نوے فرسنگ کا فاصلہ شمار میں آیا۔

سرخس | سرخس سے میں رباط جعفری، رباط عمروی اور رباط لغمتی کے راستے سے روانہ ہوا، کیونکہ یہ تینوں رباط اس منزل میں قریب قریب واقع ہیں۔

مرورود | اور بارہویں جمادی الثانی کو میں شہر مرورود میں پہنچا۔ اور دو یوم کے بعد براہ آب گرم یہاں سے روانہ ہو کر انیٹل تاج کو فارباب

میں داخل ہوا جو مرورود سے پھتیس فرسنگ تھا۔ اس وقت خراسان کا فرمانروا چغری بک ابوسلمان داؤد بن میکائیل بن سلجوق تھا۔ مگر ان دنوں امیر مذکور شہرستان میں تھا۔ اور وہاں سے مرو (شاہ جان) جانے کا قصد تھا جو اس کا دارالحکومت تھا، لیکن راستہ کی بدامنی سے میں سنگلان کو چلا گیا۔ اور یہاں سے براہ سدرہ بلخ میں داخل ہوا۔

بلخ | جب میں رباط سدرہ میں پہنچا تو سنا کہ میرا بھائی خواجہ ابوالفتح عبدالجلیل وزیر خراسان (ملقب بہ البونصر) کے ارکان میں ہو۔ اور مجھے خراسان سے نکلے ہوئے سات برس ہو چکے تھے۔ جب دست گرد میں پہنچا تو میں نے ایک بھیر و بنگاہ دیکھی کہ شہر و خان کو جا رہی ہو۔ میرا دوسرا بھائی خواجہ ابوسعید جو ہم سفر تھا، اس نے پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہو؟ جواب ملا کہ وزیر کا! پھر پوچھا کہ تم ابوالفتح عبدالجلیل کو پہچانتے ہو؟ جواب دیا کہ ابوالفتح کا ملازم ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ اسی وقت ایک شخص آیا اور پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ ہم کے کہا کہ حج سے۔ اس نے کہا کہ ہمارے خواجہ کے دو بھائی تھے اور وہ دونوں عرصے سے حج کو گئے ہوئے ہیں اور خواجہ ہمیشہ ان کا مشتاق رہتا ہے، لیکن جس کسی سے پوچھتا ہو کوئی حال نہیں بتاتا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ میں ناصر کا خط لایا ہوں، جب تمہارا آقا ملے گا تو اس کو دوں گا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ قافلہ سڑک پر ٹھیر گیا اور ہم بھی راستے پر کھڑے رہے۔ اس نوکر نے کہا کہ اب

اجہ آیا ہی چاہتا ہی، تم کو موجود نہ پائے گا تو رنجیدہ ہوگا۔ اگر تم ناصر کا خط مجھ کو دو
 میں خواجہ کو دے دوں، وہ بہت خوش ہوگا۔ میرے بھائی نے کہا کہ تم ناصر کا
 خط چاہتے ہو یا خود ناصر کو؟ دیکھو یہ ناصر ہی! وہ خادم خوشی کے مارے ایسا
 توالا ہو گیا کہ اس سے کچھ اٹھاتے دھرتے نہ بن پڑا۔ میں دیہات کے راستے
 سے بلخ کو جا رہا تھا اور خواجہ ابوالفتح دست گرد سے آ رہا تھا اور امیر کی خدمت
 میں خراسان کو جا رہا تھا۔ میرا حال سن کر دست گرد سے لوٹا اور جو کیا ان کے پل
 پر بٹھیر گیا، یہاں تک کہ ہم بھی پہنچ گئے۔ یہ شنبہ کا دن تھا اور چھپیلویں تاریخ
 جمادی الثانی ۷۲۷ھ (دستبر ۱۵۲۷ء) کی تھی۔ بھائی سے ملنے کی کوئی
 امید نہ تھی اور میں خود متعدد مرتبہ ہلاکت میں پڑ چکا تھا اور امیدِ حیات باقی نہ
 تھی۔ ایسی حالت میں بھائی سے مل کر اور اس کو دیکھ کر از حد مسرت ہوئی اور
 خداوند تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور اسی دن ہم سب بلخ پہنچ گئے اور میں نے
 حسب حال یہ تین شعر لکھے:-

رنج و عنائے جہاں اگرچہ دراز است
 بابد و نیک بیگماں بسر آید
 چرخ مسافر ز بہر ماست شب و روز
 ہر چہ یکے رفت براثر دگر آید
 ماسفر برگزشتنی گزرانیم
 تا ماسفر ناگزشتنی بدر آید

ترجمہ اشعار فارسی حسب ذیل ہے :-

رنج و غم ہیں گرم دنیا کے طویل نیک و بد کرتے ہیں سب انساناں بہر
واقعہ بریہ ”ہمارے واسطے آسمان ہر رات دن گرم سفر“
دوسرا ہوتا ہو اُس کا جانشین ایک جب دنیا سے جاتا ہو گزر
میں بھی ہوں اس راستہ پر گامزن جس سے ممکن ہی نہیں راہ مفر
ختم ہو یعنی کسی عنوان سے دادی دشوار و بحرِ چرخِ سفر
(از ترجمہ)

میں بلخ سے مصر گیا تھا اور وہاں سے مکہ معظمہ اور پھر بصرہ ہو کر فارس میں
واپس آیا اور بلخ میں داخل ہو گیا۔ علاوہ بریں ان ممالک کے اطراف میں زیارتوں کو
بھی گیا تھا، چنانچہ مجموعی مسافت میری سیر و سیاحت کی دو ہزار دو سو بیس
فرسنگ تھی۔

میں نے جو کچھ دیکھا تھا، اس سرگزشت کو سچائی سے لکھ دیا ہے۔ بعض
روایتیں جو میں نے سنی ہیں اگر اس میں کچھ خلاف ہو تو ناظرین اس خاکسار کی
جانب منسوب نہ کریں اور مواخذہ سے معاف فرمائیں اور بُرے الفاظ سے
یاد نہ کریں۔ اگر خدا نے توفیق دی اور سفرِ مشرق کا اتفاق ہوا تو جو کچھ مشاہدہ
کردں گا وہ بھی اس سفرنامہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ اَللّٰهُ تَعَالٰی
وَحْدَهُ الْعَزِیْزُ، وَالْمُحَمَّدُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوٰۃُ عَلَیْ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ
وَاٰحِبَّہِمْ اَجْمَعِیْنَ

حواشی سفر نامہ متعلق ہصار و دیار

مشاہیر حکما و علما وغیرہ

بلخ کا مشہور ناحیہ تھا، اب دیران ہو۔ بحجم البلدان یا قوت
حموی صفحہ ۳۴ جلد ۷۔

۱۔ قبادیان

۲۔ مرو مطلق مرو سے ہمیشہ مرو شاہ جان مراد ہوتا ہے۔ شیخ شیراز فرماتے ہیں ۷ طیبہ پری چہرہ در مرو بود۔ کہ در بلخ دل قاتش سر و بود
ارباب جغرافیہ کا قول ہے کہ ”بہ لحاظ عظمت و شان اس شہر کو شاہ جان حسنی
نفس السلطان (روح سلطان) کا خطاب دیا گیا تھا۔ اور یہ عربی لہجہ ہے خراسانی
مرو اور مرو شاہ جہاں کہتے ہیں لیکن اس میں بھی وہی جلالت و عظمت ہے۔ صوبہ
خراسان میں مرو، اُم القریٰ کا درجہ رکھتا ہے۔ ابو اسحاق اصطرخی جس نے ۳۳۵ھ
میں بلاد العرب سے ہندوستان تک سیاحت کی ہے اپنے جغرافیہ مسالک الممالک میں
لکھتا ہے کہ ”مرو ہمیشہ مرو شاہ جان کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق
طہورت پیشدادی کا بنا کر دہ ہے اور شہر کا بانی ذوالقرنین ہے۔ مرو ایک کھلے ہوئے
میدان میں آباد ہے جس کے اطراف میں پہاڑوں کا کہیں نام نہیں ہے۔ البتہ زمین ریتی
ہے اور تمام عمارتیں مٹی کی ہیں۔ تین مسجدیں ہیں ایک میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ان
مساجد میں ایک مسجد بازار اور دارالامارہ، ابو مسلم خراسانی بانی دولت عباسیہ
کی یادگار ہے“ اصطرخی کے زمانہ سیاحت تک امرائے مرو دارالامارہ میں اجلاس
کرتے تھے۔ یہ عمارت اینٹوں کی تھی اور اس کا قتبہ ۵۵ گز دور کا تھا، قلعہ وسعت
میں شہر کے برابر تھا لیکن اب دیران و شکستہ ہو چکا ہے۔ باوجود بلندی کے قلعہ کے
اوپر ہنوز کاریز (دز میں دوزنہر) جاری ہیں جن سے کھیتیاں ہوتی ہیں۔ بازار اعلیٰ درجہ

کے صاف سقرے ہیں عید کی نماز محلہ راس المیدان میں ہوتی ہو اور شہر کے اندر چار نہریں ہر مزقہ، ماجان، رزق، نہر سعدی خراسانی جاری ہیں اور ان سب کا منبع دریائے مرغاب (مارو) ہو جو بامیان کی طرف سے بہتا ہوا آتا ہو جس کے گرد عمارات مساجد اور بازار ہیں اور شہر کے اندر چار دروازے ہیں۔ باب المدینہ، باب بنجان، باب بالیں، باب درمشکان۔ ابتدا میں مرو شاہ جان، مامون الرشید عباسی کا دار الخلافہ تھا اور وہ اس شہر کو بہت پسند کرتا تھا۔ اور اس کا محل باب درمشکان میں تھا۔ ۱۹۱۶ء میں امین الرشید پر فتح پانے کے بعد بغداد میں منتقل ہوا۔

عباسیوں کے بعد آل سلجوق کا دار الحکومت قرار پایا اور سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں بڑے عروج پر تھا۔ ۶۱۶ھ میں تولی خاں نے تباہ کیا۔ اس وقت مرو فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں ۹۰ ہزار فوج موجود تھی اور تینوں مسجدوں میں نماز ہوتی تھی۔ تولی خاں نے قتل عام کیا اور تقریباً ۲۰۰ برس تک مرو ویران پڑا اور ۱۲۱۶ھ میں شاہرخ مرزانے از سر نو آباد کیا اور دریائے مرغاب سے نہر لایا آاب رفتہ (بحر آمد) اور قدیم بند کو درست کیا۔ عنق نہر ۲۰ گز سے ۵۰ گز تھا۔ دسویں صدی ہجری میں اوزبکوں نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ اب گھنڈرات باقی ہیں۔ مرو علمی بستی تھی جس کے فقیہ اور ادیب مشہور ہیں۔ جامع مسجد اور مدارس میں دس عظیم الشان کتب خانے تھے جس کی تفصیل بمع البلدان میں ہو۔ حکیم برزویہ اور بابر بدخنی کا وطن تھا۔ آب و ہوا ضرب المثل تھی۔ نہروں کی وجہ سے پانی کی افراط تھی۔ ہر گھر میں حمام تھے۔ روٹی بہ لحاظ ذائقہ تمام خراسان میں مشہور تھی۔ تربوز عراق تک جاتا تھا۔ ریشم کی پیداوار بہت تھی۔ جرجان اور طبرستان میں جب ریشم کے کارخانے قائم ہوئے تو کپڑے مرو سے بھیج گئے تھے۔ مرو کے ریشی کپڑے بھی مشہور ہیں اور میوہ میں منقہ، انجیر، عنب بافراط ہوتا تھا۔ مرو کے مشہور قریبے اور ناصیجے حسب ذیل ہیں:-

خرق، ہرمز قرہ، باشان، سنجان، سوسقان، زند آلقان، مرو رود و تصرف اور کوگر۔ مرو سے بعض مشہور شہروں کے فاصلے حسب ذیل ہیں:-

نیشاپور۔ ۷۰ فرسنگ، سرخس۔ ۳۰ فرسنگ اور بلخ = ۱۲۲ منزل۔ نقشہ میں مرد کا موقع حسب ذیل ہے۔ طول البلد ۴۲ درجے ۱۰ دقیقہ مشرق، عرض البلد ۳۷ درجہ ۳۰ دقیقہ شمال (انتخاب از صطری صفحہ ۲۵۸۔ مقدسی ۲۹۸، ابن حوقل ۳۱۴ ہمدانی ۳۲۰ معجم یا قوت ۳۷ گنج دانش حالات مرو و صور الممالک قلمی)۔

پنج دیہہ | جس کا عربی میں "الخمیس قوری" ترجمہ ہوا اس کا مختصر نام قمری ہے۔ خراسان کے ناحیہ مرو رود میں ایک نہایت سرسبز اور آباد قصبہ تھا۔

ابتدا میں پنج گانہ کی آبادی ایک دوسرے سے متصل تھی لیکن آخر میں ترقی کر کے یہ پنج گانہ ایک قصبے کی صورت میں آباد ہو گئے اور اس مجموعہ کا نام پنج دیہہ قائم رہا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں پنج دیہہ بڑے عروج پر تھا۔ تاتاریوں نے جب خراسان پر حملہ کیا ہو اس وقت آبادی منتشر ہو گئی۔ یہ ایک علمی بستی تھی، ابو عبد اللہ محمد شایح مقامات تحریری متوفی ۵۹۲ھ اس خاک کا ایک نامور عالم تھا۔ اب بھی پنج دیہہ روسی ترکستان میں ایک قصبے کی حیثیت سے آباد ہے۔ نقشہ میں کشک (مرغاب) ندی کے کنارے جانب مشرق واقع ہے طول البلد ۶۲ درجے ۴۵ دقیقہ مشرق اور عرض البلد ۳۵ درجے ۵۸ دقیقہ شمال ہے۔ ضیاء الملک والدین امیر عبدالرحمن خاں والی خداداد افغانستان کے عہد میں گورنمنٹ روس کے مقابلے میں جب حد بندی کے لیے کمیشن مقرر ہوا تو مارچ ۱۸۵۷ء میں پنج دیہہ حدود افغانستان سے خارج ہو کر روسی ترکستان میں داخل ہو گیا۔ اور اس وقت فوجی چھاؤنی ہے۔ آبادی ترقی کرتی جاتی ہے۔ تختہ بازار مشہور چوک ہے نہایت سرد مقام ہے، موسم سرما میں پنج دیہہ کی پہاڑی برف پوش چوٹیوں کا منظر نہایت دلکش ہوتا ہے کسی شاعر نے

کیا خوب کہا ہے:-

دامن کہسار میں پیک نظر کے سامنے سلسلہ تھا ایک چٹانوں کا سرسبز و تاب
ان کے اوپر چوٹیاں ابرو پہل ڈلے ہوئے جن کے عارض پر پڑا تھا ابرسین کا نقاب
سب کے اوپر برف کا دریائے اجڑن جس کو سورج نے کیا تھا غیرت لعل مذاب
(مجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ و صفحہ ۴۶۵ و انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا و خیابان فارس)
مرو الرود یا مرو النہر | چونکہ یہ شہر نہر کے کنارے آباد تھا لہذا مرو الرود
مشہور ہوا۔ حکیم زجاجی کہتا ہے:-

بناکام در مرو رودش بنجست ازاں پس کہ شد روزگارش درشت
آب مرغاب کا سرخیمہ کوہ بامیان ہے۔ آب مرو، بلخ، ہرات، اور سبستان کی
ندیاں بھی اسی سے نکلی ہیں۔ یہ مرو شاہ جان سے بہت چھوٹا ہے۔ لغت عرب میں مرو
اس سفید پتھر کو کہتے ہیں جس سے آگ جلانے میں (چقماق) اور سرخ پتھر سے آگ
نہیں جلاتی جاتی چونکہ اس علاقے میں سفید پتھریاں اور سفید رنگ کے ریزے بہت
ہیں۔ لہذا اس مناسبت سے شہر کا نام مرو قرار پایا تھا۔ ۱۸۸۲ء سے گورنمنٹ روس
کے قبضے میں ہے اور روسی ترکستان میں شامل ہے۔ ہرات سے ۲۳۰ میل اور خوجا سے
۲۸۰ میل کا فاصلہ ہے۔ ۶۳ درجے ۳ دقیقہ طول البلد مشرق اور ۳۶ درجہ ۲۸ دقیقہ شمال
عرض البلد ہے۔ مرو شاہجان سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ مرو کی آبادی نہایت
قدیم ہے۔ اس کا یونانی نام مرجیانہ یعنی عروس البلاد ہے۔ عربوں کے عہد میں بھی نہایت
آباد رہا۔ مرو کے مشہور مقامات میں سے قصر آحنف اور دژہ ہیں۔ قصر مذکور بلخ کے
راستے پر ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ اور دژہ انبار کی سڑک پر تھا جس کی مسافت
مرو سے ۴ فرسنگ تھی۔ یہاں نہریں جاری تھیں، باغات کی افراط تھی جن میں انگور، کبوتر
پیدا ہوتا تھا۔ ایک صدی گزری ہو کہ قدیم مرو کو روس نے تباہ کر دیا ہے جس کے کھنڈرات

باقی ہیں اور مسلمان فاتحین کے مزار ان کی فتوحات کی یاد دلاتے ہیں۔ جدید مرو
 قدیم شہر سے ۱۰ میل کے فاصلے پر آباد کیا گیا ہے اور یقین ہے کہ مرو رود کو آئندہ
 بڑی ترقی نصیب ہوگی۔ کیونکہ سیاسی حیثیت سے اس کا موقع نہایت اہم ہے
 علاوہ ازیں زراعت و تجارت کے کافی وسائل موجود ہیں۔ عاشق آباد
 ترکستان میں روسیوں کا نیا شہر جس کی آبادی دس ہزار ہے متصل علاقہ تفتی
 ترکمان سے جو بڑی تجارتی سڑک مشہد مقدس کو کوہستان کے محاذ میں جاتی
 ہے اور مشرق میں مرو کی طرف گھوم کر آڈل ہری رود بعدہ دریائے تجند کو عبور
 کرتی ہے، اس پر ریلوے لائن ہے جو بخارا کے علاقے میں ہو کر سینٹ پیٹرسبرگ
 (پیٹرو گراڈ یا لینن گراڈ) دارالحکومت روس تک گئی ہے۔ دریائے مرغاب کے عیش
 مرو کے علاقے میں نہایت سرسبز و شاداب نخلستان (کھجور کے باغات) ہیں اور اطراف
 شہر میں باغات ہیں جن میں انگور اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے اور خربوزہ بھی، مرو کا بازار پر رونق
 ہے، جہاں اونٹ، گھوڑے، بھیڑیں اور ترکمانی قالینوں کی تجارت ہوتی ہے۔
 بردہ فروشی کا بازار اب سرد پڑ گیا ہے۔ ملکی پیداوار میں کپاس خوب ہوتی ہے پہاڑوں
 سے گندھک، نمک، کوئلہ وغیرہ کافی مقدار میں نکلتا ہے۔ مرو کی نسبت سے
 مرو دشت بھی مشہور ہے لیکن وہ صوبہ فارس کا ایک جنگل ہے جس کو مرو رود سے
 کوئی علاقہ نہیں ہے۔ مرو کی نسبت مروی اور مروزی آتی ہے۔ اصطخری ۲۶۹ -
 (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۲ و کتاب ”ورلد آف ٹوڈے“ حالات روسی ترکستان
 جلد دوم جدید حالات کے لیے مسٹر ایمینڈ کا سفرنامہ (مرو اوسس) دیکھنا چاہیے
 جس میں آثار قدیمہ کے بھی نقشے ہیں۔

عہد ابوسلیمان جعفری بک

ترکستان اور بلاد چین کے مابین جو عظیم ایشان
 درہ کوہ واقع ہے وہی ترکی اقوام کا مسکن تھا۔

اور ان اقوام کے اسباب حیات بھی اسی جگہ مہیا تھے۔ غُزنی، خطائی، تاتاری، ترکمانی، سلجوقی سب ایک ہی قبایل ہیں اور پھر ان میں تاتاری اور سلجوقی خاص کر ممتاز ہیں۔ سلجوقی بانی خاندان کا نام تھا جس کے دو پوتے طغرل بک محمد اور اورچغری بک داؤد نہایت نامور ہوئے اور انھوں نے اپنے قبایل کی مدد سے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ ناصر خسرو جب سفر کو نکلا ہو اس وقت چغری بک اپنے بڑے بھائی طغرل بک کی طرف سے حِجَون سے نیشاپور تک جو علاقہ تھا اس کا والی (گورنر) تھا۔ ۳۲۱ھ میں جب سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا اور سلطان مسعود تخت نشین ہوا تو طغرل بک اور چغری بک نے ملک میں عام بغاوت کردی اور فریقین میں مقابلے جاری ہو گئے چنانچہ نیشاپور (۳۲۹ھ) اور خراسان (۳۳۹ھ) کی فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا اور سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پر سلجوقی ایوان حکومت کی بنیاد ڈالی گئی۔ امیر المومنین القایم بامر اللہ عباسی کے دربار سے طغرل بک کو ۳۳۲ھ میں رکن الدین کا خطاب ملا اور خلعت کے ساتھ مذہبی حیثیت سے بلا مفتوحہ کی سند حکومت بھی مرحمت ہوئی۔ اس کارروائی کے بعد طغرل بک نے اپنا دار السلطنت ”رم“ کو قرار دیا اور چغری بک نے بحیثیت والی، مرو شاہجان کو دار الحکومت بنایا جس کے ماتحتی میں اس وقت ناصر خسرو جو زجانان کا افسر مال (حاکم پرگنہ) تھا۔ چغری بک نے بہ مقام بلخ بتاریخ ۱۸ رجب ۳۵۲ھ یوم دوشنبہ مطابق ۳۰ اگست ۹۶۳ء انتقال کیا۔ الپ ارسلان، جو بعد میں اپنے چچا طغرل کے لاؤلفوت ہونے پر وارث سلطنت ہوا، اسی چغری بک کا بیٹا تھا۔

۷۔ قرآن | دو چیزوں سے اتصال کا نام قرآن ہو اور اصطلاح نجوم کے مطابق، بائیں آفتاب جب دُستارے کسی بُرج میں داخل ہوں تو ان کو

قرآن کہتے ہیں یہ اتصال ایک دہجے پر ہوا ایک دقیقہ یا ثانیے پر۔ اس و مشتری کا قرآن عروج و شرف میں نہایت سعید ہوتا ہو اور دعا قبول ہوتی ہو۔ یہ نجومیوں کا عقیدہ ہے۔

۱۔ جوزجانان یا جوزجان دجوز جانات، مابین مرور و بلخ کا ایک بڑا پرگنہ ہے، جس کا صدر مقام ہیودہ تھا۔ اور اس کے مشہور مواضع، شہورخان، انبار، فاریاب، انخند (اندخود) کندورم، مرسان، برزورہ ہیں۔ اور یہ کل پہاڑی علاقہ ہے مگر نہروں کی وجہ سے سرسبز ہے۔ شہورخان سے انبار ایک منزل اور فاریاب سے تین منزل ہے۔ آب و ہوا معتدل ہے جوز اور غلہ زیادہ اور میوہ کم پیدا ہوتا ہے۔ دباغت کیا ہوا چمڑہ اس علاقے سے تمام خراسان میں جاتا تھا (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ و صغریٰ جلد اول صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ لیڈن ۱۸۷۷ء و ابن حوقل ۳۲۲) اقوام عالم میں جو سنین جاری ہیں ان میں سنہ فارسی یزدجردی

سب پر فائق ہے۔ یہ سال شمسی اصطلاحی تھا یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ ۳۶۵ دن میں کرتا تھا اور نجومیوں نے سالانہ ایام کی تقسیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ مہینے تین تین یوم کے اور بارہواں مہینہ اسفندار ۳۵ یوم کا رکھا تھا۔ لیکن اس پنج روزہ اضافے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور شمسی میں ہر سال تقریباً ایک چوتھائی دن (ربع شبانہ روز) کی کسر پڑنے لگی جو چوتھے برس ایک دن کے برابر ہو جاتی تھی۔ جس کے پورا کرنے کے لیے ایک سو میں سال کے بعد ایک مہینہ کیبہ (لوند) کا بڑھا کر اس سال کو تیرہ مہینے کا کر دیتے تھے۔ اور جس مہینہ کے آخر میں کیبہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینے کا بھی رکھ دیتے تھے چنانچہ اس مہول کے مطابق سب سے پہلا کیبہ ماہ فروردین میں اور دوسرا اردی بہشت میں

اور تیسرا قرداد میں ہو کر کرتا تھا۔ اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس (۱۲۰ × ۱۲۰ = ۱۴۴۰) سال کی مدت میں مادہ اسفندار پر کبھیہ کا دور ختم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس عظیم الشان جشن کا فخر صرف جمشید کو حاصل ہوا۔ اور جمشید کے بعد رسم قرار پائی کہ ہر یکم فردردین کو عام جشن منایا جائے چنانچہ تاریخ عجم میں یہی جشن نوروز اکبری کے نام سے مشہور ہو اور آج تک تمام مملکت ایران میں یہ جشن منایا جاتا ہو اور برج حمل میں آفتاب اسی تاریخ کو داخل ہوتا ہو حکیم عمر خیام نیشاپوری نے اس سنہ کی اصلاح کی اور اس کا نام سنہ جلالی ملک شاہی رکھا۔ فرمانروایان اسلام نے ایرانی رسم و رواج کے لحاظ سے سنہ فارسی یزدجردی کے اجراء میں باوجود سنہ ہجری کے کوئی مداخلت نہیں کی چنانچہ ناصر خسرو کے زمانے میں سنہ ہجری کے ساتھ سنہ فارسی بھی لکھا جاتا تھا جیسا کہ فی زمانہ سنہ ہجری و انگریزی لکھا جاتا ہو۔

۹۔ شہورخان | شہر خان، اشہورقان، اشفورقان، شہورقان، شہرقان، شہرقان، اسورقان، اسورقان، استورقان یہ مختلف لہجے ہیں۔

مصنف جام جم کا قول ہو کہ شہر خان پر گنہ جوز جانان کا صدر مقام تھا اور آٹھویں صدی تک خوب آباد رہا، بہر حال پر گنہ میں یہ سب سے بڑا قصبہ تھا۔ اور بلخ سے ۲۲ فرسخ (مسافت دو یوم) کا فاصلہ ہو۔ صطری وغیرہ نے بھی ناحیہ جوزجانان کا قصبہ لکھا ہو یہ نہایت سرسبز مقام ہو نہر جاری ہو باغات کثیر ہیں مگر زراعت بہت ہوتی ہو۔ ۱۱۶۱ھ تک آباد تھا (مجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۹) و جام جم صفحہ ۳۵۶ و صطری (۲۷۱)

۱۰۔ بار یاب | (فار یاب) پر گنہ جوز جانان کا، ایک آباد گانو تھا جو مغربی حیون پر تھا اور شہورخان سے تین منزل کا فاصلہ تھا اور طالقان بھی اسی قدر

فاصلہ پر فاریاب سے ہے۔ امام محمد بن یوسف شاگرد حضرت سفیان ثوری و امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ظہیر فاریابی، اس کے نامور فرزند میں بلخ سے فاریاب ۶ منزل پر ہے اکثر طلبہ فاراب اور فاریاب میں غلطی کرتے ہیں۔ فاراب بلاد فرغانہ (ماوراءالنہر) میں بلاساخون کے متصل ایک پرگنہ ہے اور دنیائے اسلام میں معلم ثانی ابو نصر محمد بن طرخان فارابی متوفی ۳۳۹ھ کے انتساب سے قیامت تک مشہور رہے گا۔ فاریاب، طالقان سے پھوٹا ہے۔ مگر پانی کی افراطی، باغات کثرت سے ہیں، مکانات مٹی کے ہیں۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ فاریاب ایک متمدن شہر ہے تمام ضرورت کی اشیاء ملتی ہیں۔ جامع مسجد میں مینارہ نہیں ہے (اصطخری صفحہ ۲۷۰، ابن حوقل ۳۲۱، معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۲۲، ۳۲۸)

۱۱۔ سنکدان | یہ عجیبی لہجہ ہے۔ عربی جغرافیوں میں یہ نام نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ موضع سنجان ہے جو مردود کے گویا دروازے پر ہے اور اس کو در سنکدان بھی کہتے ہیں (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۴۶)

۱۲۔ طالقان | اس نام کا ایک بڑا شہر صوبہ طخارستان میں ہے اور مختلف مقامات میں اس نام کے چند قصبات بھی ہیں یہ طالقان، مردود اور بلخ کے درمیان ہے جن میں صرف تین منزل کا فاصلہ ہے (از معجم البلدان جلد ۶ ابن حوقل صفحہ ۳۲۱)

۱۳۔ نیشاپور | لَکْسٌ فِی الْاَرْضِ مَثَلُ نَيْشَآپُورٍ بَلَدٌ طَیِّبٌ وَرَدَتْ عَفُودُ ^{ابو العباس روزنی} جبہ خاکِ نیشاپور و خوش آب و ہوا کہ ز آب است نہ خاک است گلاب است و عویر سطح سمندر سے ۳۹۲۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔ طول البلد ۳۶ درجہ ۱۲ دقیقہ عرض البلد ۵۸ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے اور مشہد مقدس کے مغرب میں ہے۔ صوبہ خراسان میں نیشاپور کا شمار اہم البلاد میں ہے اور قدیم نام ابر شہر ہے۔

۱۴۔ **سرخس** | جس کو سرخس بھی کہتے ہیں، صوبہ خراسان میں ایک قدیم شہر ہو جو مروشا بجان اور نیشاپور کے ٹھیک وسط میں واقع ہو اور سرخس سے ہر دو مقامات کا فاصلہ ۶ منزل ہو۔

۱۵۔ **امہات المدارس** | چوتھی صدی ہجری سے قبل دنیائے اسلام میں باضابطہ اجرائے مدارس کا پتہ نہیں چلتا ہو۔ علامہ سیوطی "حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ" میں لکھتے ہیں کہ سن ۱۱۶ھ میں الحاکم بامر اللہ فاطمی نے قاہرہ میں ایک شاندار مدرسہ تعمیر کیا تھا گویا سلطنت کی طرف سے رعایا کے لیے یہ پہلا مدرسہ تھا جو سلاطین اور امراءے دولت کے لیے چراغ ہدایت بنا، بعد ازاں نیشاپور میں عام قومی چنڈے سے ایک مدرسہ استاد ابو بکر بن فورک متوفی ۳۱۵ھ کے لیے تعمیر ہوا۔ تیسرا مدرسہ نیشاپور میں امیر نصر بن سبکتگین (برادر محمود غزنوی) نے ۳۱۶ھ میں یا اس کے بعد ہی قائم کیا اور سعدیہ نام رکھا۔ امیر نصر ان دنوں نیشاپور کا گورنر تھا، چوتھا مدرسہ ابوسعید اسمعیل بن علی المتنی استرآبادی، صوفی، واعظ اور شیخ الخطیب نے نیشاپور میں قائم کیا، پانچواں مدرسہ طغرل بیگ سلجوقی کا تھا جو ناصر خسرو کے دوران سفر میں زیر تعمیر تھا اور جس کی تعمیر بازار متر آجان میں جاری تھی لیکن علامہ سیوطی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہو کہ نیشاپور میں جو مدارس قائم ہوئے ان میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ تھا، جس کے مدرس اعظم ابو القاسم اسکاف اسفرائینی تھے اور امام الحرمین ابو المعالی متوفی ۳۸۵ھ استاد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسی مدرسے کے ایک نامور طالب علم تھے۔ اس کے بعد بغداد میں بامہ ذیقعدہ ۳۸۵ھ (۳ اکتوبر ۹۹۵ء) مدرسہ نظامیہ خواجہ نظام الملک طوسی بن کرتیار ہوا، جو بلحاظ چند خصوصیات کے گویا دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ تھا اس

سلسلے میں محمود غزنوی کا مدرسہ بھی قابل ذکر ہے جو بمقام دارالسلطنت غزنین ^{۳۱۹}۶۱۹ھ میں قائم ہوا اور جس پر فتوحات ہندوستانی کا ایک قیمتی حصہ صرف کیا گیا اور مصارف کے لیے دوامی جاگیر وقف کی گئی (تفصیل کے لیے دیکھو نظام الملک طوسی، حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر)

۱۷۔ خواجہ موفق | عہد طغرل بک سلجوقی میں ہیت اللہ ملقب بہ خواجہ موفق ایک نامور شخص گزرا ہے جو دفتر انشاء میں رسائل فارسی کا منشی تھا اور خواجہ موفق کا بیٹا ابوسہل دارالانشاء فارسی کا انسر اعلیٰ تھا۔ ابوسہل علمائے شافعیہ نیشاپور کا صدر شمار کیا گیا ہے رآل سلجوقی اصفہانی صفحہ ۲۹ و گنج دانش صفحہ ۵۰۲)

۱۸۔ کوآن | قدیم و جدید جغرافیوں میں اس کا نام نہیں ہے۔ غالباً کوئی کوہستانی موضع تھا جس کے اندر ہو کر قومس کو سرحد لگ گئی ہے۔

۱۹۔ قومس | (قلیم الدلیم) کوتمہ فارسی میں ان جھونپڑوں (منڈوہ) کو کہتے ہیں جو معمولی بانس زرگل اور گھاس وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور جن کے اندر بیٹھ کر کاشتکار کھیتوں اور پالیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور شکاری جو کین گاہ (پارچہ) بناتے ہیں اس کو بھی کوتمہ کہتے ہیں اور جنگل میں بادشاہ کے شکار کے لیے جو کین گاہ بنائی جاتی تھی اس کا نام ”کوتمہ شہ“ تھا۔ چنانچہ یہی لفظ عربی زبان میں جا کر قومش ہو گیا۔ جس کو عرب عموماً قومس کہتے ہیں نقشے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پرگنہ قومس دامن کوہ میں واقع ہے۔ یا قوت لکھتا ہے۔ ”قومس وہی کوہ کی بیڑا ولسعتہ تشتمل علی مدائن و قری و مزارع وہی فی ذیل جبال طبرستان“۔

۲۰۔ بسطام | شاہ روڈندی کے کنارے آباد ہے۔ جس کا صدر مقام شاہ رود

ہی ہو، یہ ایک وسیع اور دولت مند ضلع ہو کہ البرز اس علاقے کو استر آباد سے جدا کرتا ہو ایرانی گورنر بسطام میں رہتا ہو۔ حضرت شیخ العارفین طیفور ملقب بہ بایزید متوفی ۳۹۹ھ کا مزار زیارت گاہ خلائق ہو اور مزار کے قریب منارہ لرزاں ہو۔ اور چونکہ وسط خراسان میں ہو لہذا تجارتی منڈی ہو۔ سفرنامہ شمس العلماء آزاد دہلوی میں بسطام کا تذکرہ موجود ہو۔ (ازجام جم و خیابان فارس و گنج دانش)

۲۔ دامغان | اس شہر کی آبادی نہایت قدیم ہو۔ یہ خالص آتش پرستوں کی بستی تھی، اس بنا پر اس کا نام وہ منغان تھا۔ حکیم لاسمی گرگانی شدت سرما کے متعلق کہتا ہو ۷

گرد و بہر دیار، دریں فصل روزگار

آتش پرست خلق چو در دامغان، منغان

چنانچہ کثرت استعمال سے دامغان ہو گیا ہو۔ پرگنہ قوس کا دامغان صدر مقام ہو اور بسطام یہاں سے دو منزل ہو۔ قلعہ قدیم ہو جس میں تین پھانک ہیں اور قلعے کے اندر بازار ہیں، آبنوشی کے لیے مرو کی طرح مکانات ہیں حوض بھی ہیں اور ایک دن کی مسافت پر گرد کوہ کا وہ مشہور جنگل ہو جہاں اسماعیلیوں کا مشہور مستحکم قلعہ تھا۔ طہران سے ۲۱۶ میل کے فاصلے پر (رکو اور نیشاپور کے مابین) اس سڑک پر واقع ہو جو خراسان کو جاتی ہو۔ حکیم منوچہری اسی شہر کا ایک ناموز فضل اور شاعر تھا (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۲۶ و انسائیکلو پیڈیا برطانیکا صفحہ ۸۷ جلد ۷ و انسائیکلو پیڈیا آف اسلام صفحہ ۹۰۱ جلد اول و مقدسی ۳۵۵)

۳۔ آب خوری و چاشت خواران | قدیم کتابوں میں ان مقامات کا ذکر نہیں ہو، معمولی مواضع معلوم ہوتے ہیں۔

۴۔ سمنان | رسی اور دامغان کے مابین ایک خوشنامہ شہر ہو۔ تجارت

مقول ہو اور ہندستان کے بنیے بھی تاجرانہ حیثیت سے موجود ہیں تقریباً ۲۵۰ گھر ہوں گے، مردم شماری ۲۰۰۰۰ ہے، کوہ دماوند کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے طول البلد ۵۳ درجہ ۳۲ دقیقہ اور ۲۵ درجہ ۳۳ دقیقہ عرض البلد ہے۔ سمنان کا انار مشہور ہے۔

(خیابان فارس و معجم البلدان)

یہ کوئی تاریخی شخص نہیں ہے بلکہ ملائے مکتبی معلوم ہوتا ہے۔
۲۳ ابو علی نسائی ناصر خسرو نے اس کے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ صحیح ہے۔

اس شخص نے ابو علی سینا کو دیکھا ہو گا کیونکہ ناصر کے زمانے سے دس برس پہلے ابو علی سینا زندہ تھا۔ نساخر اسان کا مشہور شہر اب ویران ہے جس میں صرف ایک موضع کی شان باقی ہے۔ نیشاپور سے ۶ یا ۷ دن کی مسافت پر تھا ابو عبد الرحمن صاحب کتاب السنن، اس شہر کے باشندے تھے۔

ابو علی الحسین بن عبد اللہ بن الحسن بن علی بن سینا بخاری مشہور
۲۴ ابو علی سینا شیخ رئیس فلسفہ، حکمت اور طب کا مشہور امام ہے۔ موضع

خرمین (بخارا ۳۹۵ھ) میں پیدا ہوا اور ۲۰ برس کی عمر میں تکمیل علوم و فنون سے فارغ ہو گیا اور درس دینا شروع کیا۔ فن طب میں ابو علی سینا، عدیم النظیر مانا گیا ہے۔ ۵۳ سال کی عمر میں بمقام ہمدان ۳۷۷ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۳۷۷ھ میں انتقال کیا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا تذکرہ ابن ابی اصیبعہ میں عربی کلام کا نمونہ موجود ہے۔ فارسی میں فخریہ کہتا ہے۔

از قعر گل سیاہ تا اوج زحل کردم ہمہ مشکلات عالم راحل
 بیرون جسم ز قید ہر مکر و جیل ہر بند کشتودہ شد، مگر بند اجل

تصانیف ابو علی سینا: کتاب المجموع ۲ جلد، الحاصل والحصول ۲۰ جلد، انصاف ۲ جلد، البر والاثم، کتاب الشفاء ۸ جلد، قانون ۴ جلد، الارصاد، کتاب النجات

۳ جلد، الاشارات، لسان العرب، ۱۰ جلد، المبداء والمعاد، المختصر الأوسط۔

۲۵ بلخ | یونانی میں بکٹرا (BAKTRA) اور قدیم فارسی میں بختریش (BAKTRISH) یا باخترا کہلاتا تھا۔ بلحاظ قدامت صوبہ خراسان

میں بلخ کا شمار بھی ام البلاد میں ہے۔ عہد اسلام میں بھی بلخ عروج پر رہا۔ ۱۲۰۰ مسجداں میں جمعے کی نماز ہوتی تھی اور قبۃ الاسلام خطاب تھا دور چنگیزی (۱۲۱۸ء) اور تیموری میں بہت تباہ ہوا۔ ۱۸۵۰ء سے افغانستان کی حکومت میں ہے، جس کا فاصلہ اندخوی سے جانب مشرق ۱۰۰ میل اور حیحون سے جنوب کی طرف ۴۰ میل ہے سطح سمندر سے بلندی ۱۲۰۰ فٹ ہے، موجودہ آبادی ۵۰۰ مکانات کی ہے، جس میں افغانی، یہودی آباد ہیں۔ ۳۶ درجہ ۴۵ دقیقہ طول البلد اور ۲۶ درجہ ۳۸ دقیقہ عرض البلد ہے۔

۲۶ ری | عراق عجم میں نہایت قدیم شہر ہے، جس کو عربوں نے بلحاظ دیرینہ سالی شیخ البلاد (شہروں کا قبلہ و کعبہ) کا خطاب دیا تھا۔

۲۷ ساوہ | (اقلیم الجبال) یہ ایک خوب صورت شہر ہے، جو ری اور ہمدان کے ٹھیک وسط میں ہے اور ہر دو مقامات سے اس کا فاصلہ ۳

فرسخ ہے اور طہران سے ۷۲ میل ہے۔ ساوہ سے دوفرخ پر شہر آوہ (آب) ہے۔ یہ دونوں شہر ۱۱۱۱ء تک خوب آباد تھے۔ اس کے بعد تاتاریوں نے دونوں کو برباد کیا، ساوہ میں ہر علم و فن کے باکمال گزرے ہیں۔ سلمان ساوہی اسی شہر کا ایک نامور شاعر تھا۔

۲۸ ہمدان | ہمدان دامن کوہ الوند (اروند) میں مشہور شہر ہے۔

۲۹ آمل | قدیم صوبہ طبرستان میں جس کو آج کل ماژندران کہتے ہیں، شہر آمل واقع ہے اور صدر مقام ہے۔ بحیرہ خزر سے جانب جنوب ۱۲ میل پر ہے اور اس کے

شمال میں کوہ دماوند کا سلسلہ ہے، قدیم فارسی میں اس کا نام امردہ تھا، اب آئل کہتے ہیں۔ جس کا ترجمہ امید ہے۔ اور قدیم شہر سے جانب مغرب آبادی طول البلد ۳۶ درجہ ۳۵ دقیقہ اور ۵۲ درجہ عرض البلد ہے۔ ابن حوقل سیاح نے اس کو ۳۶۰ میس دیکھا تھا اس وقت یہ شہر قزوین کی طرح نہایت آباد تھا۔ ۱۸۹۷ء کے مطابق موجودہ مردم شماری دس ہزار ہے۔

۳ فرسنگ | ناصر خسرو نے سفرنامے میں اظہار مسافت کے لیے لفظ فرسخ کا استعمال کیا ہے، زمانہ حال میں فرسخ طول ملک کے مختلف

حصوں میں نوعیت زمین کے لحاظ سے مختلف ہے۔ ایرانی ایک فرسخ کی تعبیر اس فاصلے سے کرتے ہیں جو ایک لدا ہوا خچر ایک گھنٹہ میں طو کرے۔ چنانچہ پہاڑی علاقوں میں ایک فرسخ تین میل سے زیادہ نہیں ہے اور میدانی علاقے میں بعض مرتبہ چار میل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

فرسخ، پارہ سنگ (PARASANG) کا معرب ہے۔ یہ ایک بابلی پیمانہ تھا جس کی مقدار ۵۲۳ میل تھی۔ عربوں کا فرسخ یقیناً پارہ سنگ کا معرب ہے۔ یونانی میں یہ لفظ TAGUSYNS ٹیگولینس ہے اور فارسی میں فرسنگ ہے۔ نژد و اوستا میں فرسخ سے وہ فاصلہ مراد تھا، جہاں سے ایک دور میں شخص ایک اونٹ کو دیکھ سکے اور یہ بتائے کہ یہ اونٹ سفید ہے یا سیاہ، لرستان میں فرسخ وہ مقدار ہے جہاں سے نقائے کی صاف آواز سنائی دے۔ فی زمانہ فرسخ کی مقدار ۳،۹۱۵ میل ہے، ارباب جغرافیہ و لغت نے عام طور پر ۳ میل کا ایک فرسخ قرار دیا ہے اور تفصیل میں بال کی کھال نکالی ہے۔ ایک منزل کے لیے اہل عراق لفظ برید استعمال کرتے ہیں جس کا فاصلہ ۱۲ میل ہے اور خراسان میں ایک برید ۶ میل کے برابر ہے اور ایک مرحلہ ۶ یا ۷ فرسخ کا ہوتا ہے یعنی ۱۸ یا ۲۱ میل (صطخری)

۳۱ دماوند شمالی ایران کا سب سے اونچا پہاڑ ہے جس کی بلندی ۱۸۶۰۰ یا ۱۹۴۰۰ فٹ ہے یہ پہاڑ دراصل کوہ البرز کی ایک مشہور چوٹی ہے جس کے اوپر ہمیشہ برف کے تودے نظر آتے ہیں۔ طول البلد ۳۶ درجہ عرض البلد ۵۰ درجہ ہے۔ دماوند قریب زمانے کا لہجہ ہے۔ عرب کے سیاحوں نے اس کو دُنبا وندا اور دباوند لکھا ہے۔

۳۲ قزوین یہ ایک قدیم شہر ہے جس کا بانی شاہ پور بن ہرمز ملقب بہ ذوالکثاف (۳۷۹-۳۹۹ء) تھا۔ فارسی میں قزوین یا کنوین کا ترجمہ ”محفوظ“ ہے۔ اس عہد کے کھنڈرات ہنوز باقی ہیں، قدیم نقشے میں دیکھو طہران کے بعد قزوین پھر سلطانہ اور اس کے بعد قصبہ زنجان ہے، مسلسل آبادی ہے چنانچہ قزوین سے طہران تک سو میل (برابر ۲۴ فرسخ = مطابق ۹۶ میل = موافق ۶ منزل بحساب ۱۶ میل) کا فاصلہ ہے۔ اصطخری اور ابن حوقل نے مشہور مقامات سے حسب ذیل فاصلہ لکھا ہے:-

ری سے قزوین ۲۷ فرسخ = ۴ مرحلہ

قزوین سے ابہر ۱۲ = ۲ =

ابہر سے زنجان ۲۰ = ۲ دن کا راستہ ہے۔

خلافت عثمانیہ میں قزوین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اس شہر میں ہر علم فن کے اس قدر علماء گزرے ہیں کہ جن کی تاریخ کئی جلدوں میں لکھی جاسکتی ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے خاص قزوین میں ایک جامع مسجد تعمیر کی تھی جس پر ایک بڑی جاہلادوقف تھی، لارڈ کرزن بہادر لکھتے ہیں کہ ”یہ مسجد ہنوز موجود ہے۔ پچھلے دور میں شاہ طہماسپ اول نے (۱۵۲۳ء) میں اس کو دارالسلطنت بنایا اور عباس اول کے عہد میں (۱۶۲۹ء) تک یہ دارالسلطنت رہا، بعد ازاں یہ اعزاز طہران کو حاصل ہوا۔

عہد صفویہ میں قزوین بڑے عروج پر تھا، طہاسپ اول نے ایک عالی شان قصر بنوایا تھا، جس کا صرف ایک عالی شان دروازہ ہنوز باقی ہے۔ ”سپہ سہمعیہ میں حسن بن صباح باطنی نے قزوین پر قبضہ کیا تھا اور اس کا خوفناک قلعہ المتوننت (آشیانہ عقاب) یہاں سے صرف تین میل کے فاصلے پر پچیدار پہاڑوں کے اندر تھا، لیکن باوجود انقلاب حکومت اور زلزلوں کے آج بھی قزوین ایک شاندار مقام ہے اور عراق عجم میں ضلع کا صدر ہے جو طہران کے شمال و مغرب اور گیلان کے جنوب میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے ۱۴۶۵ فٹ بلند ہے، ۳۶ درجہ ۱۵ دقیقہ طول البلد اور ۴۹ درجہ ۵۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔ موجودہ مردم شماری چالیس ہزار ہے۔

میرے عزیز دوست خواجہ غلام الثقلین بی، اے پانی پتی مرحوم اپنے سفرنامہ ایران میں لکھتے ہیں کہ ”۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء کو مغرب سے ایک گھنٹہ قبل طہران سے روانہ ہوا تھا اور ۱۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو عصر کے وقت (۲۴ گھنٹے میں) قزوین پہنچا۔ قزوین بارونق شہر ہے، میں جامع مسجد میں نماز پڑھنے گیا واقعی نہایت شاندار مسجد ہے اور اس قسم کی تعمیر ہے جیسے مسجد سپہ سالار اور لاہور کی مسجد شاہی کے برابر وسعت ہے چاروں طرف عہد صفویہ کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد زمانہ فتح علی شاہ قاجار میں درست کی گئی ہے، جس پر نہایت عالی شان کتبہ لگا ہوا ہے۔ صرف ایک گنبد مسجد کا ایسا ہے کہ ہزار آدمی اس کے نیچے آسانی سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور دائیں بائیں مسجد کے دوسری عمارت ہیں، جن میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار نمازی سما سکتے ہیں۔ مسجد سے تھوڑے فاصلے پر ایک عالی شان عمارت بنام ارک دولتی ہے، جس میں کچھ ریاں اور باغ ہیں، یہاں تربوز خر بوزہ کثرت سے ہے۔ اور آبادی کے اندر ایک قدیم قلعہ بھی ہے۔“

سلطانیہ | قزوین کے سلسلے میں سلطانیہ، زرخان اور قوہ کو بھی مختصر طور پر

سمجھ لینا چاہیے۔ اول قزوین صدر مقام تھا لیکن اُرغون خان بن البقائی خاں بن ہلاکو خاں نے قزوین اور زنجان کے مابین دامن کوہ میں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی تھی جو نام تمام رہا، جس کو الحجا تہو سلطان نے تمام کیا اور اپنے نام سے منسوب کر کے سلطانیہ نام رکھا اور بجائے قزوین کے یہ دارالحکومت قرار پایا، ساتویں صدی ہجری کے چوتھے عشرہ میں حمد اللہ مستوفی لکھتا ہے کہ ”اس شہر میں اس قدر عالی شان عمارات ہیں کہ بحر تہریز کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی ہیں“ لیکن اب محض ایک قصبہ ہی انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں فتح علی شاہ قاجار نے سلطانیہ کو موسم گرما کا مستقر بنایا تھا۔ مسجد سلطان محمد خدا بندہ کا گنبد یادگار ہے۔

زنجان | یہ قدیم شہر ہے جو گیلان اور آذربائیجان کے پہاڑوں کے اندر واقع ہے۔ ارد شیر یا بکان اس کا بانی ہے، فی زمانہ بھی بہت آباد ہے، ۲۰ ہزار کی مردم شماری ہے اور ضلع کا صدر مقام ہے۔

۳۲ قوہہ | ناصر خسرو براہ قوہہ آذربائیجان میں داخل ہوا تھا۔ اس عہد میں یلیک آباد موضع تھا، یا قوت نے لکھا ہے کہ ۱۱۷۱ھ تک یہ آباد تھا، اور رے سے ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ عرب جغرافیہ نویس اس کو قوہذ لکھتے ہیں۔

من کی مقدار | من کی مقدار ۳ پونڈ تھی (پونے دو سیر) اور عرب کا من دو سیر کا تھا۔ من تبریزی ۵ سیر کا تھا ہندوستان میں

علاء الدین خلجی کے عہد (۱۲۹۵ھ) میں سیر ۲۴ تولے کا تھا۔ اس حساب سے من ۱۲ سیر کا ہوا اور من کی مقدار ہر جگہ بدلتی رہتی ہے

۳۳ بیل | ناصر خسرو نے اس کو قزوین کا ایک موضع لکھا ہے۔ اب اس کا نام نشان باقی نہیں ہے۔ یا قوت جموی لکھتا ہے کہ بیل، رے کا ایک ناحیہ

تھا اور مشہور علمی بستی تھی۔ یا قوت نے متعدد علماء کے نام درج کیے ہیں۔

انتخاب از معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۴۰۸ حالات خراسان)

۳۵ قباّل | ناصر خسرو نے اس کو بھی قزوین کا موضع لکھا ہے لیکن چھٹی صدی ہجری میں، ترقی کر کے یہ شہر کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ یا قوت لکھتا

ہو کہ تبریز کے قریب آذر بایجان کا ایک شہر ہے (معجم البلدان یا قوت)

۳۶ خرزویل | ناصر خسرو کے زمانے میں ایک موضع تھا۔ بحر اس سفر نامے کے اور کسی سیاح نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

۳۷ طارم و طارمیش | شہر سلطانیہ سے ایک دن کی مسافت پر مضافات قزوین میں ایک گرم سیر علاقہ تھا جو طارمین کہلاتا تھا۔

۳۸ برز الخیر | بھی طارم کا مشہور پرگنہ تھا۔ پانی کی افراط سے زراعت خوب ہوتی تھی۔ اس وجہ سے برز الخیر مشہور ہوا یعنی زمین سرسبز۔

۳۹ شاہ رود و سپیدرود | قزوین سے زنجان تک نقشے میں اور نیز قدیم جغرافیوں میں شاہ رود کسی ندی کا نام درج نہیں ہے۔ لیکن بلاد جبل سے جانب شمال، ایک ندی نقشے میں ہے جو قزل اوزن میں گرتی ہو۔

یہی شاہ رود ہے، کیونکہ اس ندی کی نسبت ناصر خسرو لکھتا ہے کہ آگے چل کر یہ ندی سپیدرود میں گرتی ہے۔ چنانچہ سپیدرود نقشے میں موجود ہے جو آگے چل کر قزل اوزن میں مل جاتی ہے اور قزل اوزن، کوہ البرز سے گزرتی ہوئی علاقہ گیلان اور آذر بایجان تک تقریباً چار سو میل تک بھی ہے اور گیلان کا علاقہ طوکر کے دریائے آبکون میں گرتی ہے۔ شہر رشت، سفیدرود کے کنارے آباد ہے۔

۴۰ آبکون | یہ عام لہجہ ہے اور بعض قدیم کتابوں میں آب سکون اور ابوسکون بھی آیا ہے، فرہنگ انجمن آرائے ناصری میں لکھا ہے کہ بحیرہ خزر کا قدیم نام آبکون

ہی۔ چنانچہ رود کی کہتا ہے

گرفتہ روئے دریا جملہ کشتی ہائے بڑ تو
ز بہر مدح خوانانت ز شرواں تا بہ آبسکوں
فرخی سیستانی نے محمود غزنوی کی مداح میں لکھا ہے
تو داری از کنار گنگ تا دریائے آبسکوں

وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ اصل میں ”دریائے آسماں گوں“ تھا کثرت استعمال سے
آب سکون ہو گیا ہے اور بحیرہ کاسپین کے کنارے جنوب مشرق میں اب ایک
قصبہ بھی اس نام سے مشہور ہے۔ بحیرہ خزر کی تفصیل آئندہ لکھی جائے گی۔ (کاسپین
قز وین کا معرفت ہے)

بحیرہ طبرستان پر ایک چھوٹا سا شہر ہے یہاں سے جرجان تین یوم کی
مسافت پر ہے اور اسی شہر سے بحر آبسکون منسوب ہے۔ بحر الخزر، بحر طبرستان
بحر جرجان اور آبسکون، یہ سب نام ایک ہیں۔ رابن حوقل صفحہ ۲۷۷، مقدسی ۳۵۸
یا قوت جلد ۱ صفحہ ۵۲ و جلد ۲ صفحہ ۶۶ و گنج دانش، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

۴۱۔ مرزبان الدیلم یا دولت الدیلم | دیلم یا دیلمہ ایک قبیلہ کا نام ہے
جبال طبرستان، و جرجان و گیلان

اور ترک کی پہاڑیاں اس قوم کے مسکن تھے۔ اسلام سے پہلے ان میں کوئی بادشاہ
نہ تھا۔ البتہ طبرستان شہر تھا جس کا فرمانروا سپہبد کہلاتا تھا۔ لیکن طبرستان
کے سردار قدیم سے مرزبان (رقلقہ دار) کہلاتے تھے اور عہد اسلام میں بھی یہ
خطاب ان کا قائم رہا چنانچہ ناصر خسرو نے بھی ”مرزبان الدیلم“ لکھا ہے۔ اس عہد میں
باوجود انحطاط دولت عباسیہ کے مسلمان فرمانروا اپنے ناموں کے ساتھ ”موالی
امیر المؤمنین“ لکھنا فخر سمجھتے تھے (یعنی امیر المؤمنین کا آزاد کردہ غلام) خطبے میں

امیر و ہودان کا پورا نام جس طرح پڑھا جاتا تھا وہ ناصر خسرو نے لکھ دیا ہے۔ لیکن اس سفر نامے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیر و ہودان کی طرف سے ملک کے ایک حصے پر اس کا بیٹا جستان ابراہیم بھی حکمران تھا اور اس کا خطاب جداگانہ تھا۔ جس کو ناصر خسرو نے بصراحت لکھا ہے۔

۴۲ جیلان یا گیلان | دولت ایران کے چھوٹے صوبوں میں گیلان بلحاظ اتصال سرحد مالک غیر ایک اہم مقام ہے جو بحر خزر

کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ نقشے میں ۴۸، ۵۰ دقیقہ سے ۵۰ درجہ ۳۰ دقیقہ تک طول البلد ہے۔ اس صوبے کا کل رقبہ مع تالش چلو بزار میل مربع ہے اور مردم شماری تقریباً چار لاکھ انسی ہزار ہے اور دارالحکومت رشت ہے مشہور بندر گاہ انزلی ہے۔

جیلان سے اس قدر راباب فضل و کمال پیدا ہوئے ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

خصوصاً علم فقہ کا جیلان محزن تھا۔ جیل سے ہمیشہ اہل جیلان مراد ہوتے ہیں اور

جلی کہلاتے ہیں اور جیل نواح بغداد میں (تحت مدائن) مشہور گاہ تو تھا جو شیخ

عبد القادر جیلانی قطب الاقطاب کے انتساب سے ضرب المثل ہے (انتخاب از

انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ ورلڈ آف ٹوڈے، جام جم، نزہت القلوب، یا قوت)

۴۳ دربند | اس کا قدیم عربی نام ”باب الالباب“ اور موجودہ مختصر نام ”الباب“ اور مغلی نام ”دھور قاپی“ ہے، جس کو ایرانی دربند کہتے

ہیں۔ زمانہ سابق میں یہ ایران کی اخیر سرحد تھی۔ بحیرہ خزر کے کنارے آباد ہے۔

۴۸ درجہ ۱۶ دقیقہ طول البلد اور ۴۲ درجہ ۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔ روسی داغستان

کا مشہور شہر ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں ارباب جغرافیہ نے اس کو بلا دشروان شا

کا مشہور شہر لکھا ہے۔ اس ملک کی حد نہر کر سے دربند تک تھی، جس کا مشہور شہر باکو ہے

(موجودہ باکو) اور مشہور قصبات شامخی اور کشتا سفی (آباد کردہ کشا سف بن لہر اسپ تھے۔

۲۲۱ء میں الکرم نذراول شاہ روس نے اس علاقہ کو فتح کر کے داخل سلطنت روس کر لیا اور چونکہ ساحل کے کنارے آباد ہی لہذا عمارتیں خوشنما ہیں اور شہر میں ایشیا کا رنگ غالب ہے، سرائیں، ہوٹل، بازار سب خوبصورت ہیں۔
(گنج دانش، ابن حوقل، ہمدانی، صطخری، مقدسی)

۲۲۲ء **سراب** گرم رود کے متصل اردبیل اور تبریز کے مابین واقع ہے۔ سراب کا حاتم جو اس صدی کی تعمیر ہو ضرب المثل ہے۔

۲۲۵ء **سعید آباد** سراب اور تبریز کے مابین تھا ناصر خسرو پانچویں دن سعید آباد سے تبریز پہنچا تھا، اب نقشے میں نہیں ہے۔

۲۲۶ء **تبریز** صوبہ آذربائیجان کا صدر مقام اور اسلامی شہر ہے جس کی قبة الاسلام کا خطاب دیا گیا ہے، دامن کوہ میں آباد ہے۔ سطح سمندر سے ۴۴۰۰ فٹ بلند ہے، ۳۸ درجہ ۴ دقیقہ طول البلد اور ۴۶ درجہ ۱۸ دقیقہ عرض البلد ہے۔ اور مردم شماری تقریباً ۷۰ لاکھ ہے۔ گورستان سرخاب میں اتوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، فکلی متردانی وغیرہ خواب راحت میں ہیں۔ شمس تبریزی کے نام سے تو ایک ایک بچہ واقف ہے۔

۲۲۷ء **قطران** شعرائے تبریز میں حکیم قطران کا شمار اساتذہ فن میں ہے اور ضرب المثل ہے، جس کی تصدیق پور بہائی جامی کے ان اشعار سے ہوتی ہے

یا دشمنی کند چو کئی ترسیت و را در شعر با نظامی و قطران و اتوری
ہرگز نہ گفتہ اند دریں اصطلاح شعر فردوسی و دقیقی و بہتار و غنصری
(از تذکرہ دولت شاہ)

البتہ یہ ضرور ہے کہ رعایت لفظی کا ضرورت سے زیادہ دلدادہ ہے اور غالباً یہی وجہ ہے

کہ ناصر خسرو کی رائے قطران کی زبان دانی کی نسبت اچھی نہیں ہے، کیونکہ ناصر ایک فلسفی شاعر تھا اور وہ جو کچھ لکھتا تھا روزمرہ کی سادہ زبان میں لکھتا تھا۔

۴۸ منجیک | ابو الحسن علی محمد الترمذی المعروف بہ منجیک آل سامان کے دربار کا مشہور شاعر ہے عوفی تذکرے میں لکھتا ہے "منجیک از ساحران شاعراں بود۔"

راز کتاب باب الالباب جلد ۲ محمد عوفی (شعرائے عہد سامانی) صفحہ

۴۹ دقیق | ۱۳-۱۴ دربار فرمانروایان چغانیان (ماوراء النہر) کا شاعر ہے۔ صوبہ آذربائیجان کا مشہور ضلع اور کشتری ہے۔ ۴۵ درجہ **۵۰ مرند** | ۳۳ دقیقہ طول البلد اور ۳۸ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض البلد ہے، مرند سے تبریز دو یوم کی مسافت پر ہے۔ اور بلخاظ منزل افرنگ ہے۔ علمی بستی ہے۔ اس کے اطراف میں باغات ہیں گرد فصیل ہے، جن میں آبادی ہے۔ بازاروں میں جامع مسجد ہیں۔ (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۲۹، انسائیکلو پیڈیا، مقدسی ۳۷۷)۔

۵۱ خومی | صوبہ آذربائیجان کا ایک ضلع اور کشتری ہے۔ جو سرحد کے شمالی و مغربی گوشے میں جمیل اُرمیہ اور نہر اس کے درمیان واقع ہے۔

۵۲ بزرگرمی | اصغر خانی و ابن حوقل اور مقدسی کے سفر ناموں میں یہ منزل موجود ہے۔ زمانہ حال کے نقشوں میں نہیں ہے۔ **۵۳ آذربائیجان** | ناصر خسرو کا سفر صوبہ آذربائیجان میں برکتری

پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ علاقہ شروع ہوتا ہے۔ جو آرمینیا اور ایشیائی ترکی کے نام سے موسوم ہے۔ ایران کے شمالی مغربی صوبے کا نام ”آذر بایجان“ ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ ”آذر آباد کان“ مشہور تھا۔ البراکہ کے جدید اڈیشن میں اس کی مفصل تاریخ ہے۔

۵۴۔ وَاَن دُوسَطَان | وان ایک قلعہ کا نام ہے جو اخلاط اور نواح طُفُلُس میں تھا اور اسی نام سے شہر مشہور ہوا اور دُوسَطَان اس کا ایک مشہور قصبہ تھا۔ قدیم کتب جغرافیہ میں ”وان دوسطان“ دونوں نام ایک ساتھ آتے ہیں حمد اللہ مستوفی نے صوبہ آرمینیا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ جیل وان سے ایک میل کے فاصلے پر جانب مشرق، شہر آباد ہے،

۵۵۔ آرمینیا | قدیم نام آرْمِن یا آرمینیا ہے۔ یہ ایک ایسا سرحدی علاقہ ہے، جو دولت ایران، روس، اور ترکی میں منقسم ہے۔ نقشے میں ۴۴ درجہ طول البلد اور ۳۹ لغایت ۳۷ درجہ عرض البلد پر واقع ہے،

۵۶۔ اخلاط | جیل وان کے کنارے آباد ہے، یہ نیا شہر ہے۔ اور قدیم شہر کی آبادی وان کی محاذی ہے۔ قدیم اور صحیح رسم خط خُلاط ہے۔ یا قوت لکھتا ہے کہ خُلاط کا بحیرہ تمام دنیا میں ضرب المثل ہے۔ ابن الکی کا قول ہے کہ ”بحیرہ خُلاط بھی عجایب عالم سے ہے جس میں دس ہینے تک سینڈک، کیکڑا اور کسی مہتم کی مچھلی نہیں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن سال کے پچھلے دو ہینے میں مچھلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۵۷۔ پُول | ایشیائے کوچک اور علاقہ آرمینیا میں ایک درہم سی کا

چلن تھا، جس کو ناصر خسرو نے پُل لکھا، یہ تانبے کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے جن پر ایک قسم کا ہتھیہ بھی تھا۔ اس کا وزن ۱۲ گریم تھا اور یہ سکہ خاص عیسائیوں کے استعمال کے لیے جاری ہوا تھا اور فی زمانہ پُل سے ممالک ایران میں روپیہ مراد ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام تحقیقات لفظ درہم)

۵۷ رطل | پیمانے کا نام ہے جو آدھ سیر کا ہوتا ہے تفصیل یہ ہے۔

(الف) رطل = ۱۲ اوقیہ اور ایک اوقیہ = ۴۰ درہم جملہ ۴۸۰ درہم (۳۱ پونڈ)
(ب) رطل = ۸ چٹانک = ۴۰ تولہ = ۴۸۰ ماشہ = ۳۸۴۰ رتی۔

۵۸ بطلس | عربی میں بلیں ہے۔ اور ارمنی میں (BALES) ایشیا ک ٹرکی کا مشہور شہر ہے، جو کردستان کا صدر

مقام ہے۔ اور بحیرہ وان سے جانب مغرب ۱۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور صوبے کا نام بھی بطلس ہے جس کا رقبہ ۱۰۴۶۰ میل مربع اور مردم شماری ۳۹۹۰۰ ہے۔ طول البلد ۴۲ درجہ ۳ دقیقہ اور عرض البلد ۳۸ درجہ ۲۶ دقیقہ ہے۔

۵۹ قِفْ اَنْظَرُ | اس نام کا کوئی قلعہ دوسرے سفر ناموں میں نہیں ہے بلحاظ بلندی عرف عام میں یہ نام کسی قلعہ کا ہوگا۔

۶۰ اویس قرنی رضی | حضرت اویس بن عامر ترمذی سہیل یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سادات التابعین

اور اکابر زمانہ سے ہیں یمن کے قبیلہ مراد میں پیدا ہوئے اور موضع قرن میں نشوونما پائی ناصر خسرو نے اس مقام کا نام نہیں لکھا ہے۔ لیکن

درہل اس جگہ کا نام بھی اویس تھا اور یہ ایک مشہور منزل ہے جس کا ذکر سفر ناموں میں موجود ہے۔ ایسے حدیث میں امام مالک اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اویس کے وجود ہی سے انکار کیا ہے ایسی حالت میں جو حدیثیں ان سے مروی ہیں ان کی نسبت کیا رائے قائم ہو سکتی ہے، لیکن اکثریت اس طرف ہے کہ حضرت اویس، ایسے حدیث اور تصوف کے رکن اعظم تھے۔ صحیح مسلم، مصنف بن ابی شیبہ، مستدرک حاکم وغیرہ سے کافی حالات اخذ کیے جاسکتے ہیں، (از لواحق الانوار شعرانی، تذکرہ عطار صفحہ ۱۵-۲۴ مطبوعہ لیڈن، ریاض الصالحین یافعی بمعہ البلدان یا قوت جلد ۴ صفحہ ۷۹)۔

۶۲۔ قطر ان | سرود کوہی (ععر) کا تیل ہے، جس کو عرب خارشتی اونٹوں پر لگاتے ہیں اور اس کو حیوة الموتی بھی کہتے ہیں۔ اور اس مادی روغن کو بھی کہتے ہیں، جو سیاہ اور بودار ہو جیسے تار کول ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا نام روغن چیر ہے (بہار غم) دجلہ اور فرات کے درمیان (بالائے جزیرہ) جو علاقہ ہے وہ الجزیرہ اور اقلیم اقور کہلاتا ہے۔

۶۳۔ مِیَا فارقین | یہ دو حصوں پر تقسیم ہے۔ چنانچہ جنوبی حصے کا نام عراق عرب اور شمالی کا نام الجزیرہ ہے۔ جس کو عربی میں مابین النہرین (دو آبہ) اور انگریزی میں میسوپوٹامیہ (MESOPOTAMIA) کہتے ہیں۔ الجزیرہ کے حدود حسب ذیل ہیں۔

شمال	آرمینیا	مشرق	کردستان
جنوب	عراق و عرب	مغرب	ایشائے کوچک و ملک شام

۶۴۔ ارزن | صوبہ آرمینیا کا اب ایک مشہور قصبہ ہے جو میا فارقین کے مغرب میں سات فرسنگ کے فاصلے پر سرات کے متصل واقع ہے۔ عرب ارزن الروم اور قالیقلا کہتے تھے اور موجودہ نام ارض روم ہے جو ایشیائی ترکی کی چھاؤنی ہے۔ ۳۰ میل لمبا ۱۲ میل چوڑا ہے (النائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۶۵۔ رزارمانوش | یہ ایک انگوڑ کا نام ہے جو قیصر روم کے نام سے مشہور تھا۔ انگریزی لہجہ رومنس ہے لیکن عرب اور عجم ارمانوس اور ارمانوش کہتے تھے۔

۶۶۔ امیر نصر الدولہ | ناصر خسرو کے زمانے میں دیار بکر کا حاکم تھا جس نے بڑے عیش و تجل کے ساتھ حکومت کی۔ یہ کوئی بڑا شہر نہ تھا جس کا تذکرہ کتب جغرافیہ میں ہو بلکہ یہ اس قوم کی آبادی تھی، جیسے اس زمانے کے فرماں روا صدر مقام سے چند میل کے فاصلے پر محلات بنا کر مع خدم و حشم رہا کرتے ہیں، البتہ نصریہ بغداد کے ایک شہور محلے کا نام تھا جو جانب مغرب واقع تھا۔

۶۷۔ آمدا | ناصر خسرو کے زمانے میں دیار بکر کا صدر مقام آمدا تھا جس کے حالات ناصر نے تفصیل سے لکھے ہیں،

اس شہر کا قدیم نام ”امیدا“ ہے چنانچہ موجودہ دیار بکر وہی آمدا ہے، جس کو ترک قرہ آمید کہتے ہیں۔ دجلے کے مغربی کنارے ایک پہاڑ پر آباد ہے اور سطح سمندر سے ۲۰۰۰ فٹ بلند ہے۔ شہر ۳ میل کے رقبے میں آباد ہے اور قدیم قلعہ بھی دجلے کے کنارے موجود ہے۔ اور شہر میں اس وقت بھی چار دروازے موجود ہیں

۶۹۔ **حَرَّان** | توراۃ مقدس میں اس کا نام حاران ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادرِ حاران سے منسوب ہے۔ فرات کے

کنارے، رُہا سے جانب جنوب ۸ گھنٹہ کی مسافت پر واقع ہے۔ اور حَرَّان سے رقبہ دو یوم کی مسافت پر ہے۔ حَرَّان قدیم شہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام رُہا سے ہجرت کر کے حَرَّان میں تشریف لائے تھے حَرَّان کا قلعہ انجم بہت مشہور ہے۔ اور عہدِ صائبین کی ہیاکل کے کھنڈرت ہنوز موجود ہیں۔ ۲۹ درجہ ۲ دقیقہ طول البلد اور ۳۶ درجہ ۵۶ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔

۷۰۔ **قَرْدِی** | قَرْدِی بھی عہدِ قدیم کا ایک مشہور موضع تھا جس کا تذکرہ ابنِ حوقل نے موصل کے حالات میں کیا ہے۔ قَرْدِی سے چلکر ناصر خسرو آمد میں آیا تھا اور یہ مشہور منزلیں ہیں۔

۷۱۔ **سَروِج** | حَرَّان سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اب ایران ہے۔ مقاماتِ حریری کی بدولت ابو زید سروجی کا نام ہنوز زندہ ہے،

۷۲۔ **نہرِ فرات** | یہ مشہور و معروف دریا آرمینیا سے نکلا ہے۔ اور عراقِ عرب سے گزرتا ہوا دجلے سے مل کر خلیجِ فارس میں آگرا ہے۔

۷۳۔ **مَنبِج** | یا مَنبِج یونانیوں کا نہایت قدیم شہر ہے، جس کا نام ہیراپولس (HIERAPOLIS) تھا، زمانہٴ قدیم کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ فرات سے ۳ فرسخ پر سروج اور حلب کے مابین واقع تھا۔ اب ویران ہے۔

۷۴۔ **ناصر خسرو ملکِ شام میں** | شام یا سوریہ۔ زمانہٴ قدیم میں ملک

شام دو حصوں پر تقسیم تھا، ایک سوریہ، دوسرا فلسطین۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام سے کچھ زمانہ پہلے جب یہ ملک رومیوں کی حکومت میں چلا گیا تو دونوں حصوں کا نام سوریہ قرار پایا۔ جو بحر ابیض کے شرقی کنارے پر ایک صوبہ ہے۔ لیکن عربوں نے اس ملک کو شام کا خطاب دیا وجہ تسمیہ میں کوئی کہتا ہے کہ عبرانی میں سام بن نوح کا نام "شام" ہے۔ اور یہ ملک اُن کا آباد کردہ ہے یا یہ کہ یہ ملک خانہ کعبہ کے بائیں جانب ہے۔ اس لئے شام کہلاتا ہے۔ یا یہ کہ شوم (بدفالی نقیض مین) سے مشتق ہے۔

۵، حلب ملک شام کا مشہور شہر۔ جن و خوب صورتی میں دوسرا قسطنطنیہ ہے۔

۶، رطل ظاہری جس کا وزن ناصر خسرو نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے۔ یہ ایک خاص رطل تھا جو خلیفہ الظاہر لاعزاز دین اللہ فاطمی مصری کے نام سے منسوب تھا، الظاہر کا عہد حکومت ۳۵۷ھ سے ۴۵۵ھ تک رہا ہے، جو درہم ملک شام میں اس وقت جاری تھا۔ اس کا وزن ۱/۴، ۴۴ گرین تھا۔ اس حساب سے رطل کا وزن ۲۲۸۰۰ گرین ہوا جو تقریباً ۱/۳ پونڈ انگریزی کے برابر ہے۔

۷، حمص قدیم نام قدس تھا۔ یہ شہر ایک دینی مرکز تھا چنانچہ قدس اور حمص کے معنی ایک ہیں حمص صوبہ کا نام ہے اور قدس مدینۃ الشمس ہے۔ سطح زمین پر آباد اور شام کا قدیم مشہور شہر ہے، ۳۶ درجہ ۱۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۳۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔

۸، دمشق عرب دمشق (بالکسر) اور عجم دمشق (بالفتح) کہتے ہیں چنانچہ

شیخ شیراز فرماتے ہیں :-

چنانچہ سالے شد اندر دمشق کہ یاران فراموش کردند عشق
یونانی نام اس شہر کا ڈماسکینی تھا یعنی دما کا خمہ ، دما ایک یونانی
بہادر تھا جو دیونیس دیوتا کی طرف سے لڑا تھا اور جب لڑتا ہوا یہاں
تک پہنچا، تو اس جگہ اپنا خمہ نصب کیا اور ایک ہیکل بنائی عربوں نے معجز
کر کے دماسکینی کو دمشق بنالیا اور انگریزی میں یہ نام ڈمس کس ہو گیا۔
سریانی میں دمشق کا تلفظ در مسوق ہو۔ دمشق کی آبادی جبل قاسیون
کے متصل خرج نہر بردی کے قریب ہوئی تھی۔ شام کا قدیم مشہور اور
مقدس شہر ہے جو ۳۶ درجہ ۱۸ دقیقہ طول البلد اور ۳۳ درجہ ۳۰ دقیقہ
عرض البلد پر واقع ہے۔ اور سطح سمندر سے ۲۱۳۰ فٹ بلند ہے۔

۹۱ انطاکیہ | سکندر اعظم (متوفی ۱۲ جون ۳۳۶ ق م) کی وفات
کے بعد سلیوکش نیکر فاتح بابل و شام نے جو سکندر
کا پسر سالار اور اب اس کا جانشین تھا۔ اپنے بیٹے انطیوخوس (انٹیوخس
ANTIOCHUS) کے نام سے شمالی ملک شام میں شہر انطونہ (ANTIOCH)
آباد کیا تھا جو بعد کو عربی سانچے میں ڈھل کر انطاکیہ ہو گیا چنانچہ نقشوں میں
عربی اور انگریزی دونوں نام درج ہیں عرب انطاکیہ (ریائے مشرق) کہتے
ہیں چنانچہ زمہر۔ اور امراء القیس کے کلام سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔
علون بانطاکیہ فوق عقمۃ کجرمة فخل ادیکنۃ میثرب

۹۲ جند قنسرین | جند قنسرین کوئی موضع نہیں ہے یہ کتابت کی غلطی
ہے صحیح کنسرین ہے جس کا قدیم نام (CHALCIS)
تھا۔ اور حلب سے ایک منزل پر آج بھی ایک معمولی آبادی اسی نام

۱۱ مشہور ہے۔ قدیم زمانے کی سرائیں خالی پڑی ہیں جن میں مسافر ٹھہرا
رتے ہیں (مرآة الوضیہ)

۱۲ سرزمین | قنسرین اور معرة النعمان کے درمیان حلب کے نواح
میں ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اور آج بھی موجود ہے۔

س میں اسماعیلی آباد ہیں (مرآة الوضیہ)

۱۳ معرة النعمان | شام کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ حضرت
نعمان بن بشیر صحابی انصاری سے منسوب ہے۔

بھوں نے معرہ کو فتح کیا تھا اور اسی شہر میں حضرت نعمان کا ایک
ماحب زادہ دفن ہے۔ حلب سے جانب جنوب ۱۹ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

۱۴ ابو العلامعری | ابو العلامحمد بن عبد اللہ بن سلیمان..... التنوخی
المعری نہایت نامور شاعر، ادیب، نحوی اور لغوی

ہے۔ ۳۰ ربیع الاول ۳۶۳ھ یوم جمعہ کو غروب آفتاب کے قریب بمقام معرہ
پیدا ہوا۔ اور ۹۹ھ میں وفات پائی۔

۱۵ کومات کویمات یا کفرطاب | ابن حوقل، مقدسی، اصطخری اور
معجم البلدان، میں کومات کا نام

نہیں ہے یہ نام صرف ناصر خسرو نے لکھا ہے۔ پروفیسر شیفر نے جو ترجمہ ناصر
خسرو کا کیا ہے۔ اس میں بھی کومات ہے۔ لیکن محققین یورپ لکھتے ہیں کہ کومات
کفرطاب کا نام ہے چنانچہ کفرطاب صوبہ حمص کا مشہور شہر ہے۔ جو معرة النعمان
اور حماة (یا حلب) کے درمیان تھا جس کی تصدیق نقیشتات سے ہوتی ہے

۱۶ حماہ یا حماة | عبرانی میں حم کا ترجمہ ہے، حرارت شمس، اور ایک
روایت ہے کہ حمّت سے مشتق ہے۔ جس کا ترجمہ ہے

المدینۃ الحصینہ کتاب مقدس کے مطابق ارض میعاد کی یہ شمالی حد ہے۔ شام کا قدیم اور مشہور شہر ہے، ریل کی وجہ سے اب حماۃ سے حلب تقریباً ۱۶ گھنٹہ کا راستہ ہے۔ اور ۹۰ میل کی مسافت ہے۔

۷۱۔ آب عاصی | اس کو نہر الار نظر بھی کہتے ہیں اس کا یونانی نام اکیسوس ہے، مقدونیہ کے ایک نہر کے نام پر یونانیوں نے رکھا تھا۔ عربی میں یونانی سے یہ نام معرف ہو کر عاصی ہو گیا ہے، یونانیوں نے وطن کی یاد میں پہلا شہر پلا (PELLA) حماۃ شام میں آباد کیا تو نہر کا نام اکیسوس رکھا جو براہ راست تمام اراضی کو سیراب کرتی تھی۔

حماۃ اور حمص کی نہر کا نام آب عاصی ہے۔ ناصر خسرو نے جو وجہ تسمیہ لکھی ہے وہ ایک لطیفہ شاعرانہ ہے۔ اور یہ عرب جغرافیہ نویسوں کی غلطی ہے۔ اس کا دوسرا نام نہر مقلوب بھی ہے، کیونکہ عموماً شمال سے جنوب کو نہروں بہتی ہیں اور یہ نہر اس کے برعکس ہے۔

۷۲۔ فوارۃ الدیر | یہ چشمہ لبنان کے دامن میں تھا اور اس کا نام فوارۃ الدیر تھا۔ بوسی قوس (مشہور یہودی مؤرخ) نے بھی اپنی تاریخ میں اس چشمے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سینچر کے دن اس چشمے سے پانی نہیں نکلتا تھا (از ترجمہ انگریزی سیاحت شام)۔

۷۳۔ عرقہ | یہ قدیم شہر ہے، جس کا تذکرہ تورات مقدس میں ہے۔ سکندر اعظم نے اس میں ہیکل زہرہ تعمیر کی تھی جس میں تیطوس (TITUS) رومی نے بیت المقدس فتح کرنے کے بعد نماز شکرانہ پڑھی تھی، فینیشیا کے زمانے کے بھی آثار اس میں باقی ہیں طرابلس دتو۔

تین فرسخ پر آباد تھا اور آبادی پہاڑ کے نیچے تھی۔ یہاں پہنچ کر دمشق کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ عرقہ سے بحر الروم کا فاصلہ صرف ایک میل ہو گا شروع بارہویں صدی تک بطور قریہ کے موجود تھا اب نقشے میں یہ نام نہیں ہے۔ مشہور علمی بستی تھی۔
(بحم البلدان، مرات غیب)

۸۹۔ نیشکر | مالک مغربی میں نیشکر کی کاشت (عہد متوسط میں) صوبہ خوزستان فارس سے داخل ہوئی ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ خوزستان کا کوئی ایسا شہر نہ تھا جہاں نیشکر کی کاشت نہ ہوتی ہو۔ خصوصاً شہر سوس (شوستر) نیشکر کا مرکز تھا اس شہر میں شکر سازی کے بکثرت کارخانے تھے اور عربوں نے کاشت نیشکر میں بڑی ترقی کی تھی۔ شکر کو وہ بہترین طریقہ سے صاف کرتے تھے اور عربوں ہی کی بدولت ہندستان سے مراکو تک نیشکر کی کاشت پھیل گئی تھی۔ نواح ابوازیں صدیہا حوض موجود ہیں جن میں رس بھرا جاتا تھا۔

۹۰۔ شجر النارج | مونخ گلیشور (GALLESIO) لکھتا ہے کہ پورپ اور مغربی ایشیا میں نارنگی ہندستان سے پہنچی ہے۔ کیونکہ نارنگی کا وجود ہندستان میں نہایت قدیم زمانے سے پایا جاتا ہے۔ اور نویں صدی عیسوی کے خاتمے سے کچھ قبل عربوں کو نارنگی کا علم ہو چکا تھا۔ جنوبی و مغربی ایشیا میں نارنگی عربوں کے ذریعے سے پھیلی ہے۔ مونخ مسعودی نے لکھا ہے کہ نارنگی اور ترنج مذکور کا درخت پہلے پہل میں ہندستان سے گیا پہلے پہل یہ درخت عمان میں لگایا گیا۔ پھر عمان سے بصرہ اور عراق و شام میں پہنچا اور شام کے ملک طرسوس میں تو یہ کثرت ہوئی کہ کوئی گھر نارنگی کے درخت سے خالی نہ رہا پھر شام کے

دوسرے سرحدی شہروں میں رواج ہوا۔ خصوصاً انطاکیہ اور تمام ساحلی شہروں میں لگایا گیا۔ پھر فلسطین سے مصر تک اس کی ترقی ہوئی جہاں اس کے پہلے کوئی نارنگی کو جانتا بھی نہ تھا۔ (از سیاحت شام ناصر خسرو ترجمہ انگریزی)۔

۹۱۔ طرابلس الغرب | جس کو ٹری پولی کہتے ہیں بحر الروم کے کنارے آباد ہے اور بندرگاہ (المینا) ۲ میل کے فاصلے پر ہے ۳۵ درجہ ۵۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۲۶ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ اور اسی نام کا دوسرا طرابلس افریقہ شمالی میں ہے۔

۹۲۔ روم | (روم) سے قدیم شہر رومادار السلطنت اٹلی (ایطالیہ) مراد ہے جس کو روملوس نے ۷۵۳ ق م میں آباد کیا تھا۔ لیکن ۳۳۰ء میں قسطنطین اعظم نے یونان کے مشہور شہر بزنطائن کو وسیع کر کے قسطنطنیہ نام رکھا جو سلطنت کے اثر سے بعد میں روم جدید یا مشرقی روم کہلایا۔ قدیم روم کو عرب رومۃ الکبریٰ یا مغربی روم کہتے ہیں۔

۹۳۔ کاغذ سمرقندی | (کاغذ سمرقندی) علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ عربوں نے کاغذ بنانے کے کارخانے جاری کر دیے تھے چنانچہ ابن خلدون

صناعة الوراقہ کے عنوان سے عہد ہارون الرشید میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن سمرقند میں عہد عباسی سے قبل ۸۵۰ء میں رومی کا کاغذ تیار ہوتا تھا۔ جمہور میں تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں مستعمل ہوا۔ کاغذ سمرقندی کشمیر اور کاپچی کے کاغذ سے مشابہ ہوتا ہے۔ مگر سب سے قیمتی اور بہترین قسم وہ ہے جس کو پوست تہامہ کہتے ہیں اور یہ بعینہ ہرن کی جھلی معلوم ہوتی ہے۔ جس پر لکھے ہوئے متعدد کلام مجید میری نظر سے گزرے ہیں۔

۹۴ اندلس

اسلامی نام ہو جس کو اب اسپین کہتے ہیں یہ جزیرہ نما یورپ کے مغرب و جنوب میں ہو اور دو حصوں پر تقسیم ہو۔ چنانچہ مغربی حصے کا نام پرتگال اور جنوبی کا نام اسپین ہو عہد قدیم میں یہ ملک ”آئی بریا“ کہلاتا تھا جس کا نام یونانیوں نے ”ہسپانیا“ رکھا۔ عیسائی سلطنتوں نے متحد ہو کر ۱۵۰۰ء سال کی فرمانروائی کے بعد ۱۴۹۲ء میں تمام ملک سے مسلمانوں کو خارج کر دیا جن کے حال پر آنسو بہانے والا اب بحرِ قصرِ آلزہرا اور قصرِ الحمراء کے کوئی نہیں ہو۔ سید بکچی قرطبی نے اپنے مشہور قصیدے میں فتنۂ اندلس کی تباہ کاری کی خوب تصویر کھینچی ہو۔ (انتخاب از جام جم و تاریخ العرب)

۹۵ سسلی یا صقلیہ

بحیرہ روم میں جو جزائر ہیں منجملہ اُن کے جزیرہ سسلی نہایت مشہور ہو یہ جزیرہ مثلث کی صورت میں اٹلی کے جنوب میں واقع ہو اور اس وقت اس پر اٹلی ہی کا قبضہ ہو جو تقریباً دس ہزار میل مربع رقبے میں آباد ہو۔ لیکن حقیقت میں سسلی کے عروج اور تہذیب و تمدن کا وہ زمانہ تھا جب فاتحین عرب نے ہمازوں سے اتر کر اپنا مبارک قدم اس جزیرے میں رکھا اور جو ملک تمام برائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا وہ عربوں کی بدولت چندویں روز میں ایک مہذب و متمدن ملک بن گیا اور بلا دیورپ میں سب سے پہلے جس تاریک کردہ ارض پر علوم و فنون کی شعاعیں پڑیں وہ یہی سسلی کا علاقہ تھا۔ ۱۲۸۱ء میں بزمائے سلیمان بن عبد الملک یہ جزیرہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا جس پر عہد مامون الرشید عباسی میں دوبارہ فوج کشی ہوئی۔ مقدسی اور ابن حوقل نے صقلیہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ (از تاریخ صقلیہ)

۹۶ قلمون علاقہ دمشق کا مشہور موضع ہے اور اسی نام کا قلعہ بھی ہے جس کا ناصر تذکرہ کرتا ہے۔ قلموں ہنوز موجود ہے۔ انگریزی تاریخوں

میں اس کا تلفظ کلماس (CALMOS) ہے۔ (معجم البلدان)، مرصدا وغیرہ)

۹۷ طبر ابرزن یہ شہر طبر ابرزن یا طبر ابرزند کے علاوہ ہے جو آرمینیا کا سامعی شہر ہے معجم البلدان و مقدسی وغیرہ میں از نام

طبر ابرزن، کوئی شہر نہیں ہے ناصر کی تحریر کے مطابق طرابلس سے یہ شہرہ فرخ کے فاصلے پر تھا۔ زمانہ حال کے محققین نے لحاظ موقع اس کی تحقیقات کی ہے پناچہ پروفیسر ایم شیفرڈ کا خیال ہے کہ ”یہ قدیم شہر بترون ہے جو بگڑ کر طبر ابرزن ہو گیا ہے“ اور یہ وہ شہر ہے جس کو یونانی تمبریس کہتے تھے۔“

۹۸ جبیل صاحب مرصدا الاطلاع لکھتے ہیں کہ جبیل جبل کی تصغیر ہے۔ اور اس نام کے مختلف مقام اور پہاڑ ہیں لیکن ناصر خسرو

نے جس شہر کا ذکر کیا ہے وہ جبیل علاقہ دمشق کا مشہور شہر ہے لیکن جبیل جبل کی تصغیر نہیں ہے۔ بلکہ جب اور ایل سے مرکب ہے۔ عبرانی میں ال اور ایل خدا

کا نام ہے اور جب کا ترجمہ ہے قلعہ اور مقام بلند۔ اس سے وہ علاقہ مراد ہے جس میں قبائل آرامیہ متوطن تھے اور یہ مقدس حاکم میدان تھا۔ جو بیروت سے

۸ فرخ کے فاصلے پر موجود ہے اور نقشے میں (JEBEL) طرابلس اور بیروت کے مابین دیج ہے اس کا یونانی نام بیل یا بیلوس (BIBLOS)

ہے اور عبرانی نام جی بال (GEBAL) ہے جس کا توراۃ مقدس میں دو جگہ ذکر ہے اور جس کی تصدیق آثار قدیمہ سے ہوتی ہے اور جنگ صلیبی کی تاریخ

میں اس کا نام جبیلٹ (GIBLET) ہے سلطان صلاح الدین نے اس شہر کو عیسائیوں سے ۱۱۸۵ء میں فتح کر کے اس کو خالص کردوں سے آباد کیا تھا موجودہ مردم

شماری ۶۰۰ کے قریب ہے۔ (ازمعم البلدان، مرآۃ الوضیۃ)

اس کا ترجمہ ہے درخت صنوبر جو جبل لبنان میں بکثرت تھے
۹۹ بیروت دوسری روایت ہے کہ ایک دیوبی (دیوی) کا نام تھا،

جس کے نام سے شہر آباد ہوا۔ نہایت قدیم شہر ہے۔ اور بحر الروم کے کنارے
 آباد ہے جس کا رقبہ ۶۸۰ میل مربع ہے۔ طول البلد ۳۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور
 عرض البلد ۳۳ درجہ ۳۴ دقیقہ ہے۔ ساحل شام کا مشہور و معروف بندرگاہ ہے
 شہر صور کی جانب مشرق اور ۶ فرسخ کے فاصلے سے ساحل

عنا صیدا پر آباد ہے قدیم فینیشیا کا مشہور شہر ہے۔ انگریزی میں اس کا نام ،
 سیڈا، یا سیڈان (SAIDON)، ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور
 عرض البلد ۳۳ درجہ ۳۵ دقیقہ ہے۔

ع۱۰ صور ملک شام کا ساحلی شہر ہے جس کو انگریزی میں ٹیر (TYER)
 کہتے ہیں یونانی نام تیروس تھا۔ اسلامی دور حکومت میں یہ
 ایک فوجی مرکز تھا۔ صور سے عکہ ۱۲ یوم اور صیدا ایک دن کی مسافت پر
 ہے دولت و تجارت میں صور ضرب الثل تھا۔ شہر ق۔ م میں یہ شہر ملکہ
 بحار (سمندروں کی شہزادی) کہلاتا تھا۔ بخت نصر اور سکندر اعظم نے اس کو
 تباہ و برباد کیا اب ایک چھوٹا سا شہر ہے روئی اور کوئٹہ کی تجارت ہوتی
 ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۱۲ دقیقہ اور عرض البلد ۳۳ درجہ ۱۸ دقیقہ ہے۔

ع۱۱ وادی بطاف جس پہاڑی دے کے اندر ہو کر ناصر خسرو گزرا
 تھا وہ حقیقت میں ایک قدیم راستہ ہے اور
 عکہ سے دمشق کو عموماً مسافر اسی راستے سے جاتے تھے جس کا نام وادی
 بطاف ہے (سیاحت شام ترجمہ انگریزی)

۱۰۳۳ عکہ | عکو، عکاو۔ اس کا قدیم نام اکزیب ہے جس کا ترجمہ سیل ہے اور عک کا ترجمہ الرمل المحرق (جلتی ہوئی ریگ) ہے سب سے

اول دنیا میں اسی جگہ کی ریگ سے شیشہ (زجاج) بنایا گیا،

انگریزی میں اس شہر کا نام اکرنی (ECRE) ہے ساحل شام کا یہ قدیم شہر اور بندرگاہ اور مرکز تجارت ہے۔ جو صورا اور حیفاء کے درمیان ہے اور صور سے ۱۴ ایوم کی مسافت پر ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۶ دقیقہ اور عرض البلد ۳۲ درجہ ۵۶ دقیقہ ہے قدیم نام تالمیس یا بطلومایس ہے۔

۱۰۳۴ اصالح | حضرت صالح بن عبید بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام مشہور مغرب میں قوم بنود کی ہدایت پر مامور تھے مقام حج میں قیام تھا اور تجارت کرتے تھے مسیح علیہ السلام کی طرح خانہ بدوش رہے آپ کا معجزہ ایک ناقہ تھا جس کی قداریں سالف نے کوچین کاٹ ڈالی تھیں اس پر خدا کا عذاب آیا اور قوم تباہ ہو گئی۔ (القرآن سورۃ الشعراء)

۱۰۳۵ امینا | جو شہر سمندر کے کنارے آباد ہوتا تھا اور جہاں جہازوں کی آمد و رفت رہتی تھی اس کے کنارے پانی کا ایک حصہ، خشکی کی

جانب محصور کر دیا جاتا تھا۔ جہاں جہاز اور کشتیاں لنگر ڈالتی تھیں اس کو عربی میں مینا کہتے ہیں اور اس کا مرادف فرضہ ہے جس کو انگریزی میں پورٹ (PORT) ہر بور (HARBOUR) اور ہیون (HAVEN) کہتے ہیں

فی زمانہ جس طرح بڑے دریاؤں پر ریلوے پل بنائے جاتے ہیں اسی طرح سمندر کے کنارے سطح آب سے عمق تک کوٹیاں گلابی جاتی تھیں اور ریت پہنچ کر ستون قائم کئے جاتے تھے اور یہ ستون امتناناً ایک سال تک بحال خود چھوڑ دیے جاتے تھے جب بنیاد مستحکم ہو جاتی تھی تو پھر ان ستونوں پر

پہل بنائے جاتے تھے اور ایک بڑا دروازہ بنایا جاتا تھا جس کے اندر شب و روز جہازوں کی آمد و رفت ہوتی تھی اور جس طریقے سے جہاز نکلتے تھے اس کی ناصر خسرو نے خود صراحت کی ہے۔ دیکھو (معجم البلدان و مقدسی جام جم حالات عکہ)

۱۰۶ | **اعین البقر** | یہ چشمہ عکہ سے جانب مشرق ہے جو مسلمان یہودی اور عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہے، چند سیڑھیاں ہنوز قائم ہیں اور قدیم مسجد کی ایک محراب بھی باقی ہے یہ مسجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے منسوب ہے اور اس کی نسبت عجیب غریب روایات مشہور ہیں اس مسجد کے مشرقی حصے میں صلیبوں نے ایک گرجا بنانا تھا، قدیم اور جدید سفرناموں میں اس چشمے کا عموماً ذکر ہے (معجم البلدان ابن بطوطہ، خان بہادری) یہ وہ مشہور پہاڑی سلسلہ ہے جو لورنگیلی (LOWER GALILEE) کے نام سے مشہور ہے۔

۱۰۸ | **بروت** | بیروت کے علاوہ بروت ایک جدید شہر تھا جو ساحل کے کنارے تھا۔

۱۰۹ | **تل بردہ** | (BIRWAH) عکہ سے جانب مشرق تین میل کے فاصلے پر ہے۔ حضرت عیص یا عیصو حضرت اسحق بن ابراہیم کے صاحبزادے ہیں عیش کتابت کی غلطی ہے (سارف ابن قتیبہ)۔

۱۱۰ | **الشمعون** | حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ہیں ان کی والدہ کا نام لیاہ تھا اور حضرت شمعون کے تین بیٹے، شمویل، یاسین و عاتول ہیں جن کا تذکرہ کتاب مقدس میں ہے۔

۱۱۱ | **وامون** | یہ ایک غامبی جو تل پروردہ کے جنوب میں موجود ہے۔ اور

نقشبَات میں درج ہے۔

۱۱۲ ذوالکفل | یہ لقب ہے سر بن ایوب کا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جانشین ہوئے، بنی اسرائیل نے کثرت سے اپنے

پیغمبروں کو قتل کیا تھا اور چونکہ آپ نے تنو پیغمبروں کی جان بچائی تھی لہذا ذوالکفل (ضامن) خطاب پایا ذوالکفل حضرت اِیْسَع کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور اِیْسَع حضرت الیاس نبی کے خلیفہ تھے جو بعد کو پیغمبر ہوئے حضرت ذوالکفل شاہ کنعان اسرائیلی کے عہد میں مبعوث ہوئے تھے سورہ ص میں ہے: ”وَاذْكُرْ اِسْمٰعِیْلَ وَاِیْسَعَ وَذَا الْكُفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخِیَارِ“ (طبری کبیر، القرآن)

۱۱۳ عبیلین | (ABILIN) یہ ایک موضع ہے جو داموں کے جنوب میں واقع ہے۔

۱۱۴ ہود علیہ السلام | قوم عاد پر مبعوث ہوئے جن کا ملک دبار سے عمان تک اور حضرموت سے یمن تک پھیلا ہوا تھا تجاری اور سنگ تراشی میں اس قوم کو بڑا کمال تھا عذاب الہی سے یہ قوم بھی تباہ ہوئی۔ حضرت کامزار احقاف میں ہے۔ معارف ابن قیثمہ و تاریخ یمن۔

۱۱۵ عریر علیہ السلام | بنی اسرائیل کا ایک گروہ آپ کو ابن اللہ کہتا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَقَالَ الْیَهُوٰ

عزیر ابن اللہ توراة مقدس کے آپ حافظ تھے، بخت نصر شاہ بابل حضرت دانیال کے ہمراہ آپ کو بھی بیت المقدس سے گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ اور توراة کے کل نسخے جلا دیے گئے تھے چنانچہ رہائی کے بعد

بیت المقدس میں واپس آکر حضرت عزیر نے اپنے حافظہ سے تورات کو لکھو کر دوبارہ مرتب کیا صحیح روایات کے مطابق آپ کا مزار موضع قورنہ (محل اتصال دجلہ و فرات جو بصرہ سے ۹ گھنٹہ کی مسافت پر ہے) میں ہے جہاں صد ہا یہودی سالانہ زیارت کو جاتے ہیں (سارن ابن قتیبہ)

۱۱۶ شعیب علیہ السلام | حضرت شعیب بن صیفون نبی مرسل ہیں، تورات میں ہے کہ آپ مدین بن ابراہیم

علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ یہودی آپ کو تیر و یاترون کہتے ہیں۔ اصحاب الایکہ اور مدین کی ہدایت پر مامور تھے۔

حضرت شعیب کا مزار عکہ کے ایک غار میں ہے جو دامن کوہ میں ہے بحم البلدان میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار موضع حطین میں ہے (طبریہ اور عکہ کے مابین ہے) اور مراد الاطلاع میں لکھا ہے کہ حضرت شعیب کا مزار موضع خیبارہ میں ہے۔ لیکن یہ مقام بھی طبریہ سے ایک فرسخ پر ہے۔ بہر حال ناصر خسرو نے جو موقع لکھا ہے وہ صحیح ہے مواضع کے ناموں کا رد و بدل قابل لحاظ نہیں ہے۔

۱۱۷ اربل | اس نام کے مختلف مقامات ہیں لیکن جس موضع کا ناصر خسرو ذکر کرتا ہے بلحاظ موقع اس کا نام اربد ہے۔ لہذا یہ یقینی کتابت کی غلطی ہے موضع اربد طبریہ کے قریب علاقہ ارون میں ہے۔

۱۱۸ | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوکبدہ تھا آپ لادی بن یعقوب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور عمران بن فاہش

بن لادی بن یعقوب عم سے شادی ہوئی تھی، عرب مورخین نے یوکید کو یوخابث لکھا ہے۔ (معارف ابن قتیبہ)

۱۱۹۔ بحیرہ طبریہ | یہ بحیرہ شہر طبریہ کے کنارے ہے۔ لہذا اسی نام سے مشہور ہوا اس کا طول ۱۲ فرسخ اور عرض ۳ فرسخ ہے کتب مقدسہ میں اس کا نام بحر الجلیل بحیرہ جناتشر، اور کنزٹ ہے۔ اس کا پانی شیریں ہے۔ اس بحیرے پر ایک پل قائم ہے، جس کے اوپر سے دمشق کو راستہ جاتا ہے۔ (ابن حوقل، مقدسی)

۱۲۰۔ طبریہ | صوبہ اروں کی وادی کنعان میں شہر طبریہ (Tiberias) آباد ہے جس کو قیصر طبیاریوس کے نام پر ہیروڈوس نے آباد کیا تھا۔ اس شہر میں وہ مشہور و معروف یہودیوں کا مدرسہ تھا جس کا نامور پروفیسر حاخام یہودی تھا جو ۲۲۰ء تک زندہ تھا اول یہ شہر خلافت فاروقی ۱۵۰ھ میں فتح ہوا پھر عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا ۸۳۶ء کے زلزلے میں نصف سے زیادہ ویران ہو گیا ہے۔ طول البلد ۳۵ درجہ ۳۱ دقیقہ اور عرض البلد ۲۲ درجہ ۲۶ دقیقہ ہے۔

طبریہ علمی بستی ہے جس میں محدثین، حفاظ، مشائخ، بکثرت گزرے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر آپ بنی اسرائیل کی ہدایت پر مامور ہوئے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل میں ہیں، بنی اسرائیل کو تھ سے لیکر نکلے جابرہ سے لڑے اور بلقانک آئے۔ (یعقوبی)

۱۲۱۔ دریائے لوط | قدیم عربی کتب جغرافیہ میں اس کا نام بحیرہ المیتہ بحیرہ منتہ، بحر الملح، بحیرہ زغر اور المقلوب ہے چونکہ پانی

اس دریا کا نہایت شور و ٹکین ہو اور اس میں کوئی جانور زندہ نہیں رہتا ہو اور بودا بھی ہو، لہذا اسمائے مذکورہ بالا سے موسوم ہوا۔ موجودہ اُلسوں میں اس کا نام DEAD SEA) ہے جو بحر المیت کا لفظی ترجمہ ہے یہ بحیرہ شمال سے جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔

دینار ایک سکے کا نام ہے جو قیصر روم نے ۱۹۱ ق.م میں جاری کیا تھا۔ دینار لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا

۲۳ دینار مغربی

ماخذ دینار یوس (DENARIUS) ہے اور اس کا مادہ ڈینی (DENI) ہے جس کا ترجمہ (دس) ہے اور چونکہ ابتدا میں ایک دینار، دس آس ایک قسم کا رومی درہم، کے برابر ہوتا تھا اس مناسبت سے اس کا نام دینار ہوا اور یہ سکہ چاندی کا تھا لیکن اخیر سلسلہ ق.م میں یہ سکہ طلائی ہو گیا جس کا وزن ایک مثقال تھا بعد ازاں سلاطین ایران نے بجنسہ اسی شکل و صورت کے سکہ جاری کیے اور وہ بھی درہم و دینار کہلائے چنانچہ ملک شام اور دیگر ممالک عرب میں تجارتی تعلقات سے یہ رومی اور ایرانی سکہ جاری تھے، اور عرب ان کے بہت شایق تھے بعض ارباب لغت لکھتے ہیں کہ دینار کا ماخذ دتار ہے، جس کا لٹن حرف یار سے تبدیل ہو کر دینار ہو گیا ہے۔ اور اس بنا پر کہا جاتا ہے، ثوب مدنز اور فرس مدنز (جس کپڑے پر مدو نقش و نگار ہوں یا جس گھوڑے پر خوب صورت گل ہوں وہ مدنز کہلاتا ہے) لیکن ہماری رائے میں لسان عرب کے یہ معمولی تصرفات ہیں بہر حال تحقیق یہی ہے کہ دینار رومی لفظ ہے چنانچہ ظہور اسلام سے قبل عرب میں مذکورہ بالا سکہ جاری تھے ممالک مغرب میں جو دینار ناصر خسرو کے زمانے میں جاری تھا۔ وہ موجودہ نرخ سے چھو رپی کے برابر تھا۔

دینار کے بعد درہم کا درجہ تھا یہ ایک چاندی کا سکہ تھا جس کا وزن

ایک درم کے برابر تھا اور لفظ درہم کسی رومی یا یونانی لفظ سے ماخوذ ہے عرب میں یہ سکہ بھی ایران سے داخل ہوا جو مختلف الوزن تھا اور عرب میں جو درہم اول مرتبہ جاری ہوا وہ بشکل نوات (چھوہائے کی گٹھلی) تھا اور غیر منقش خلافت فاروقی میں مدور ہوا اور حضرت زبیر نے اس کو منقش کیا جس کی ایک جانب کلمہ طیبہ تھا۔ عہد رسالت میں ۱۰ درہم کا وزن ۵ مثقال کے برابر تھا اور عہد فاروقی میں، مثقال ہو گیا۔ ایک مثقال وزن میں ۱۰۰ اجڑ کے برابر تھا۔ عہد الملک کے عہد میں درہم شاہی سکہ قرار پایا۔ (الناسیکلو پیڈیا آف اسلام)

۱۲۲ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ | مشہور صحابی رسول اللہ صلعم ہیں آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے جس کا لکھنا بیکار ہے، البتہ کنیت مشہور عام ہے ۵۵۷ھ میں رحلت کی۔

۱۲۵ اکفرنا | بمع بلدان میں لکھا ہے کہ کفر کنّا فلسطین کا ایک شہر ہے جس میں حضرت یونس اور آن کے والد ماجد کا مزار ہے۔ نقشے میں اب یہ شہر نہیں ہے۔ لیکن حیفا کے بالائی حصے میں کوہ کرمل کے قریب یہ خانقاہ ہوگی جس کا ناصر خسرو ذکر کرتا ہے۔

۱۲۶ حضرت یونس | حضرت یونس بن متی علیہ السلام حضرت الیاس کے بعد اہل انبیا کی ہدایت پر مامور ہوئے تھے اور نینوا علاقہ موصل میں وہ مشہور قریہ ہے۔ جہاں حضرت یونس کی سکونت تھی۔ المعارف و معجم البلدان

۱۲۷ حیفا | جہاں ہالمد مدینہ طیبہ کے ایک موضع کا نام ہے اور حیفا غیر ممدود ساحل شام کا مشہور شہر ہے جو ناصر خسرو کے زمانے

میں ایک معمولی قریہ تھا۔ اور حیفا۔ دراصل اس قلعہ کا نام تھا جو یافہ کے قریب تھا جس کو ۵۳۱ھ میں سلطان صلاح الدین نے فتح کر کے مصلحت ملکی سے تباہ کر دیا تھا۔

۱۲۸ جو دی | جو قویں ساحل پر آباد ہوتی ہیں، وہ قدرتی طور پر فن کنشیرانی سے واقف ہوتی ہیں۔ خصوصاً عرب اور ایرانی۔ انھوں نے جہاز رانی اور کشتی سازی میں عہد قدیم سے ترقی کی تھی اور کشتیوں کے نام ساخت کے لحاظ سے رکھے تھے اور ہر قسم کی کشتیاں بناتے تھے۔ عربوں کی کشتیاں حسب ذیل تھیں۔

۱۔ بڑی کشتیاں = جو دی۔ فلک۔ خلیۃ۔ مزاراب۔ بوسلی (بوزی) شلح عقاب۔ ذہبیہ (دریائی نیل کی عام کشتیاں)، جاریہ۔
۲۔ اوسط درجے کی کشتیاں = فسطوکہ۔ زرقہ، فردوس۔ نبوق، سلارہ جو دی اور بوضی۔ یہ دونوں کشتیاں بصرہ اور بحر فارس میں چلتی تھیں، جس پر ناصر خسرو سوار ہوا ہے۔

۱۲۹ الکینسہ | حیفا کے بعد شام میں قیساریہ کے متصل ایک موضع تھا۔ یہاں یہودیوں کا ایک عبادت خانہ "کینسہ" کے نام سے مشہور تھا۔

بنگ صلیبی کے زمانے میں اس کا نام (CAPERNAUM) تھا۔ یہی کینسہ گرجا بھی تھا۔ اور اس کو تل کینسہ بھی کہتے تھے (بعم یا قوت)

۱۳۰ قیساریہ | ساحل بحر الروم پر آباد تھا اور اعمال فلسطین میں شامل تھا۔ قیساریہ سے طبریہ ۳ یوم کی راہ پر تھا اور مکہ سے، فرنگ تھا۔ اور رملہ سے ایک یوم کی مسافت پر تھا۔ ۳۱۱ھ میں جب عمرو بن العاص

نے قیساریہ کو محصور کیا ہے تو شہر میں ۳۰۰ بازار تھے۔ کسی زمانے میں یہ بڑا شہر تھا۔ عہد ناصر خسرو میں معمولی قصبہ تھا (معجم یا قوت ص ۱۹)۔

۱۳۱ بحر الروم | بحر الروم کو بحر شام، بحر ابیض، اور انگریزی میں میڈیٹیرین سی (MEDITERRANEAN SEA) کہتے ہیں۔ یہ دریا حقیقت

میں بحر محیط کی ایک شاخ ہے جو مصر کو طو کرتی ہوئی شام تک گئی ہے، اور بحر محیط مختلف دریاؤں کا منبع و سرچشمہ ہے۔ لیکن بڑی شاخیں دو ہیں۔

مشرقی شاخ میں بحر ہند، چین، فارس، یمن اور حبش تک ہے، مغربی شاخ اندلس (اسپین) سے براہ افریقہ، مصر، شام اور قسطنطنیہ تک ہے۔ (معجم یا قوت)

۱۳۲ کفر ساہا و کفر سلام | ناصر خسرو نے دو مقامات کو ملا کر ایک کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں مواضع

جدا گانہ ہیں۔

۱۔ کفر ساہا | شام میں کفر ساہا، تابلہ اور قیساریہ کے مابین واقع ہے۔ اور آج تک فلسطین کے نقشے میں موجود ہے، جو دمشق کی سڑک پر ہے۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ (یا قوت ص ۲۶)۔

۲۔ کفر سلام | مدت ہوئی کہ کفر سلام ختم و فنا ہو چکا ہے۔ اب نقول میں یہ نام موجود نہیں ہے۔ مقدسی اور یا قوت نے

الگ الگ کفر ساہا و کفر سلام کا حال لکھا ہے۔ قیساریہ سے ۴ فرسنگ پر ایک بڑا موضع تھا جس میں رباط بھی تھی۔ اس جگہ مسافروں کی رہنمائی کے لئے ایک مینار تھا۔ جس پر روشنی ہوتی تھی۔ اور ضرورۃً طبل (نقارہ) بھی بجایا جاتا تھا۔

اور رملہ سے ہر دو مواضع کا فاصلہ ایک یوم کی مسافت ہو۔ کفر کا ترجمہ قریہ
 ہو۔ شام میں کفر کی ترکیب سے متعدد مقامات ہیں۔ کفر سلام کی جگہ پر اب
 راس العین ہو (ترجمہ انگریزی سیاحت شام ناصر خسرو و معجم یا قوت، ص ۳۶ و مقدس)
 فلسطین کا ایک خوبصورت قصبہ ہو، جس میں مینوہ افراط
 سے پیدا ہوتا ہو۔

۱۳۴ رملہ | سفر نامے میں رملہ کے بعد خاتون کا ذکر ہو۔ یہ کتابت
 کی غلطی ہو، صحیح نام لترون ہو۔ یہ ایک موضع ہو۔ (از
 سیاحت شام انگریزی)

۱۳۵ بیت المقدس | قدیم نام اورشلیم یا یروشلم ہو۔ یہ ایک قدیم
 شہر ہو جس کو قدس بھی کہتے ہیں۔

عرض البلد ۳۵ درجہ ۳۶ دقیقہ

طول البلد ۳۳ ° ۴۱ °

۱۳۶ ساہرہ | مسجد اقصیٰ سے آگے ایک بہت بڑا ہموار میدان اور
 جنگل ہو جس کا نام ساہرہ ہو۔ مسلمانوں کا عام خیال ہو،
 کہ یہی میدان قیامت (محشر) ہوگا اور یہی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ
 عنہ سے منقول ہو۔ اسی لیے ساہرہ میں خونریزی بھی جایز نہیں ہو (معجم ص ۱۱۱)
 شہر قدس کے باہر ایک محلہ عین سلوان ہو جہاں
 ایک چشمہ بھی ہو۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ
 عنہ نے عین سلوان کا پانی مساکین و غریبوں کے لیے وقف کر دیا تھا (مقدس)

۱۳۷ مسجد اقصیٰ | ناصر خسرو نے ۳۸۰ھ میں یہ مسجد دیکھی تھی اور مقدس
 نے اس سے قبل شام کی سیاحت کی تھی چنانچہ ابواب

مسجد کے بعض نام بدل گئے تھے چھٹی صدی ہجری میں بہت زیادہ تبدیلی ہو گئی تھی۔ مآثر نے مسجد اقصیٰ کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔

۱۳۹ قنبہ صخرہ | ایک سخت پتھر کی چٹان (ٹول) ہے جو سنگ صخرہ کہلاتا ہے اس کی ضخامت ۳۳ x ۲۴ گز ہے جو عہد قدیم کے پیغمبروں کی

یادگار ہے۔ یہ پشت پہل ہے۔ طور اسلام سے قبل یہی قبلہ تھا۔ بعد میں کعبہ ہوا۔ یہ بھاری پتھر وسط مسجد اقصیٰ میں ایک بڑے وسیع چبوتے پر رکھا ہوا ہے۔ یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی۔ شب میں تین ستون قد بلیں صخرہ کے چاروں طرف روشن ہوتی ہیں۔ قنبہ صخرہ کے نیچے ایک غار ہے جس میں جاکر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ اس غار میں ہر یک وقت ۶۹ اشخاص نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۱۴۰ گز ملک | یہ ایک قدیم گز تھا جس کو گز شاہگان بھی کہتے تھے گز ملک کی مقدار دوازش کے برابر تھی۔ بیت المقدس کی عمارت میں ”ال“ ارشس کے برابر مانا گیا ہے۔ (از ڈکشنری انگریزی و ترجمہ سیاحت شام،

۱۴۱ درخت حور | یہ درخت مالک روم سے مخصوص ہے۔ اسی لیے نام لے ذکر کیا ہے کہ اس کا ملک شام میں ہونا تعجب ہے۔ اس کا گوند کاہ رہا ہے جس کو اصطلاح طبری میں کہربا کہتے ہیں۔

۱۴۲ بیت اللحم | قدس شریف سے ۶ میل کے فاصلے پر ایک معمولی موضع ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کا مولد ہے۔ قرآن شریف میں حضرت مریم علیہ السلام کے قصے میں جس کھجور کا ذکر وارد ہوا ہے۔ اس کا ایک حصہ ہنوز عبادت خانے میں تبرکاً محفوظ ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز کی کن

ن ذرا بچ سے تصدیق ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ! (مجم ۳۲۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدفن مشہد خلیل

نام سے مشہور ہے جس کو جبرون، جبرین، جبری اور مطلقون بھی کہتے ہیں، یہ مقام بیت اللحم کے جنوب میں واقع ہے۔ مطلقون منجملہ چار مواضع کے ایک وقفی موضع تھا جس کا ذکر ناصر خسرو نے بھی کیا ہے یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار تھا۔ حضرت سارہ علیہ السلام ان کی زوجہ پہلے فوت ہو چکی تھیں اور وہیں مدفون تھیں لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اُن کے قریب ہی دفن ہوئے۔ زیر سائبان حضرت اسحاق علیہ السلام اور اُن کے قریب ہی اُن کی بی بی حضرت رقیہ علیہا السلام دفن ہیں۔

اور پچھلے حقے میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کی رفیقہ حیات حضرت ہلیا، محو خواب ہیں۔ مشہد خلیل کے قریب ایک احاطہ ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام اور احاطے کی جانب مغرب حضرت یوسف علیہ السلام بھی مدفون ہیں آپ کا تابوت حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔

۱۴۲۲ بیعتہ القمامہ | شہر بیت المقدس میں بیعتہ القمامہ یہودیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے۔ جو وسط شہر میں نہایت

شاندار مستحکم و خوبصورت ہے۔ اور خزانوں سے معمور ہے۔ اس کے اندر ایک مقبرہ ہے جو قمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ الحاکم بامر اللہ فاطمی مصری نے اس بیعتہ کو منہدم کر دیا تھا۔ جس کی تفصیل دوسری جگہ دیج ہے۔ عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہی جگہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہوئے تھے اور اسی گرجا میں ان کا جشن منایا گیا تھا۔ (مجم ۱۵۸)

وترجمہ انگریزی سیاحت شام

۱۳۵۔ عسکلان غزہ | اعمال فلسطین میں ساحل بحر پر مابین عذہ و بیت حبر واقع ہے۔ جن و جہال کے لحاظ سے اس کا خطاب

عروس شام ہے اور یہ دوسرا دمشق ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین کا برسوں مسکن رہ چکا ہے، جنگ صلیبی (۵۴۸ھ لغایہ ۵۸۶ھ) میں تباہ ہو گیا تھا۔

۱۳۶۔ طینہ | جزیرہ تینس اور قرما کے مابین ایک قصبہ تھا (۸۱۰ھ بمجم عمران)

۱۳۷۔ جزیرہ تینس | یہ جزیرہ قرما اور میاط کے مابین ہے۔ دراصل یہ ایک بحیرہ ہے جس کو نیل کی ایک شاخ کہنا چاہئے، جو خشکی

سے متصل اور بحر الروم سے قریب ہے۔ سیاحت ناصر کے زمانے میں بہت آباد تھا۔

۱۳۸۔ قسطنطنیہ | یا استنبول۔ دنیائے اسلام کا مشہور شہر جو صدیوں تک ترکوں کا پایہ تخت رہا۔

۱۳۹۔ صالحیہ | مشرقی مصر کا قدیم شہر ہے۔ زمین ریگستانی ہے۔ صالحیہ سے شام تک آج بھی سڑک جاری ہے۔ اس شہر کا بانی ملک

الصالح نجم الدین بن ملک الكامل محمد بن عادل ایوبی تھا اور اس عہد میں یہ فوجی چھاؤنی تھی۔ قدیم جامع مسجد ہنوز موجود ہے اور ہزار کی آبادی ہے (منجم ذیل بمعجم جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۹)۔

۱۴۰۔ نہر جیحون | جیحون کا دُنیا کی بڑی نہروں میں شمار ہے اور

یہ متعدد نہروں کا مجموعہ ہے اور پھر اس سے متعدد نہریں نکلی ہیں حدود و بَدشال سے نکلتی ہے اور دور تک بہ کر بحیرہ خوارزم میں مل گئی ہے مغربی ایشیا کی سب سے بڑی نہر ہے خیتو اور بخارا سے نکل کر بحیرہ اُورال میں گرتی ہے۔

تقریباً ۳۰۰ میل تک اس کا بہاؤ ہے۔ اس کا انگریزی نام پیراموس ہے۔

نہر سیحون | جیون کے بعد دوسری مشہور نہر سیحون ہے۔ سر میں یہ بھی تخی
بستہ ہو جاتی ہے۔ اس کا انگریزی نام ساروس (SARUS) ہے

۱۵۱ ترمذ | ترمذ، ماوراء النہر کا قدیم مشہور شہر ہے جو شرقی وادی جیون میں
واقع ہے۔

۱۵۲ نوبہ یا نوبیا | نوبہ جنوب مصر میں ایک طویل و عریض علاقہ ہے۔
جو سوڈان کا ایک جز ہے۔ اسوان کے بعد ہی یہ علاقہ
شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا صدر رومقلہ ہے (مجم ۳۲۳)

۱۵۳ اصعیذ الاعلیٰ | صوبہ مصر نوعیت زمین کے لحاظ سے دو حصوں پر
تقسیم ہے جو حصہ بلند ہے وہ مصر صعیذ (UPPER EGYPT) کہلاتا
ہے۔ اس رقبہ میں ۵، ۹ مواصلات ہیں اور جو حصہ پست ہے۔ اس کا نام مصر الغلی یا
مصر سفلی (LOWER EGYPT) ہے۔ اس میں ۱۴۳۹ دیہات ہیں۔ (مجم)

۱۵۴ اسوان یا اسوان | صوبہ مصر کا بڑا شہر ہے اور مصر صعیذ کے آخر حصے
میں ہے اور بلاد نوبہ (نوبیا) کا یہ پہلا شہر ہے، جو
نیل کے شرقی کنارے واقع ہے۔

۱۵۵ جبل القمر (نیل کا منبع) | قدیم جغرافیہ نگاروں کی تحقیقات تھی
کہ دریائے نیل کا منبع جبل القمر ہے چنانچہ
متاخرین بھی اب اسی کے قایل ہیں۔ جنوب خط استوا۔ میں مغرب کی طرف
ایک پہاڑی سلسلہ ہے جس کے مجموعے کا نام جبال القمر ہے۔ یہ سلسلہ مغرب سے
شروع ہوتا ہے جس کا طول البلد ۱۱۰ درجہ اور عرض البلد ۱۰° ۱۱° اور
مجموعی مسافت ۲۰۰ فرسخ ہے۔ لیکن مزید تحقیقات ہنوز جاری ہے کیونکہ نیل
ایسے مقامات سے گزرتا ہے، جہاں انتہائی تاریکی ہے اور کشتی کے ذریعے سے

بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بعض محققین یورپ جھیل و کٹوریہ نیانیر کونیل کا منبع قرار دیتے ہیں۔

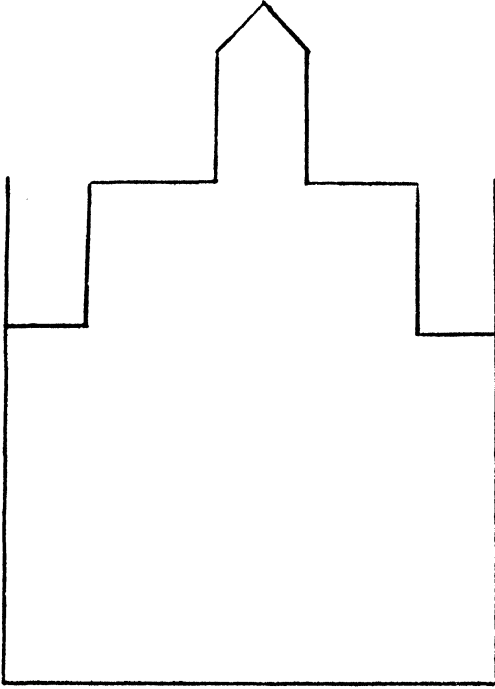
۱۵۶ اسکندریہ | ملک مصر کی مشہور و بارونق بند گاہ ہے جو بحر روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کی بنا سکندر اعظم نے ۳۳۳ ق۔ م میں رکھی تھی۔

۱۵۷ امینار اسکندریہ آئینہ حراقہ | اسکندریہ کے عجایب میں مینار اسکندریہ اور آئینہ حراقہ بھی ہیں، جن کا ناصر خسرو نے بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ مینار مختلف دھاتوں سے تعمیر ہوا ہے۔ بحر روم کی ایک چٹان پر اس کی بنیاد ڈالی گئی تھی، بنیاد میں کانچ اور شیشے کی بھرتی کی گئی تھی اور کل سنگ خارا کا تھا۔ مینار کا طول ۳۰ گز تھا۔ عہد قدیم میں اس مینار سے رصدہ کا کام لیا جاتا تھا، جس کی چوٹی پر ایک آئینہ نصب تھا۔ اور اس مقام سے آنے والے جہاز بہت دور سے نظر آتے تھے۔ جب دشمن کا جہاز آئینے کے مقابل آتا تھا تو اُس میں آگ لگ جاتی تھی اس لیے عربوں نے اُس کا نام آئینہ حراقہ رکھا ہے۔

یہ مینار قلعہ تھا جس کی تصویر یہ ہے۔ (تصویر صفحہ ۲۰۹ پر ملاحظہ ہو)۔

۱۵۸ الحاکم بامر اللہ فاطمی مصری | ابو علی المنصور ملقب بالحاکم بامر اللہ خلیفہ العزیز باللہ کا بیٹا تھا ۳۸۶ھ میں اپنے باپ

کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ اس وقت ۱۱ سال ۶ ماہ کی عمر تھی۔ ۴۱۱ھ میں یکایک گم ہو گیا اور نعش کا بھی پتہ نہ چلا ۲۵ سال حکومت کی الحاکم کی بہن نے اس کے نابالغ بیٹے ابو الحسن علی کو جانشین کیا اور الظاہر لاغزادین اللہ خطا قرار پایا۔ تاریخ نجوم الزاہرہ میں الحاکم کے تفصیلی واقعات ہیں۔



مینار اسکندریہ

۱۷۹۹ء قیروان و سلجاسہ | قیروان ارض مغرب میں سب سے بڑا شہر تھا۔
 اور زمانہ دراز تک و الیان مغرب کا دار الخلافہ رہا
 ہی۔ یا قوت کا قول ہی کہ قیروان کا روان (قافلہ) کی تعریف ہی جنگل کے کنائے آباد
 ہی۔ امیر معاویہ کے عہد میں بسایا گیا تھا اور دوسرا مشہور تاریخی شہر اس
 علاقے کا سلجاسہ تھا۔ تاریخ مغرب میں یہ دونوں شہر خاص اہمیت رکھتے
 تھے (معجم ۱۹۳)

۱۶۱ | المہدیہ و خلیفہ مہدی | عبید اللہ مہدی بانی دولت فاطمیہ نے اپنے
 نام سے ملک مغرب میں مہدیہ آباد کیا تھا۔

جو مشہور بندر گاہ تھا سہ ہجری میں، جہدی نے قیروان کے بعد اس نئے شہر کو دار الخلافہ بنایا تھا جس کا فاصلہ قیروان سے دو مرحلہ تھا۔

یہ علاقہ بلگیریا اور قسطنطنیہ کے مابین واقع تھا جس کے باشندے سرخ رنگ تھے۔

۱۶۲۔ صقلاب

اسپین کے اخیر جنوبی کٹے کا نام عربوں نے اندلس رکھا تھا اس اسلامی حکومت کا بانی طارق بن زیاد لیشی ہر

۱۶۳۔ اندلس

جس نے اسے فتح کیا اور ایک شاندار اسلامی سلطنت کے بنیاد رکھی جو آٹھ سو برس تک قائم رہی۔

۱۶۴۔ قدیم جزیرہ صقلیہ | دیکھو حاشیہ ۹۵

قلزم عربی میں اُس دریا کو کہتے ہیں جو وسیع اور عمیق ہو بحر قلزم دراصل بحر ہند کی ایک شاخ ہے جس کو بحر احمر (ریڈی)

۱۶۵۔ بحر قلزم

بحر العرب اور خلیج عرب بھی کہتے ہیں۔ باشندگان ریف (کشت زار و چراگاہ) مصر نے اس شلخ کا نام بحر قلزم رکھا کیونکہ یہ دریا قدیم شہر قلزم کے مشرق میں تھا۔ جو مصر و شام کا بندر گاہ ہے۔ عبرانی نام اودم (سرخ رنگ) ہے چنانچہ موجودہ نام بحر احمر بھی اسی مناسبت سے ہے قلزم کا عرض شہر قلزم (موجودہ نہر سوئز) سے بلادین تک ۴۶۰ فرسنگ ہے۔

شہر قلزم اب فنا ہو گیا ہے۔ اس جگہ اب وہ آبادی ہے جس کا تعلق نہر سوئز سے ہے۔ قاہرہ سے اس کا فاصلہ ۵۳۵ کلومیٹر

۱۶۶۔ شہر قلزم

تھا۔ ابن حوقل نے اپنی مخصوص اشار میں شہر قلزم کے حالات لکھے ہیں۔

شہر جار ساحل بحر قلزم پر آباد تھا۔ یہاں سے مدینہ طیبہ کا فاصلہ ایک شعبانہ روز تھا۔

۱۶۷۔ شہر جار

۱۶۸ قاہرہ | ملک مصر کا پائے تخت جو ۳۶۱ھ میں پورا تعمیر ہوا اور اب دُنیا کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

۱۶۹ مائیس خلافت فاطمیہ و خلیفہ المعز لدین اللہ | خلفائے فاطمین مصر میں المعز لدین اللہ پہلا خلیفہ ۳۴۱ھ سے ۳۶۵ھ تک حکومت کی۔

۱۷۰ قصر الکبیر | جو ہر رومی نے خلیفۃ المعز لدین اللہ کی سکونت کے لئے قاہرہ میں دو محل بنوائے تھے چنانچہ قصر الکبیر جس میں خلیفہ کی سکونت تھی، اُس میں ناصر خسرو کی صراحت کے مطابق دس دروازے تھے۔

سفرنامے میں بجائے باب قصر الشوک کے باب السریہ درج ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ دس دروازے بیرونی کہلاتے تھے۔ اور سُرنگ کے راستے سے جانب شاہی خلیج (جس کا سالانہ جشن ہوتا تھا) جو اندرونی راستے تھے وہ جدا گانہ تھے علی پاشا مبارک نے جو مقریزی کا ذیل (المخطط الجدیدہ) لکھا ہے۔ اس میں جانب قبلہ باب الدلیم، اور ”باب تربت زعفران“ کا اور اضافہ کیا ہے۔

۱۷۱ جامع ازہر | قاہرہ کی یہ پہلی مسجد ہے، جو قاید عظیم ابو الحسن جوہر رومی نے فتح قسطنطین کے بعد تعمیر کی تھی۔ اسکا ابتدا میں جامع قاہرہ کہتے تھے۔

اس مسجد کا سنگ بنیاد بہ تاریخ سنہ ۵۱۷ جمادی الاولیٰ یوم شنبہ ۳۵۵ھ کو رکھا گیا۔ تھو اورہ رمضان المبارک ۳۵۷ھ میں تعمیر مکمل ہو گئی تھی۔ اس میں پہلی نماز یوم جمعہ کو ادا ہوئی۔

۱۷۲ جشن وفارائیل | وفارائیل کے حالات ناصر خسرو نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ خلافت فاطمیہ

میں یوم عید الصلیب میں یہ جشن منایا جاتا تھا اور خلیفہ کی سواری میں نہیں
تک جاتی تھی۔ ۱۲ گز طغیانی ہونے پر منادی لیل تمام شہر میں گشت لگا کر بہ
آواز بلند پکارتا تھا۔ ”زاد اللہ الیوم کذا وکذا۔“ یعنی خدا نے آج روڈ نیل کو انچول
اور گزوں کے حساب سے اس قدر بڑھایا ہے۔

۳۲۔ اجامع عمرو بن العاص | قدیم مصر (قسطاط) میں یہ سب سے
پہلی مسجد ہے جو حصن بابل (قصر الشیع) کے قریب نیل کے شرقی کنارے پر تعمیر ہوئی ہے۔ اور فتح اسکندریہ کے بعد
حضرت عمرو بن العاص نے ۳۳ھ میں اس کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔
سمت قبلہ کی تعیین میں انہی صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ مسجد کا طول
۵۰ گز اور عرض ۳۰ گز ہے۔ اور ۲۳۰ ستون ہیں جو کھنڈرات منف وغیرہ
سے آئے تھے جو آیات قرآنی سنگ رخام پر نقش تھیں۔ قدیم طرز عمارت
میں اب بہت فرق آگیا ہے۔ اس مسجد میں اب چھ دروازے ہیں۔
... نہر انمازی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس مسجد کا نقشہ
مسجد الحرام مکہ۔

خلیفہ عبدالعزیز اموی نے اپنے گورنری میں از سر نو توسیع کی تھی جس
پر عہد ماموں الرشید میں عبداللہ بن طاہر نے بہت کچھ اضافہ کیا۔ ۳۵۷ھ میں
آگ سے جل کر برباد ہو گئی جس کی سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ تعمیر کی۔
یہ جزیرہ قسطاط کا گویا ایک محلہ ہے، جو مشہور
۳۳۔ جزیرہ مصر یا روضہ | تفریح گاہ ہے۔ یہ وہ تاریخی مقام ہے جس جگہ
کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ٹوکرا یا صندوق فرعون کی بی بی
کو ملا تھا۔

۱۵۰ اجنیرہ | مصر کا یہ دوسرا جزیرہ ہے، جو روضہ کے بعد مغربی کنارہ نیل فسطاط کے مقابل آباد ہے۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ فاتح مصر عمرو بن العاص نے واپسی اسکندریہ پر حفاظت شہر کے لئے اس جزیرے میں فوجی چھاؤنی قائم کی تھی۔

۱۶۰ خلیفہ المستنصر باللہ فارسی | ابوتیم محمد المستنصر باللہ بن الظاہر لاعزیز دین اللہ ۱۶ جمادی الثانی ۶۲۲ھ میں

پیدا ہوا۔ اور ۶۲۲ھ میں خلیفہ ہوا۔ ناصر خسرو اسی عہد میں داخل مصر ہوا تھا۔ اور اس کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں جو کلیات ناصر خسرو میں موجود ہیں۔ ناصر ۳ سال تک مصر میں مقیم رہا۔ اور داعی الکبیر کی سند لے کر مصر سے رخصت ہوا۔ اور صوبہ خراسان میں تبلیغ شروع کی جس کی وجہ سے علمائے خراسان اس کے دشمن ہو گئے۔ اسی زمانے میں حکومت صقلیہ کلیتیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مستنصر کا عہد مصر کی ترقی کا آخری دور تھا۔ ۶۰ سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۵ھ میں یہ خلیفہ فوت ہو گیا۔

۱۷۰ مدینہ طیبہ | یعنی مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
۱۸۰ آسیوط | صعید مصر میں نیل کے مغربی حصے میں آباد ہے۔ بڑا شہر ہے۔
۱۹۰ قوص | یہ مصر صعید کا ایک آباد شہر تھا، فسطاط سے ۱۲ یوم کی مسافت
۲۰۰ خیم | یہ بھی مصر صعید کا قدیم شہر ہے اور آسیوط سے ۲۰ میل پر ہے جو نیل کے شرقی کنارے پر آباد ہے۔

۲۱۰ عیناب | ساحل بحر جدہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جو قدیم زمانے سے بندر گاہ بھی تھا، عدن سے آتے ہوئے تجارتی جہاز اسی جگہ لنگر انداز ہوتے تھے۔

بجہ یا بحبایہ | ناصر خسرو نے سفرنامے میں بَجَّہ یا بجایہ کو، بجاباں لکھا ہے، جو عجی لہجہ ہے اور عرب بجاہ کہتے ہیں۔ یہ صحرائی آبادی حبش اور لُوبہ کے درمیان تھی جس کو سوڈان کا ایک حصہ سمجھنا چاہئے۔

۱۸۲۔ ماہی قرش | قرش بحر قلزم کی ایک مچھلی ہے، اس سے بڑی دوسری مچھلی نہیں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قریش کا مادہ اشتقاق قرش ہے۔ یعنی یہ وہ قبیلہ ہے جو اقوام عرب میں سب سے زبردست اور ممتاز ہے۔

بحر عذاب میں بھی قرش مچھلی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کا تیل اس زمانے میں بکثرت نکالا جاتا اور بطور دوا استعمال کیا جاتا ہے۔ جدید تحقیقات ہے کہ یہ مچھلی دراصل ”ویل“ ہے جس کو عرب قرش کہتے تھے۔

۱۸۳۔ جَدَہ | عرب کی زمین اور دیار حجاز میں ساحل بحرین پر آباد ہے۔ زمانہ قدیم سے مشہور بندر گاہ ہے۔ جدہ سے مکہ معظمہ ۶۵ میل ۱۱ دن کی مسافت پر ہے۔ اب موٹرین جاری ہیں جو چند گھنٹوں میں حاجیوں کو مکہ معظمہ پہنچا دیتی ہیں۔

۱۸۴۔ مکہ معظمہ | مکہ معظمہ صوبہ حجاز کا دار الخلافہ، تعریف و تعارف سے مستغنی ہے۔ (زاد اللہ شرفہا)

۱۸۵۔ کوہ البقیس | مکہ کی پہاڑیوں میں مشہور پہاڑی ہے۔

۱۸۶۔ کوہ صفا | مکہ معظمہ کا مشہور پہاڑ ہے، جو حرم کے باب الصفات جنوب کی طرف واقع ہے اور اسی قرب و اتصال کے سبب سے جب صفا پر کھڑے ہوں تو حجر اسود سامنے ہوتا ہے اور مشرق الحرام صفا مردہ کے مابین ہے۔

۱۸۷ کوہ مروہ | صفا کے بعد یہ دوسری مشہور پہاڑی مکہ معظمہ کے جانب مغرب ہو اور صفا سے مروہ تک ایک وسیع شُرک جاری ہو جو بازار کے اندر ہو کر گئی ہو حجاج انھیں پہاڑیوں کے اندر سعی رہ مرتبہ دوڑنا کرتے ہیں۔

۱۸۸ عرب میں | مدینہ و مکہ معظمہ کے حالات کے بعد، زمین عرب کے عنوان سے ناصر خسرو نے حجاز و یمن کا مختصر جغرافیہ لکھا ہے ان کی موجودہ حدود اب تک قریب قریب وہی ہیں جو اس وقت تھیں۔

۱۸۹ اصعدہ | خالیف یمن سے ایک مشہور مختلف صعدہ بھی ہو جس کا فاصلہ صفا سے ۶۰ فرسنگ ہو۔ تجارتی منڈی ہو۔ خاص کر

ادیم (د باغت کیا ہوا چٹا) بکثرت فروخت ہوتا ہے۔ شہر صفا سے چھوٹا ہے اور پہاڑی کے اندر آباد ہے اس کا بندر گا غلافقہ ہے (عم ۳۵۷ و مقدسی)۔

۱۹۰ زبید | خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں یہ خوب صورت شہر آباد ہوا۔ یمن کے مشہور شہروں میں ہنوز آباد ہے۔ باب

المنذب کے مقابل میں ہو علی بستی ہو سلاطین یمن کا مستقر رہ چکا ہے۔ وسط یمن میں آباد اور قدیم تمدن کی یادگار ہے بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر عرب کے

۱۹۱ اصنعاء و قصر غدان | شمالی و مغربی حصے میں ہو۔ اس کا قدیم نام اوزال ہو جو برسوں میں کا دار الحکومت رہا ہے۔ اور آج بھی صفا یمن کا صدر ہے۔

۱۹۲ نجد | وسط عرب میں یہ سرسبز اور بلند قطعہ ہے اور اسی مناسبت سے اس کو نجد کہتے ہیں۔ تین جانب عظیم الشان صحرا (صحرائی شام، حجاز و دہنا) ہیں صرف جنوب میں آباد صوبہ یاممہ ہے اور نجد کے نام

سے اور بھی چھوٹے چھوٹے قطعات آباد ہیں۔

نجران | اعتقات اور عیس کے مابین ایک آبادی تھی جہاں بحیلہ بن نزار اسماعیلی کا قبیلہ آباد تھا اور اسلام سے کچھ زمانہ قبل نجران میں عیسائیت پھیل گئی تھی چنانچہ ۹۳ھ میں عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم کے حضور میں آیا تھا۔ ناصر خسرو نے مشرقی میں نجران کے بعد عشر اور بیشہ کا بھی نام لیا ہے۔ یہ دونوں نالجیہ جدا گانہ شیخ کے ماتحت تھے جو سلطان لکھے جاتے تھے عشر صنعا اور صعدہ کا بندر گاہ تھا پانی دور سے آتا تھا بیشہ وہی بیش ہے۔

۱۹۳ مسجد الحرام | مکہ معظمہ کے وسط میں مسجد الحرام ہے جس کے وسط صحن میں خانہ کعبہ اور اطراف میں عمارتیں ہیں۔ مسجد کا کل رقبہ متعلقات ایک ہوائی شہر کے برابر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت (۲۳ھ) میں تعمیر کی جس کی توسیع عہد عثمانی میں ہوئی اور الان بنائے گئے۔ اور حضرت عبید اللہ بن زبیر نے آرائش کی۔ اس کے بعد عبد الملک بن مروان اموی اور خلیفہ مہدی منصور عباسی نے نہ صرف عمارت کو بڑھایا بلکہ غیر معمولی تکلفات کئے۔

ناصر خسرو نے اپنے زمانے میں جس حالت میں مسجد کو دیکھا تھا۔ اس کی تفصیل سفر نامے میں موجود ہے۔ حرم کے دروازوں میں ناموں کا بہت فرق ہو گیا ہے جن کی صراحت ترجمہ سفر نامہ میں کر دی گئی ہے۔ طول مسجد ۳۵۳ گز اور عرض ۳۵۵ گز ہے اور رقبہ طواف ۱۰۰ اکر ہے۔

۱۹۴ خلیفہ العزیز باللہ | المعز لدین اللہ کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور نزار ملقب بہ العزیز باللہ ۳۶۵ھ میں خلیفہ ہوا تھا ۳۸۴ھ میں اس کی ولادت ہوئی تھی۔ اس کے

عہد میں بھی جو ہر صقی سپہ سالار تھا۔ اس کے زمانے میں کوئی اہم تاریخی واقعہ نہیں ہوا۔ ۹۹۶ء میں بعارضہ قونیج بلیس میں فوت ہو گیا۔ ۲۱ سال تک خلافت کی۔ (المصر الحدیث)

۱۹۵ء جعرانہ | دراصل یہ ایک چٹنے کا نام ہے جو طایف اور مکہ معظمہ کے درمیان عراق کی سڑک پر ہے۔ جنین سے واپسی کے وقت نبی کریم صلم نے جعرانہ میں قیام فرمایا تھا۔ اور مال غنیمت تقسیم کیا تھا اور اسی مقام سے احرام باندھا تھا اہل مکہ بھی جعرانہ سے عمرہ کی نیت کرتے ہیں۔ (معجم فیہ ما فیہ من لدنہ)

۱۹۶ء عرفات | مکہ معظمہ سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر تقریباً دس میل مربع کا ایک وسیع میدان ہے، جو مقام حج و جبل احرہ عرفات کی مشہور پہاڑی ہے۔ اس پر عرفے کے دن بعد نماز ظہر خطیب اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ پڑھتا ہے۔ دوسری جانب مسجد منبرہ ہے جس میں ۹ رزی الحجہ کو منی سے واپس ہوتے ہی نماز ظہرین (ظہر وعصر) ادا کرتے ہیں۔

۱۹۷ء مزدلفہ یا معشر الحرام | ۹ رزی الحجہ کو حجاج میدان عرفات سے روانہ ہو کر مغرب کی نماز مزدلفہ میں پڑھتے ہیں۔ اور تمام رات مزدلفہ میں ٹھہر کر عشاء اور فجر کی نماز پڑھ کر علی الصبح منیٰ میں آ جاتے ہیں۔

۱۹۸ء منیٰ | مکہ معظمہ سے پانچ میل پر عرفات کے راستے میں ایک میدان ہے۔ جس کا نام منیٰ ہے اس کا طول و عرض ۲ میل ہے۔ کچھ عمارتیں بھی ہیں جو کہ اس پر حجاج کو دی جاتی ہیں عہد قدیم کے مختلف سلاطین نے اپنے ملک کے حاجیوں کے لیے بھی مکانات بنائے تھے

منی میں ۸ رزی الحجہ کی شب کو حاجی قیام کر کے ۹ رزی الحجہ کی صبح کو عرفات چلے جاتے ہیں اور یہاں سے مزدلفہ پہنچ کر تمام رات قیام کرنے کے بعد ۱۰ رزی الحجہ کی صبح کو پھر منی میں داخل ہو جاتے ہیں اور تیس یوم تک قیام کرتے ہیں۔ اور اسی جگہ قربانی ہوتی ہے جس کی ابتدا دس تاریخ سے ہوتی ہے (الحج، ابن حوقل طحاوی باب الحج)

۱۹۹ مسجد خیف | یہ ایک مشہور وسیع مسجد ہے جو وسط منی میں ہے اور ملک الاشرف قابتیائی کی یادگار ہے۔ بنی کنانہ کا مشہور قبیلہ خیف تھا جس کے نام سے یہ مسجد موسوم ہے۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں بھی قیام فرمایا تھا۔ (معجم ۴۹۹)

۲۰۱ طایف مع ملحقات | حجاز میں طایف گویا جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ امرائے مکہ معظمہ گرمی کے موسم میں طایف چلے جاتے ہیں۔ یہ ان کا مسوری و شملہ ہے بے انتہا شاداب مقام ہے۔ جبل غزوٰں پر برف جم جاتی ہے۔

۲۰۱ فلج | ناصر نے فلج لکھا ہے۔ صحیح نام فلج ہے۔ مکہ یا طایف سے جب بصرہ روانہ ہوں تو فلج راستے میں پڑتا ہے۔ یہ مہذب عربوں کی آبادی تھی۔ ناصر کے

۲۰۲ یمامہ | صوبہ عروض دمشق نجد اور حدود عراق سے سوا حل خلیج فارس تک) میں یمامہ، بحرین، اور عمان میں بڑے تعلقات ہیں

یمامہ کا ترجمہ گھریلو فاختہ یا قمری ہے اور یمامہ کا قدیم نام بؤا تھا۔ بعد میں یمامہ بنت سہم بن طسم کے نام سے یہ آبادی مشہور ہوئی۔ یمامہ سے بحرین تک دس یوم کی مسافت ہے۔

۲۳۔ **لحسایا الاحسا** | الاحسا اُس چٹنے کو کہتے ہیں جو ریت کو ہٹا کر نکالا جائے یہ علاقہ بحرین کا ایک حصہ ہے۔ اس کو ابو

طاہر الحسن بن ابی سعید جنابی قرمطی نے آباد کیا تھا۔ اور چونکہ فارس سے لحسا قریب تھا۔ لہذا قرامطہ نے اس کو صدر بنایا تھا۔ ساحل لحسا سے بحرین کے جزایر ۲۰ میل کے فاصلے پر واقع ہیں، مقدسی کے زمانے میں بھی آل سعید کی حکومت تھی۔

۲۴۔ **ابو سعید جنابی قرمطی** | ابو سعید بن بہرام ملقب بہ حسن قرامطہ کا ایک داعی تھا۔ یہ ایک معمولی آرد

(آٹا) فروش تھا۔ داعی الکبیر نے اس کو پہلے جناب میں تعینات کیا تھا۔ بحر فارس کے کنارے جنابہ ایک مشہور قصبہ تھا، یہاں سے سیراف ۵۴ فرسنگ کے فاصلے پر ہے، جنابہ، حسن کا صدر مقام تھا

علاقہ فارس کا داعی الکبیر شیخ حمدان قرمطی تھا، جب اس علاقے میں کامل تبلیغ ہو چکی تو حسن، بحرین میں مقرر کیا گیا، اس نے حکمت عملی سے شہر بحر پر قبضہ کیا۔ لیکن جب اس کا راز فاش ہو گیا تو یہ الاحسا (لحسا) میں اپنے محل کے اندر مع ایک جماعت قرامطہ کے قتل کر دیا گیا۔ اس نے الاحسا میں ایک قلعہ بھی تیار کر لیا تھا۔ اس کا بیٹا ابو طاہر جانشین ہوا۔ اس نے بصرے اور کوفہ پر قبضہ کیا۔ اور مسلمانوں پر حج کا راستہ بند کر دیا اور بقدر امکان بنو ہاشم اور آل ابوطالب کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور مسلسل حجاج کو قتل کرتا رہا۔ اور عین حج کے موقع پر حجر اسود کو اپنی جگہ سے نکال کر قطیف لے گیا، اور ۲۱ سال تک حجر اسود کو واپس نہیں کیا، بعد میں مسلمانوں سے کثرتاً وان لیکر واپس کیا۔ جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر قائم ہے۔ (بہم یا قوت)

۲۵۔ **عمان** | ایک اسلامی تعلقہ ہے۔ جو ساحل بحرین اور ہند پر واقع ہے اور بحر

کے مشرق میں ہے جس میں متحدہ شہر و قصبات ہیں۔ اور عمان ارض بلقاء (رخام) کا دوسرا شہر ہے (جمع ۲۱۵)

۲۰۶ فارس بحر فارس | فارس دولت ایران کا قدیم صوبہ ہے۔ صحیح لفظ پارس ہے۔ عربوں نے تعریب کی ہے۔ بہت وسیع

صوبہ ہے۔ عراق، کرمان، ساحل بحر ہند اور مکران سے محدود ہے

۲۰۷ بصرہ | عراق کا یہ اسلامی شہر ہے، عہد فاروقی میں آباد ہوا۔ سرحدی شہروں میں یہ سب سے بڑا ہے۔ دجلے سے ۴ فرسنگ پر ہے اور تمدن

شہر ہے، علوم و دینیہ کامزور رہا ہے۔ اور آج بھی بغداد کے بعد قابل سیر ہے۔

۲۰۸ شط العرب | شط کا ترجمہ جانب نہر ہے، عراق کے نشیبی حصے میں بمقام قورنہ (کورنہ) جب فرات اور دجلہ کا سنگم ہوتا ہے تو اس

کا نام شط العرب ہوتا ہے۔ یہاں پانی کا بہت زور ہوتا ہے جس میں بڑی کشتیاں (اٹنیر) چلتی ہیں۔ ۲۰۰ میل بہ کر شط العرب خلیج فارس میں گرتا ہے،

۲۰۹ نہر معقل | ابکہ کے بعد دوسری بڑی نہر معقل ہے۔ یہ بھی بصرہ سے نکلتی ہے۔ جس کو عہد فاروقی میں حضرت معقل بن یسار مرنی صوابی

رسول اللہ صلعم نے نکالا تھا۔ اس نہر کی یہ صفت ہے کہ حالت جزریں اس کا پانی نہیں ہوتا ہے۔

۲۰۹ نہر ابکہ | بصرہ کی مشہور بڑی نہر ہے، جو چار فرسنگ طویل ہے۔

۲۱۰ آہواز | آہوازی۔ ایرانی دور میں خوزستان کہلاتا تھا، خوز کی جمع آہواز تھی جس کو عربوں نے آہواز بنالیا ہے، اور صوبہ آہواز ساسانی دور

سے پہلے ہرمز شہر کے نام سے موسوم تھا۔ آہوازیں ایک بڑا بازار تھا، جس کو عرب سوق آہواز کہتے تھے اور حقیقت میں یہ ایک چھوٹا شہر تھا۔ آہواز کا علاقہ مابین فارس اور

بصرہ آباد ہے۔

۲۱۱۔ شہر ابلہ | مضافات بصرہ میں دو چھوٹے شہر ہیں ایک کا نام ابلہ ہے۔ اور دوسرے کا شق عثمان ابلہ کنارہ و جلدہ اور زاویہ خلیج بصرہ پر آباد ہے اور جو نہر گھومتی ہوئی یہاں تک آئی ہے۔ اُس کا نام نہر ابلہ ہے۔

دوسرا شہر، شق عثمان، ابلہ کے مقابل جنوب کی طرف آباد تھا اور ابلہ سے چھوٹا تھا۔

۲۱۲۔ جزیرہ عبادان | عبادان متعلق بصرہ ایک جزیرہ ہے، جو اپنے بانی عباد کے نام سے مابین و جلدہ و خوزستان آباد ہے۔ اور بصرے کے شہر جیسے ہیں واقع ہے۔ بصرہ جانے والے عبادان کے رباط میں پھر کھرتے تھے۔ عبادان میں ایک قلعہ بھی تھا۔

۲۱۳۔ حساب یا فانوس البحر | خُشاب کو بعض جغرافیوں میں خُشبات اور خُشنا بھی لکھا ہے۔ ناصر خسرو نے اس کی پوری تفصیل کی ہے۔ عبادان سے حساب کا فاصلہ چھ میل تھا مگر کی حالت میں کوئی کشتی حساب سے نہیں نکل سکتی ہے۔ فرات کے بعد حساب آتا تھا۔ عربوں نے روشنی کے لحاظ سے حساب کو فانوس البحر (لائٹ ہاؤس) کا خطاب دیا تھا (ص ۱۶۱)۔

۲۱۴۔ مہروبان تہ | بعد ناصر خسرو شہر مہروبان میں داخل ہوا تھا، یہ شہر دریائے فارس کے کنارے، مابین عبادان و سیراف واقع تھا۔ اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا، بعد میں تنزل ہوا اور اب موجود نہیں ہے۔

گازرون | ناصر خسرو مہروبان سے چل کر براہ تہ (ایک قصبہ) و گازرون شہر ارغان میں داخل ہوا تھا۔ ناصر نے گازرون کے حالات نہیں لکھے ہیں،

جو صوبہ فارس کا مشہور شہر ہے اور بحرین و شیراز کے مابین خوب آباد۔

۲۱۵۔ ارغان | عرب اس شہر کو ارجان کہتے ہیں۔ دریا کے قریب آباد ہے جو جانب خوزستان فارس کی اخیر سرحد میں ہے۔

۲۱۶۔ لور وغان لنجان | عرب لور و جان کہتے ہیں، یہ فارس کا پہلا سرحدی شہر تھا جو ناحیہ اتوازیں میں داخل ہے۔

یہاں سے ناصر خسرو، خان لنجان میں داخل ہوا تھا۔ فارس میں یہ ایک خوبصورت شہر تھا۔ یہاں سے صفہان دو یوم کی مسافت پر ہے اس میں باطنیہ کا ایک قلعہ بھی تھا جس کو سلطان محمد نے ۷۵۵ھ میں برباد کر دیا اب یہ دونوں مقام موجودہ نقشوں میں نہیں ملتے۔

۲۱۷۔ صفہان | فارس (عراق عجم) کا مشہور آباد اور خوبصورت شہر صفہان ہے جو زندہ رود کے جانب شمال آباد ہے اور یہ ایک مرکب نام ہے (اسپ - ہان) جس کا عربی میں بلاد الفرس ترجمہ ہے۔ اسکو صفہان (عربی ہجہ) سپاہان اور سپاہان بھی کہتے ہیں۔

۲۱۸۔ ٹائین | صفہان سے ۴۵ فرسنگ ہے۔ اور داخل بلاد فارس ہے قدیم شہر توآن کے متصل ایک معمولی قصبہ ہے۔

۲۱۹۔ طبس و خبیص | یہ شہر دو حصوں پر تقسیم تھا، اس لئے یہ صیغہ تثنیہ طبسان طبین مشہور ہے۔

صبوبہ کرمان کا ایک چھوٹا شہر تھا اور جنگل کے کنارے آباد تھا۔

۲۲۰۔ تون | قدیم شہر ہے جو قاین سے قریب ہے، کسی زمانے میں بہت آباد تھا۔ اس کا دوسرا نام شہر عمید بھی ہے۔

۲۲۱۔ کارنیز کنابد | فارس میں یہ سبب سے بڑی کاریز ہے جو ۱۲ میل تک چلی گئی ہے کہتے ہیں گو در زورافر آسیاب کی جنگ اسی جگہ ہوئی تھی، جس کا نام تالیخ ایران میں ”دوازده نخ“ ہے۔ توَن سے نکل کر کنا بد پہلی منزل ہے، کنا بد کا دوسرا نام خیابد بھی ہے۔

۲۲۲۔ قاین | ایک قدیم اور ممتاز شہر ہے جو خراسان کو کرمان سے علیحدہ کرتا ہے اور دور تک چلا گیا ہے نیشاپور اور صفہان کے مابین واقع ہے

۲۲۳۔ زوزن | نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک پرگنہ ہے، علمی حیثیت سے زوزن کو بصرہ صغریٰ کا خطاب دیا گیا ہے زوزنی شاح سبہ معلقہ مشہور ہے۔ اس شہر میں ابو حنیفہ عبد اللہ حسن بن احمد ایک بزرگ تھے، جنہوں نے تمام عمر میں ۴۰۰ مصحف لکھے تھے۔ اور ہر مصحف کا ہدیہ ۵۰ دینار (۲۵۰ روپیہ) تھا۔ زوزن نیشاپور کے ماتحت ہے (معجم ۱۴)۔

۲۲۴۔ دست گرد و پل جموکیان | دست گرد کے نام سے کئی مقام ہیں علاقہ بلخ میں جو دست گرد ہے وہ پل جموکیان کے نام سے مشہور ہے (معجم ۱۵ دست گرد)۔

ہماری زبان

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اجار
ہر مہینے کی پہلی اور سوٹھویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے
چند سالانہ ایکڑ پیہ، فی پرچہ پانچ پیسے

اُردو

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص
تیار رکھتے ہیں۔ اُردو میں ہوکتا میں شائع ہوتی ہیں، ان پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت
ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے قیمت سالانہ معمول ڈاک غیر ملاک رسالت رُپ
سکہ انگریزی (آٹھ روپے سکہ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے (دو روپے سکہ عثمانیہ)

رسالہ سائنس

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوتا ہے)
اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دفتروں میں مقبول کیا جائے
دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید اکتشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا کمپنیں یا ایجادیں ہو رہی
ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور
سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہل وطن
کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع
ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ روپے سکہ (انگریزی) چھ روپے سکہ عثمانیہ
خط و کتابت کا پتہ: معتمد مجلس ادارت رسالہ سائنس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے بہت دنوں سے یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مخرج اور کم قیمت کی بڑی تعدادیں شایع کی جائیں۔ انجمن ترقی اردو (ہند)۔ اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا گیا اور اس سلسلے کی پہلی ہمارے قومی زبان ہے جو اردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر مسرتج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریر پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اردو ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸ ر

ہمارا رسم الخط

از جناب عبدالقدوس صاحب ہاشمی
رسم الخط پر علمی بحث کی گئی اور تحقیق و دلیل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھج کر طلب کیجیے۔

مینجر انجمن ترقی اردو (ہند) علی دریا گنج۔ دہلی

